توہینِ رسالت، میلاد النبی ﷺ، ندائے غائبانہ اور سماع کے
موضوعات پر کم و بیش ایک صدی پیشتر کے رسائل کا مجموعہ

حفاظت الایمان

مفتی اعظم الشیخ السیّد احمد الدین گانگوی الحنفی
(1843-1968ء)

با اجازت
صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی

تحقیق و تدوین
ء المصطفیٰ مظہری

تصحیح/نظر ثانی
یاسر اعجاز شاہ

کتاب محل

توہینِ رسالت، میلاد النبی ﷺ، ندائے غائبانہ اور سماع کے
موضوعات پر کم و بیش ایک صدی پیشتر کے رسائل کا مجموعہ

حفاظت الایمان

مفتی اعظم الشیخ السید احمد الدین گانگوی الحنفی
(1843-1968ء)

با اجازت
صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی

تحقیق و تدوین
عطاء المصطفیٰ مظہری

تصحیح/نظر ثانی
یاسر اعجاز شاہ

کتاب محل

نام کتاب: حفاظت الایمان

مصنف: مفتی اعظم الشیخ السید احمد الدین گانگوی الحنفی

بااجازت: صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی

تحقیق وتدوین: عطاء المصطفیٰ مظہری

تصحیح/نظر ثانی: یاسر اعجاز شاہ

سن طباعت: ۲۰۱۷ء

قیمت: 400/-

کتاب محل

نئی و پرانی عربی، فارسی، اُردو اور انگریزی کتب کا مرکز
اپنی کتابیں پرنٹ کروانے کیلئے رابطہ فرمائیں
مسودہ دیں تیار کتاب لیں

0300-4827500, 0321-8836932
0348-4078844, 0311-7004893

دربار مارکیٹ لاہور

انتساب

معلم عشق رسول ﷺ

استادِ محترم

پروفیسر ڈاکٹر سید محمد سلطان شاہ

(چیئرمین شعبہ عربی وعلومِ اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور)

کے نام

فہرستِ مشمولات

دریچۂ دل سے!

محمد ریاض بھیروی

شہرِ مردم خیز میانوالی کے معروف محلے گانگوی کی ایک گلی جس میں نادرِ روزگار ہستیوں کا بسیرا رہا، میں واقع جامع مسجد گانگوی میں داخل ہوں تو بر کنارِ صحن اک دل آرا و دل کشا مقبرے کے اندر دو قبریں موجود ہیں۔ اندر ہمہ وقت موجود اک سحر انگیز سکوت و سکون انسان کو اپنی گرفت میں لے کر سانسیں بھی آہستہ کر لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ شاید یہ سپاسِ نیاز کا اک الوہی انتظام ہے! قبروں میں علم و عرفاں کے دو ہمالے محوِ استراحت ہیں۔ مولانا سیّد احمد الدین گانگوی اور ان کے فرزند فلک کمند مولانا سیّد فخر الدین گانگوی۔ اول الذکر یکے از فاضلین فرنگی محل و دہلی اور ثانی الذکر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے شاگرد مجید ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہر دو حضرات کے لئے کوئی بھی روایتی ذکر آفریں مجلس بصورتِ عرس وغیرہ انعقاد پذیر نہیں ہوتی لیکن میانوالی کے دینی حلقہ جات میں کوئی بھی محفل ان کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی۔ علمی پایہ مسلّم ہے اور ان کا علمی اثاثہ اس پر شاہدِ عادل ہے۔ معاشرے پر اپنے ہمہ گیر اثرات و گرفت کے حوالے سے آخر الذکر معروفِ خلائق ہیں۔ بیسویں صدی ہجری میں پوری تابانی سے چمکنے اور ابھرنے والے آفتاب آج بھی پوری طرح ضوفشاں ہیں۔ ان کا نہ ختم ہونے والا اجرانہیں ہر لحہ نئی زندگی بخشتا رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے کام اور نام یوں زندہ رہ کر موت کو شرمندہ کرتے رہتے ہیں۔ زیرِ دست رسائلکے مطالعے سے لطف اندوز ہوں اور مزید انقلاب آفریں کتب کی اشاعت کا انتظار فرمائیں اور دعا گو ہوں ان لوگوں کے لئے جو ان کتب کی اشاعت کا باعث بنے! سیّد نعیم الدین شاہ گانگوی، علامہ عطاء المصطفیٰ اور ان کی پوری ٹیم کو ہدیہ تبریک پہنچے۔ اللہ کرے ان کی یہ عرق ریزی، امت خیزی کا وسیلہ ثابت ہو، امین! بجاہ سیّد المرسلین ﷺ

فاضل متبحر حضرت علامہ مولانا سید احمد دین گانگوی قدس سرہ

علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمتہ اللہ علیہ

فاضل یگانہ حضرت مولانا سید احمد دین گانگوی رحمہ اللہ تعالی ابن مولانا میاں غلام علی رحمہ اللہ تعالی ۱۸۴۳ء میں موضع گانگی شریف ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلہ نسب اکتیس واسطوں سے غوث صمدانی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا خاندان پورے علاقے دینی اور علمی اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ آپ نے قرآن پاک اپنے والد گرامی سے پڑھا جو اپنے دور کے جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے فارسی کی ابتدائی تعلیم قریبی موضع سیلوان میں حاصل کی صرف ونحو کی کتابیں ضلع مظفر گڑھ میں مولانا غلام رسول سے پڑھیں پھر ملتان جا کر مولانا عبدالرحمٰن سے فقہ اور منطق کی تعلیم حاصل کی، بعدازاں عمر پور ضلع میں حضرت مولانا الٰہی بخش سے علمی استفادہ کیا اور معقول سے اکتساب فیض کیا اور ۱۸۶۵ء میں دہلی سے سند تکمیل حاصل کی آپ کی آمد سے ایک ہفتہ بعد والد گرامی کا وصال ہو گیا۔

والد ماجد کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق آپ نے تدریس افتاء اور تبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کیا اور ۱۹۲۸ء تک پورے تریسٹھ برس اس فریضے کو بحسن خوبی انجام دیتے رہے اس عرصے میں کابل، قندھار اور دیگر دور دراز مقامات کے علماء نے آپ سے استفادہ کیا آپ کے چند شاگردوں کے نام یہ ہیں۔

مولانا محمد اکبر علی (میانوالی)، مولانا نور احمد لائل پوری، مولانا محمد زاہد (دریا خان)، مولانا فقیر محمد کابلی، مولانا دولت خان کابلی، مولانا محمد رمضان وغیرہ ہم۔

آپ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے لیکن حضرت ثانی خواجہ محمد الدین سیالوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور بہت جلد صاحب کمال بن گئے، حضرت ثالث خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ نے آپ کے فضل کمال کے

پیش نظر آپ کو آستانہ عالیہ سیال شریف کا مفتی اعظم مقرر فرمایا تھا، اس عہدے کے فرائض کو آپ نے بڑی محنت اور قابلیت سے انجام دیا، آپ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور حق تحقیق ادا کیا مثلاً عشر وزکوٰۃ کے موضع پر اسلامی بیت المال اور مسئلہ سماع (قوالی) پر ضیائے شمس الانوار تالیف کی، جو طبع ہوگئی ہیں، ان کے علاوہ مسئلہ علم غیب، حاضر و ناظر، استغاثہ بحضور سید الکونین ﷺ، تین طلاقیں بیک لفظ دینے اور دیگر موضوعات پر آپ کی تصانیف تاہنوز زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں۔

حضرت مولانا احمد دین رحمۃ اللہ علیہ صحیح معنوں میں علمائے سلف کی یادگار تھے کبھی خوف یا لالچ آپ کو اظہار حق سے باز نہ رکھ سکا، ایک سو پچیس سال سے زائد عمر ہونے کے باوجود باقاعدگی کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے خود چل کر مسجد تشریف لاتے، عالم جوانی سے آخر عمر تک نماز تہجد، اشراق اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کے معمولات اہتمام سے ادا کرتے رہے، آپ فی الواقع صاحب کرامت بزرگ اور علمی اعتبار سے مرجع خلائق تھے۔

چار رجب مرجب ۱۳۸۸ ہجری مطابق ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۸ء بروز ہفتہ ایک بجے دن ذکر کرتے ہوئے آپ کی روح انور اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کرگئی، آپ کے وصال سے اہلسنت و جماعت ایک فاضل کامل اور صاحب دل ولی اللہ سے بظاہر محروم ہوگئے آپ کے جنازہ میں اطراف واکناف کے بکثرت مسلمانوں نے شرکت کی، اور باچشم پرنم مدرسہ شمس العلوم جامع مسجد گانگوی میانوالی میں آپ کو دفن کیا گیا، یہ امر باعث مسرت ہے کہ آپ کے فرزندارجمند مولانا سید غلام فخر الدین گانگوی مدظلہ العالی تلمیذ رشید صدر الافاضل مولانا علامہ سید محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین ہیں، مولائے کریم ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ آمین

(تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۴۸۔۴۷)

نوٹ: علامہ شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تحریر مولانا غلام فخر الدین گانگوی کی حیات میں لکھی تھی جبکہ مولانا سید غلام فخر الدین گانگوی کا وصال مبارک ۱۹۸۳ء میں ہوا۔

تالیفاتِ شیخ احمد الدین گانگوی

الشیخ السیّد احمد الدین گانگوی الحنفی الچشتی نہ صرف ایک بالغ نظر فقیہہ، محدث اور کلامی تھے بلکہ صاحب حال درویش وصوفی بھی تھے۔ آپ نے ۱۲۶ سال کی طویل عمر درس وتدریس، تحریر و تقریر اور ارشاد وتلقین میں بسر کی۔ آپ نے علوم ظاہری کی تحصیل اپنے زمانے کے اکابر علماء سے کی جب کہ علوم باطنی اور روحانی کی تربیت حضرت ثانی خواجہ محمد دین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ سے پائی۔ اگرچہ آپ حضرت خواجہ شمس العارفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے مگر بیعت واجازت وخلافت حضرت ثانی خواجہ محمد دین سیالوی سے حاصل ہوئی۔ حضرت ثالث ضیاء الملت و الدین خواجہ محمد ضاء الدین سیالوی نے آپ کی فقاہت کے پیش نظر آپ کو آستانہ عالیہ سیال شریف کا مفتی اعظم مقرر فرمایا۔ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ غلام فخر الدین گانگوی رحمۃ اللہ علیہ بھی مفتی اعظم کے عہدہ پر فائز رہے۔ خواجہ غلام فخر الدین گانگوی، مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کے تلمیذ رشید تھے۔

حضرت خواجہ احمد الدین گانگوی نے جامعہ شمس العلوم کے نام سے ایک دینی درس گاہ بھی تعمیر فرمائی جہاں سے ہزاروں کی تعداد میں طالبانِ علم ومعرفت نے حدیث وفقہ اور تفسیر وکلام کا علم حاصل کیا۔ حضرت شیخ کے حالات زندگی کے لئے الیواقیت المہر یہ مؤلفہ غلام محمد چشتی، تذکرہ اکابر اہل سنت مؤلفہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری اور تذکرہ اولیاء چشت مؤلفہ سلطان احمد فاروقی وغیرہ کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ سردست ہمارے پیش نظر آپ کی تالیفات کا ایک مختصر سا تعارف ہے۔ دستیاب مؤلفات وقلمی مسودات حسب ذیل ہیں۔

(۱) السیوف العتابیہ علی انوف الوہابیہ:

یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے۔ اس کے دو قلمی نسخے صاحبزادہ میاں نعیم الدین گانگوی کے پاس موجود ہیں۔ اس کے سرورق پر لکھا ہے کہ یہ کتاب صاعقۃ الرحمٰن علی حزب الشیطان کے رد میں لکھی

گئی ہے۔ صفحات کی تعداد ۳۷۴ ہے۔ اس کتاب میں شیخ حسین علی واں بھچروی صاحب بلغتہ الحیر ان کے عقائد ونظریات کا ردِ بلیغ ہے۔ اس کی ابتداء بعد حمد وصلوات کے اس طرح کی ہے۔

اما بعد مسکین احمد الدین ثبت اللہ تعالیٰ فی مقام الصدق والیقین (گانگوی) حنفی چشتی برادران اسلام متبعین مذہب حق اہل سنت والجماعۃ کی خدمت میں عرض پرداز ہے۔۔۔۔

اس کتاب کے آخر میں تحریر ہے بہرکیف مولوی حسین علی ان الزمات سے جو بلغتہ الحیر ان کے غلط مضامین سے اس کے ذمے لگ چکے ہیں ایسی ویسی باتوں سے نجات حاصل نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم واحکم بالصواب۔

(۲) لوامع الضیاء فی علوم سیّد الانبیاء:

یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا قلمی مسودہ ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علمی کو دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس کی ابتداء اس طرح کی ہے۔

اما بعد مسکین احمد الدین بن الشیخ غلام علی حنفی چشتی عرض پرداز ہے کہ مدت سے مسئلہ علم غیب رسول اللہ ﷺ میں مابین علماء کے اختلاف رہا ہے۔ اہل ظواہر جن کو معرفت الٰہی میں سے کوئی بہرہ نہیں ہے وہ تو اس کے منع وانکار پر رہے۔ اور اہل باطن جن کو عشق ومحبت سرور عالم ﷺ از حد دامن گیر ہے وہ اس کے اثبات واقرار پر۔۔۔۔

(۳) اسلامی بیت المال:

یہ کتاب مطبوعہ ہے۔ ہمدرد پریس کوچہ چیلاں دہلی سے کم وبیش ایک صدی بیشتر شائع ہوئی۔ حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمتہ اللہ علیہ کے ایماء پر یہ کتاب تالیف فرمائی۔ اس کتاب کو دیکھ کر آپ کے محقق وفقیہہ ہونے کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے کل صفحات ۸۸ ہیں۔

(۴) ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار:

یہ کتاب جواز سماع پر تالیف فرمائی۔ حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی خواہش پر خیر النواہی

فی حرمۃ الملاہی مؤلفہ مولانا عین القضاۃ حیدر آبادی کے رد میں لکھی۔ حضرت شیخ گانگوی کو حضرت ثالث خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی سے کس قدر بے پناہ عقیدت ومحبت تھی اس کا اندازہ وجہ تالیف ذکر کرتے ہوئے ان کلمات سے لگایا جاسکتا ہے۔

امابعد مسکین احمد الدین ابن الشیخ غلام علی الحنفی الچشتی السیالوی عرض پرداز ہے کہ ان دنوں میں ایک رسالہ موسومہ بہ خیر النواهی فی حرمته الملاهی مولفہ مولانا ،مولوی محمد عین القضاۃ حیدر آبادی بذریعہ بعض احباب بخدمت اقدس سلطان التارکین بُرہان العارفین امام السالکین قدوۃ الواصلین ورثۃ الانبیاء والمرسلین ملجاء الغرباء والمساکین امیر الامراء والسلاطین دلیل المتحیرین انیس المضطرین غوث زمان قطب العالمین سید العلماء سند الاولیاء الکاملین زبدۃ المحققین عمدۃ المدققین قبلۂ عالم منظور حق حافظ الملۃ والدین حاجی الحرمین الشریفین سید المجاہدین غازی الاسلام حامی المسلمین سیدنا وسندنا مولانا ومرشدنا حضرت غازی حافظ شیخ الاسلام خواجہ محمد ضیاء الحق والدین ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم وفیوضاتہم علینا وعلیٰ سائر المسترشدین الی یوم الدین آمین یا رب العالمین مسند آرائے بلدہ طیبہ سیال شریف کے پہنچا۔ حضور ممدوح نے اُس رسالہ کا جواب تو سردست جناب منشی غلام حیدر صاحب (جو کہ ایک لائق فائق چیدہ برگزیدہ روزگار ہیں۔ اور مدرسہ شریفہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کا محرر ہونے کے علاوہ تمام کاروبار نوشت وخواند اور لنگر شریف کے املاک کی غورو پرداخت انہیں کے سپرد ہے) کو بلا کر مطابق تحقیق رئیس المحققین فخر المدققین جناب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے لکھوا کر ارسال فرمادیا۔ خود حضور مدارج النبوت کو مدِ نظر رکھ کر تقریر فرماتے رہے۔ اور منشی صاحب موصوف تحریر میں لاتے گئے۔ چنانچہ حدیث میں رسالہ تیار ہو گیا۔ جو سراپا احقاق حق وابطال باطل مجسم تھے۔ اُس کے ہوتے ہوئے سالکین مسالک علیہ وعارجین معارج رفیعہ کو اپنے معمولات میں رکاوٹ پیدا نہ ہوگی۔ اور نہ ہی مخالفین کو اس کے برخلاف دم مارنے کی طاقت رہے گی۔ حضور قبلۂ عالم کا ارادہ مبارک تو اس مسئلہ میں لکھنے کا بہت کچھ تھا۔ الامشاغل ضروریہ نے اس قدر فرصت دینے سے انکار کیا۔ لہذا اس ناچیز بے

بضاعت کم استطاعت کو رسالہ خیر النواہی مذکورہ کی تردید کا ارشاد فرمایا تاکہ مخالفین گیدڑ کا پروانہ ہاتھ میں لے کر صوفیاے کرام کو ستاتے اور اہلِ حق کی ایذا رسانی کے گیت نہ گاتے پھریں۔ گو میری حیثیت اور لیاقت تو اتنی نہ تھی کہ ایسے بارِ گراں کا بوجھ پر سر پر اُٹھاؤں۔ جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید　　قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

(۵) زجر الاشقیاء عن اہانۃ الاصفیاء:

یہ رسالہ مسئلہ توہینِ رسالت ﷺ اور توہین صحابہ و اہل بیت کے موضوع پر آپ کا تحریر کردہ ایک بہترین رسالہ ہے۔ اس میں آپ نے توہین رسالت کے مسئلہ پر شرعی اور قانونی پہلو کے اعتبار سے سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ اس مسئلہ کے ایک قانونی پہلو پر کلام کرتے ہوئے ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں:

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اقامت حدود و تعزیرات ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ حاکم وقت یا جو اس کی طرف سے اس کام کے لیے تعینات کیا گیا وہ منجانب حاکم۔ ہاں البتہ اقدام جرم کے وقت اگر کوئی مسلمان اس پر قادر ہو جائے تو تعزیر دے سکتا ہے اور وہ وقت گزر گیا تو پھر سوائے حاکم سے اقامت تعزیر ناممکن جیسا کہ در المختار جلد ۳ ص ۱۸۶ میں ہے ویقیمہ کل مسلم حال مباشرۃ المعصیۃ قنیۃ وفلما بعدہ فلیس ذلک تغیر الحاکم یعنی ہر مسلمان تعزیر کی اقامت کرسکتا ہے بوقت اقدام جرم کے اور اس کے بعد سوائے حاکم کے دوسرا کوئی نہیں کرسکتا۔ اور شامی میں ہے کہ اگر اس نے اس مجرم کو اس وقت تعزیر دی جبکہ وہ اس جرم کے ارتکاب میں مشغول تھا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ نہی عن المنکر اور نہی عن المنکر کے تمام مسلمانان مامور ہیں۔ اور اگر فراغت کے بعد تعزیر دی تو یہ نہی میں داخل نہیں ہے کیونکہ جو فعل گزر جائے اس سے نہی ناممکن تو یہ سوائے امام کے دیگر کوئی نہیں کرسکتا۔

(۶) ندائے غائبانہ:

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں نداء غائبانہ کے موضوع پر اہل سنت کے عقیدے کو دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا اور تمام شبہات کا مدلل انداز میں رد کیا گیا ہے۔

(۷) رسالہ میلاد:

میلا دالنبی ﷺ کے موضوع پر ایک مختصر مگر دلائل سے بھر پور تحریر ہے۔

(۸) الحق المبین:

یہ مختصر رسالہ شیخ حسین علی واں بھچر وی کے رسالہ اباحتِ انتفاع مرتہن لمرہون کے رد میں لکھا گیا۔اس کا قلمی نسخہ موجود ہے

(۹) مقدمۃ الصرف:

یہ کتاب آپ نے علم الصرف کے موضوع پر بزبان پنجابی تحریر فرمائی۔اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔اس کی ابتداء کچھ یوں ہے:

عرب والی وچ اصطلاح اپنی دی زبرنوں فتح زیرنوں کسرہ پیش نوں ضمہ اکھدی ہین۔ایہ نام انہدا خاص ہے عام نام انہاندا حرکت ہے۔جس حرف اتے زبر ہوے اس نوں مفتوح،جس حرف اتے کسرہ ہوے اس نوں مکسور،جس حرف اتے ضمہ ہوے اس نوں مضموم آکھدے ہین۔

(۱۰) علم الصرف:

صرف کے موضوع پر آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ ایک رسالہ بزبان فارسی بھی موجود ہے۔ جس کی ابتداء اس طرح ہوتی ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بداں اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدارین کہ کلماتِ لغت عرب بر سہ قسم است۔اسم است، فعل وحرف است، اسم چوں رجل وفرس وفعل چوں ضرب وحرج وحرف چوں من والی۔۔۔۔۔

(۱۱) نسب نامہ:

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ جس میں حضرت شیخ نے اپنے سلسلہ نسب کا ذکر فرمایا۔ اس کے قلمی نسخے پر تاریخ تحریر جمادی الاول ۱۳۴۰ ہجری مطابق جولائی ۱۹۰۴ء رقم ہے۔ اس کے مطابق آپ کا سلسلہ نسب اکتیس واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے پہنچتا ہے۔

(۱۲) رسالہ حکمت:

مختلف بیماریوں کے اسباب اوران کے علاج کے حوالے سے حکمت کے موضوع پر یہ رسالہ بزبان فارسی موجود ہے۔ ابتدائی صفحات نہ ہونے کی وجہ سے اس کا درست نام معلوم نہ ہو سکا۔ یہ رسالہ کم وبیش ۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۱۳)

وما اہل بہ لغیر اللہ کی تفسیر وتشریح پر بھی ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ بھی دیگر کئی موضوعات پر چھوٹے بڑے رسائل اور فتاوی بھی تحریر فرمائے۔

کلماتِ تشکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ

راقم السطور کو حضرت خواجہ احمد الدین گانگوی رحمتہ اللہ علیہ سے عقیدت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ والدِ گرامی مولانا فیض محمد چشتی کو حضرت کے فرزند اور خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ غلام فخر الدین گانگوی سے شرفِ تلمذ رہا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس ادارہ (دار العلوم جامعہ اکبریہ ،میانوالی) سے میں نے مروجہ درسی علوم میں اکتساب علم کیا اس کے بانی حضرت خواجہ محمد اکبر علی چشتی میروی قدس سرہ العزیز تھے وہ بھی حضرت خواجہ احمد الدین گانگوی کے شاگرد تھے۔اور سب سے بڑی وجہِ عقیدت یہ ہے کہ حضرت خواجہ گانگوی نے پنجاب میں عقیدہ اہل سنت کے دفاع کے لئے وہی خدمات سرانجام دیں جو ان کے معاصر امام الہند حضرت مولانا امام احمد رضا قادری ماتریدی ہند میں سرانجام دے رہے تھے۔

اللہ رب العزت کا فضل و کرم کہ کم و بیش ایک صدی بعد حضرت خواجہ صاحب کی کتابوں پہ تحقیق کی سعادت میرے حصہ میں آئی۔ بہر حال اس کام کی تحریک میں سب سے زیادہ کردار حضرت صاحبزادہ مولانا میاں نعیم الدین گانگوی اور استاذ گرامی علامہ محمد ریاض بھیروی کا ہے جو تسلسل کے ساتھ اس کام میں دلچسپی لیتے رہے اور اپنے تعاون اور دعاؤں سے نوازتے رہے۔

اور اس طرح ان تمام احباب کا بھی سپاس گزار ہوں جو اس کام کی جلد از جلد اشاعت کے خواہاں رہے خصوصاً سیّد یاسر اعجاز شاہ، حافظ محمد سراج الدین، مولانا محمد اسماعیل مظہری، احمد رضا اعوان، اعجاز المصطفیٰ، حافظ ذکا اللہ قریشی اور حافظ غلام فرید جو کسی نہ کسی صورت اس تحقیقی کام میں معاون رہے۔

آخر میں محترم محمد فہد (کتاب محل کے ناظم) کا بھی انتہائی مشکور ہوں جو اس تحقیقی کام کی

اشاعت کا باعث بنے۔

اللہ رب العزت میرے والدین، تمام اساتذہ کرام اور دوست احباب کو قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔

عطاء المصطفیٰ مظہری

27-07-2017

0332-7664592

مکتوب مولانا فضل کریم صاحب
بنام مولانا احمد الدین گانگوی

بخدمت جناب مولوی احمد الدین صاحب

احقر فضل کریم بعد اسلام علیکم و رحمتہ اللہ عارض ہے کہ فقیر اور مولوی شمس الدین صاحب یہاں اتفاقاً آج موجود ہو گئے۔ لہذا عرض ہے کہ تقریری مناظرہ کے لئے کل صبح ۹ بجے عید گاہ میں جلسہ منعقد کیا گیا ہے۔ اور شرط مناظرہ یہ ہے کہ فریقین کو بغیر نصوص قرآنیہ کے استدلال مسموع نہ ہوگا۔ آپ صاحبان کو چاہیے کہ وقت موعود پر عید گاہ تشریف لائیں۔ جو فریق حاضر نہ ہوگا جھوٹا تصور ہوگا۔

ذیلہ تشریح شرائط تطویل لا طائل ہے۔

عبدہ فضل کریم

مولانا احمد الدین گانگوی کا جواب

۷۸۷

بخدمت مولوی فضل کریم صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ

ا۔کل شام آپ کا قلمی رقعہ پہنچا۔آپ نصوص قرآنیہ کے علاوہ باقی تین دلائل شرعیہ (یعنی حدیث شریف اجماع امت وقیاس مجتہد) کے مسموع کرنے کو تیار نہیں ہیں۔اس تحریر کا جواب خداوند تعالیٰ کی کلام پاک میں موجود ہے۔اور وہ فیصلہ قطعی ہے۔قال اللہ تبارک وتعالیٰ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ايضاً وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا

۲۔مناظرہ کے متعلق میری سابقہ تحریر یہ تھی کہ: مدمقابل مولوی حسین علی صاحب☆ اپنی دستخطی دعوت نامہ بھیجیں اور شرائط کا تصفیہ قبل از مناظرہ ہو اور انتظام امن عامہ کی ذمہ داری اپنے ذمہ لیں تو ہم ہر وقت لبیک کرنے کو تیار ہیں۔کیونکہ بانیءفتنہ وفساد وہی واقع ہوئے ہیں۔مگر وہ گریز کر رہے ہیں۔آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے میرے شاگرد کافی ہوں گے اس حالت میں جبکہ آپ سچ کے متلاشی ہوتے۔

۳۔اب بھی اگر آپ اپنے عقیدہ سے تائب ہو کر تمام ادلہ شرعیہ کے قائل ہو جائیں تو آپ کے ساتھ مناظرہ کے لئے میرے شاگردان تیار ہیں۔

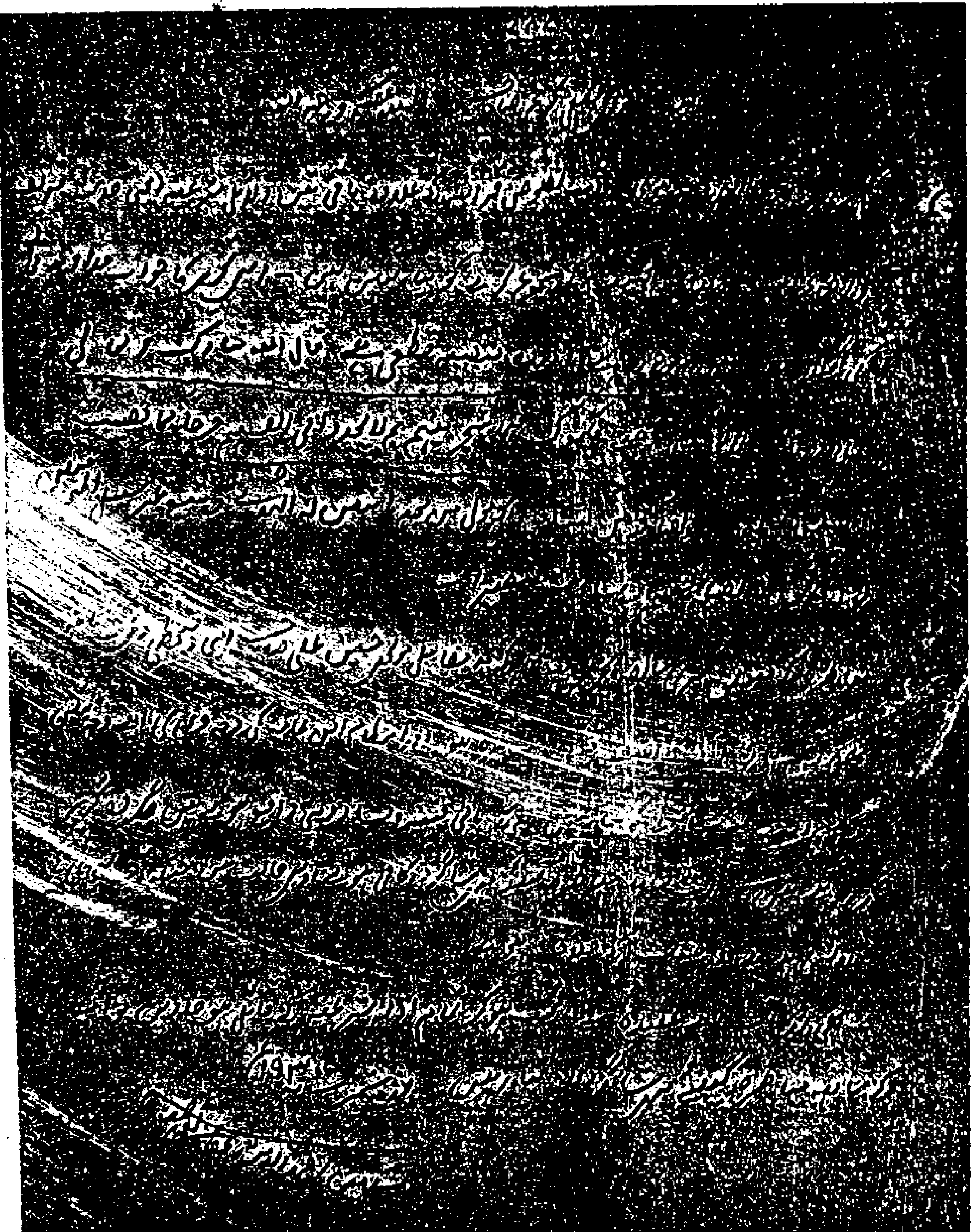
4 ستمبر 1930

مسکین احمد الدین بقلم خود

☆ صاحب بلغۃ الحیران

عکسِ مکتوب





ای مانئے نقاش چیں رو صورت یارم ببیں
یا صورتے بر کش چنیں یا ترک کن صورت گری

زجر الاشقیاء

عن اهانة الاصفیاء

المعروف تصویرِ محبت

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله العلی الاعلیٰ و الصلوۃ و السّلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد! عاجز ناچیز ہیچمدان مسکین احمد الدین سنی حنفی چشتی سیالوی کان اللہ لہ اپنے مسلم بھائیوں کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ محاربین اسلام واعداء دین نے اسلام کو (خاک بدہن ایشان) ملیامیٹ کرنے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کیے مگر اب کے حربے بہت ہی نرالے اور خطرناک ایجاد ہوئے ہیں بمقتضائے از ماست آنچہ بر ماست۔

ہمیں موثق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ آریوں نے بڑے بڑے معتبر مولویوں کو اپنا وظیفہ خوار بنا کر اسلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین وتحقیر شانِ عالی پر لگا رکھا ہے۔ اس سے دو طرح کی ان کو کامیابی کا توقع (اول) تو اسلام بانیٔ اسلام کی توہین ان کا اصلی مقصود (دوم) مسلمانوں میں تفرقہ وخانہ جنگی کی تخم ریزی جس سے ان کی خاص مطلب براری۔

یہ صرف افواہی خبر نہیں بلکہ اس کے ثبوت میں شہادت عادلہ کے علاوہ قرائن حالیہ وقالیہ بھی موجود۔ امتحاناً کسی شہر میں ایک اسلامی جلسہ جس میں حضور پاک ﷺ کے فضائل وکمالات خداداد کا تذکرہ ہو منعقد کریں پھر دیکھ لیجئے گا کہ اس کے مقابلہ میں اسی شہر کی کسی مسجد میں نہیں بلکہ کسی آریہ یا ہم خیال آریہ کے مکان میں بڑے زور وشور سے انہیں جلسہ ضروری کرنا پڑے گا جس کا موضوع اہانت دربارِ نبوت وکسر شان عالی ہوگا۔

ایسی صورت کی ایک بڑی پارٹی بن گئی ہے جس کے ممبر عموماً ہر شہر ہر قصبہ میں موجود۔ اب یہ پارٹی شب وروز لگاتار اپنے کام پر مستعد ہے۔ یہاں صرف ایک کارنامہ کا ذکر ضروری ہے۔ وہ واقعہ ڈیرہ اسماعیل کا ہے جہاں کسی مسجد میں کوئی وظیفہ خوار یا وظیفہ خواروں کا پٹھو منبر پر چڑھ کر وعظ کر رہا تھا دورانِ وعظ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے آڑ میں حضرت حیدرِ کرار کرم اللہ وجہہ کی توہین کر دی یہ اس کا اپنے مطلب کے میدان میں پہلا قدم تھا۔ جب یہ جم گیا

اور کسی غیرت مند مسلمان نے اس کی خدمت نہ کی تو موقعہ پا کر پھر منبر پر چڑھا اور حضور پاک صاحبِ لولاک باعثِ ایجادِ افلاک ﷺ کو تصویر کا لباس پہنا کر نہایت حیا سوز الفاظ سے آپ ﷺ کی (خاک بدہن) توہین کی۔ کسی کمزور اور غیرت مند مسلمان نے ان بکواسوں کو قلمبند کر کے بصورت استفتاء علماء کرام کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ چند کاپیاں علماء ہندوستان کی خدمت میں پہنچیں۔ اور علماء پنجاب کی خدمت میں وہ بے چارہ کاپی ہاتھ میں لے کر خود پہنچا اور زبانی عرض معروض کیا۔ مگر کسی صاحب نے اس غریب کی اشک شوئی بھی نہ کی چنانچہ ایک کاپی میرے پاس بھی آئی مگر میں نے اس کے جواب میں لکھنے کو تین ماہ کے لیے دو وجہ سے ملتوی کیا (اول) یہ کہ میں قبل ازیں ایک رسالہ دربارہ حلت ذبح لاہل القبور کے لکھنے میں مصروف تھا وہ بھی کسی دوست کی فرمائش تھی اور نہایت ضروری۔ اسی پارٹی کا دندان شکن جواب تھا سو بفضلہٖ تعالیٰ مکمل تیار ہو کر نذرِ اصحاب ہوا۔ (دوم) یہ کہ مجھے امید تھی کہ فضلاء عصر میں سے کوئی صاحبِ قلم اس میدان میں نکل کر اسلامی شجاعت کی داد دے گا اور مخالفین کی مشینوں کے پرزے اکھیڑ دے گا۔ مگر ہزار افسوس کہ اس شریر پارٹی کے مقابلہ میں کسی شیرِ اسلام نے دم مارنے اور میدان میں نکل کر ان کو للکارنے کی جرات نہ کی شاید وجہ یہ ہو کہ یہ پارٹی نہایت دہن دریدہ گستاخ و بکواسی ہے۔ جب حضورِ پاک ﷺ کے شانِ عالی میں بے ادبی گستاخی کر گزرتے ہیں دیگر کسی کی کیا پرواہ۔

بالآخر اس میدان میں نکل کر اس پارٹی کو لبیک کہنی پڑی تو اس ناتواں کو

آسماں بارِ امانت نتو انست کشید

قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

ادھر اپنی کم مائگی و بے بضاعتی وعدیم الفرصتی و کمزوری پر نظر کرتے ہوئے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے کہ یا اللہ مجھ جیسے ناطاقت و ناتوان سے ایسی عظیم الشان خدمتِ اسلام،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

الحمد لا هله و الصلوۃ اھلھا

استفتاء

امابعد کیا فرماتے ہیں علماء اہلِ سنت والجماعۃ رحمہم اللہ تعالیٰ ان دو مسائل میں

(۱) زید مجلس وعظ میں دوران تقریر کہتا ہے کہ تصویر کا رکھنا نا جائز ہے۔ تصویر کی پوری توہین کرنی لازم ہے اگر چہ حضور ﷺ کی بھی سامنے آجائے تو اس پر پیشاب یعنی بول کر کے اس کو بھی پاؤں کے تلے روند کر عند الشرع شریف توڑ دینا لازم ہے (نعوذ باللہ)، کیا ایسے الفاظ استعمال کرنے توہین نبی ﷺ میں داخل ہیں یا نہ۔ پھر جب زید کو بعد اختتام وعظ نصیحۃ کہا گیا کہ تم ایسے ناشائستہ الفاظ نہ استعمال کیا کرو تو جواب میں کہتا ہے کہ گوسالہ سامری کو اگر جلا کر کے اس کی راکھ دریا میں ڈالی جاسکتی ہے یعنی جب خدا کا نام جس پر لکھا گیا تھا اس کو جلا دیا گیا تو کسی نبی یا حضور ﷺ کی تصویر پر بول کر کے اس کو پاؤں کے تلے روندنا ضروری ہے نسبت کا کوئی لحاظ نہیں۔

(۲) نیز زید کو کہا گیا کہ تم نے پہلے بھی ایک جگہ امیر المومنین سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں توہین آمیز الفاظ استعمال کیے ہیں تو جواب میں بآواز بلند کہا کہ میں علی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جوتی کی خاک کے برابر نہیں سمجھتا اور میرا ایمان واعتقاد ہے کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام بھی علی بن کر آجائیں تو پھر بھی خلیفہ اول کی جوتی کے خاک کے برابر نہیں جانتا۔ کیا کتاب اللہ واحادیث شریفہ وائمہ مجتہدین کے نزدیک زید کا بیان کردہ اعتقاد درست ہے یا نہ اور اگر نہیں تو زید اور اس کے اعتقاد تصدیق کرنے والے کے و نیز توہین اول کے متعلق اصرار کرنے والے اور زیادہ استخفاف کرنیوالے کے لیے شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے۔

بینوا توجروا

الجواب

باسمہ سبحانہ قبل اس کے ان سوالوں کے جوابات تحریر کیے جائیں ایک تمہیدی مضمون جس پر ان کلمات ناشائستہ مندرجہ سوالی کی بنا ہے ذکر کرنا نہایت موزوں اور ضروری ہے۔ جس سے ناظرین کرام خاص و عام اس واعظ اور اس کے ہم خیال پارٹی کے طرزِ عمل سے آگاہ ہو کر ان کے مکائد اور فریبوں سے بچنے کی کوشش میں رہیں۔ اور انصافاً اندازہ لگائیں کہ یہ لوگ اسلام کے کس قدر بدخواہ ہیں پھر ان کے متعلق جو شرعی حکم ہوگا وہ ناظرین باتمکین کی ضمیر منیر پر چھوڑا جائے گا۔ ہاں البتہ اخیر میں کتب اسلامیہ کے مطابق رائے زنی میرا قرض ہوگا جو انشاء اللہ تعالیٰ بسند شرعی مستند ہو کر ہدیہ اخوان ہوگا۔ والسلام

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از لطف رب
بے ادب تنہا نہ خودرا داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ افاق زد

اللھم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعہ وارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابہ

تمہید:

فدایانِ اسلام و محبانِ حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی خدمت بابرکت میں مودبانہ التماس ہے کہ یوں تو مدت سے اعداء اسلام کی طرف سے حضرت اسلام پر گونا گوں ناجائز اور سنگین حملے ہوتے چلے آئے ہیں اور اعداءِ اسلام نے اسلام کے مٹانے کے لیے ہر ممکن و ناممکن کوشش سے طرح طرح کے حربے استعمال کیے مگر بمقتضائے الحق یعلو ولا یعلیٰ ان کفار نابکار کے تمام منصوبے خاک میں ملتے رہے اور بفضلہٖ تعالیٰ بفحوائے يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (سورۃ صف، ۷) مشعل اسلام زیادہ روشنی پکڑتا رہا اور بمضمون هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ

الْمُشْرِكُونَ ○ (سورۃ الصف، ۸) دینِ اسلام باقی ادیان باطلہ پر روز افزوں ترقی پا کر اس کا بول بالا اور قول اعلیٰ رہا حتی کہ چار دانگ عالم پر کسی تشدد و تجبر و بغیر کسی وجاہت دنیوی کے پھیل گیا لا اکراہ فی الدین چنانچہ دنیا کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں مساجد اسلام تعمیر ہو کر اذان کے نعرے بلند ہو رہے ہیں محاربین اسلام کے ناپاک حملوں سے اسلام کی ترقی میں سر مو فرق نہ آیا۔

یہ تو تھے بیرونی حملے اور خارجی حربے مگر اب کے اندرونی حملوں نے قصرِ اسلام کو ایسا ہلایا کہ خدا ہی حافظ۔

میری مراد اندرونی محارب سے نیچری یا شیعہ یا معتزلی یا خوارج یا وہابی نہیں کیونکہ گو یہ بھی کلمہ پڑھنے والے اور اسلام کے مدعی ہو کر اسلام کو کمزور و ناتوان کرنے کیلئے کوشاں ہیں۔ مگر چونکہ انکے مذاہب کا اسلام پر کوئی داؤ ہرگز چل نہیں سکتا اور نہ ہی مسلمان ان کی باتیں سنتے ہیں۔ بلکہ میری مراد اس فرقہ جدیدہ سے ہے جو اپنے آپکو پکا مسلمان متقی پرہیزگار مقلد حنفی اور طریقہ نقشبندیہ عالیہ میں منسلک بلکہ اس پاک طریقہ کا مقتدا و پیشوا کہلانے والے مراقبہ و مکاشفہ کے مدعی حلقہ میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے والے بجز چند اپنے ہم خیالوں کے دیگر تمام مسلمانانِ عالم کو کافر و مشرک بنانیوالے۔ یہ ہے نہایت خطرناک فرقہ جو کہ قصر اسلام کے اندر رہ کر اسلام کی متاع کو ڈاکہ اور اسلام کے سامان کو آگ لگا رہے ہیں۔ یہ آریوں کے ہم خیال ہیں ان کی مراد براری کے ذرائع ہیں جس بکواس پر آریوں کی جرات نہیں ہو سکتی جو قصرِ اسلام کے سقف و ستون کو کھائے جا رہی ہے۔

ان کا اصلی مطلب تو (خاک بدہن ایشان) اسلام ہے مگر اس مقصد کے پورا کرنے والا واحد ذریعہ یہ قرار دے رکھا ہے کہ جب تک بانی اسلام حضور اکرم ﷺ و ہادیان اسلام حضرات اولیاء کرام و مشائخ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری پوری توہین و تحقیر نہ کی جائے تو یہ مقصد پورے ہونے کا نہیں۔ لہذا اس پارٹی کے تمام منبران کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ بالا تفاق اس کام کو تقسیم کر کے اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگ گئے۔ سب سے پہلے جو بڑا کام تھا وہ حضور ﷺ کے فضائل و

کمالات کا اعلیٰ نمبر یعنی وسعت علمیہ جس کے رو سے آپ کو سید الناس واشرف المخلوقات کہلانے کا حق حاصل ہے اس کا قلع وقمع کر دینا۔

اس کام پر اس پارٹی کا جو پریذیڈنٹ اور سرکردہ تھا اس کو لگایا گیا۔ اس بیچارے نے ہر ممکن حیلہ سازی سے اپنی کامیابی کی سرتوڑ کوشش کی مگر

چراغی را کہ ایزد بر فرازد و
ہر انکس دم زندیشش سوزد

وہ بے چارہ ویسا ہی ناکام و نامراد رہا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ لکل فرعون موسیٰ ادھر سے علماء اہلِ سنت نے اسکی بد اعمالی پر اطلاع پا کر اسکا خوب مقابلہ کیا تحریر کا تحریر سے مقابلہ کیا اور تقریر کا تقریر سے اور جلسوں کا جلسوں سے غرض وہ بے چارہ جو طرز اختیار کرتا علماء کرام اسی طرز سے اس کو مسکوت ومبہوت کر کے چھوڑتے جس سے رسوائی وخجالت ویسا ہی وندامت کا بوجھ اٹھا کر شہر بشہر کوچہ بکوچہ بدنام مناظروں میں ہزیمت مقابلوں میں فضیحت مگر پھر بھی اپنی بنائی بات کو نہ چھوڑنا یہ اسی پارٹی کا حصہ ہے۔

علی ہذا القیاس باقی منبروں نے بھی اپنے منصب کے مناسب حضورِ اکرم ﷺ کے دیگر فضائل وکمالات کے مٹانے (خاک بدہن ایشان) کے کام لیے۔ مثلاً بعض تو آپکے معراج جسمانی کے انکار میں ایڑی سے چوٹی تک زور لگا رہے ہیں۔ اور بعض حضور کی حیات برزخی کے انکار میں اپنی قبروں کو دوزخ کا گڑھا بنا رہے ہیں اور بعض آپ کی شفاعت عظمیٰ کی نفی کرنے سے اپنی عاقبت تباہ کرر ہے ہیں یہ ان کے کارناموں مشتی نمونہ خروار ہے ان کی تفصیلی تشریح کے لیے دفتر طویل درکار ہے مگر یہ یاد رہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ علماء حق نے ان کی چالوں کو خوب تاڑ لیا ہے اور پورا تہیہ کرلیا ہے کہ ان بیابانی شغالوں کو جہاں دیکھیں وہیں ماریں

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت رامی شناسم

اب چونکہ ان بے چاروں کو ان مقاصد فاسدہ میں سوائے ناکامی و بے نیل مرامی کے ہاتھ خاک آئی تو اب اس توہین وتحقیر کا ایک دوسرا نرالا طرز اختیار کیا۔ اور سوچا کہ جو جو فضائل وکمالات حضور پاک کے کلام الٰہی اور احادیث رسالت پناہی سے ثابت ہیں ان کے نیست و نابود کرنے کا خیال بھی باطل ہے۔ چلو اس کام کو چھوڑو اب حضور ﷺ کی جسمانی شرافت (خاک بدہن ایشان) کو توڑو اس میں بھی البتہ رہی سہی بات بن جائے گی۔ ان میں جو زیادہ چالاک تھے انہوں نے تو صرف بشریت کا سوال پیش کر کے حضور پاک ﷺ کو اپنا مساوی اور برابر قرار دے کر اپنا جی ٹھنڈا کر لیا۔ لیکن جو ان میں زیادہ گستاخ اور بے باک تھی انہوں نے اس برابری پر اکتفا نہ کر کے حضور پاک ﷺ کو تصویر کا جامہ پہنا کر آپ کے جسدِ اقدس واطہر کی توہین وتحقیر (خاک بدہن ایشان) وتذلیل کرنے کو اترے۔ چنانچہ زید واعظ کے منہ سے جو چنگاریاں نکلی ہیں یہ سب اسی آگ کی ہیں

اب اس واعظ کی کلام کی یہ تاویل غلط ہے کہ مدِ نظر صرف تصویر کی حرمت تھی اور حضورِ پاک ﷺ کا اسمِ مبارک بے ساختہ اور بلا ارادہ آ گیا ہے نہیں نہیں بلکہ اس کی مدنظر حضور ﷺ کی توہین تھی اور سوچ سمجھ کر بلکہ مشورہ ومنصوبہ سے اس نے جو کچھ کہا ہے کہا ہے ویسے تو حضور پاک ﷺ کی نسبت یہ کلمہ برہنہ کہہ دیتا تو مسلمانوں سے ایسی بے غیرتی کب ہو سکتی ہے کہ اس کو برداشت کر جاتے بلکہ وہیں اس کو بوچھاڑ اور جوتوں کی مار پڑ جاتی۔ اس نے چالاکی سے اپنے من کی بات بھی کہہ دی اور تصویر کے لباس پہنانے سے مار پیٹ سے بھی بچ گیا۔ یہ ہے ان کی حیلہ ساز جس کی انہیں بڑے میاں نے تعلیم دی ہے۔

اگر حضور ﷺ کا نام بلا ارادہ اس کے منہ سے نکل گیا ہوتا تو بعد میں معذرت کر دیتا کہ مجھ سے غلطی ہوئی میرا مقصد حضور ﷺ کے نام لینے کا نہیں تھا سہواً وبے ساختہ حضور ﷺ کا نام منہ سے نکل گیا اب معافی کا خواستگار ہوں لیکن معذرت میں تو اس نے صاف کہہ دیا کہ گوسالہ سامری کی جب توہین جائز ہے تو حضور ﷺ کی تصویر کی توہین بطریقہ اولیٰ جائز ہے عذر گناہ بدتر از گناہ اسی کا

نام ہے۔

میرے خیال میں جو اس نے پہلے کسی وعظ میں حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا کی توہین کی تھی وہ بھی سوچی سمجھی تھی اس میں اس کے چند مطلب برآمد ہوئے (۱) حضرت علیؓ اکثر سلاسل اولیاء کے پیشوا ہیں ان کی توہین تمام اولیاء اللہ کی توہین (۲) مسلمانوں کو اپنے اکابر کی توہین سننے اور برداشت کرنے کا عادی اور متحمل بنایا (۳) اہلِ بیت کی توہین رب البیت کی توہین عادۃً مانی جاتی ہے اس سے بھی بالواسطہ حضور کی توہین مقصود تھی واللہ اعلم

قارئین: مضمون تو بہت لمبا ہے ختم ہونے کا نہیں مگر بخوف ملال اسی تھوڑے پر اکتفا کر کے اصل مدعا کو چھیڑا جاتا ہے۔ لیکن سب سے پہلے مسئلہ تصویر کی تشریح کماحقہ کرنی نہایت ضروری ہے تاکہ ناظرین اصل معاملہ پر واقف ہو کر اس واعظ کے وعظ کی تصدیق یا تکذیب پر قادر ہو جائیں اور اس کی کجروی کا بخوبی اندازہ لگا سکیں۔

جاننا چاہیے کہ تصویر ذی روح کی چار حالتیں ہیں اور ہر ایک حالت کا حکم جدا ہے۔

حالت اولیٰ:

تصاویر کا بنانا خواہ بصورت فوٹو ہو یا قلمی یہ فعل بالکل شرعاً ناجائز اور حرام ہے شرع محمدی میں کسی انسان کو اجازت نہیں کہ یہ فعل کرے خواہ وہ تصویر چھوٹی ہو یا بڑی خواہ بغرض پرستش بنائی جائے یا کسی دیگر غرض کے واسطے لا طلاق النصوص لانه مضاهاة لخلق الله جیسا کہ احادیث صحیحین وغیر هما میں بلفظ اشد الناس عذاباً یوم القیامة الذین یضاهئون بخلق الله یا اشد الناس عذاباً عند الله المصور ون وارد ہیں نیز دیگر اس مضمون کی بہت احادیث کتب احادیث میں موجود ہے

اور علامہ شامی نے شرح در المختار میں کہا ہے وظاهر کلام النووی فی شرح مسلم الا جماع علی تحریم تصویر الحیوان و قال و سواء صنعه لما یمتهن او لغیره فضنعة حرام بکل حال لان فیه مضاهاة لخلق الله تعالیٰ وسواء کان فی ثوب او

بساط اودر هم اوانا ء او حائط اوغیر ھا انتہی

(شرح درالمختار جلد اولی کتاب الصلوٰۃ ص ۴۵۴)

حالت ثانیہ:

تصاویر کا پرستش کرنا یہ قطعاً حرام بلکہ کفر وشرک جیسا کہ نصوص قطعیہ اس بارہ میں بکثرت وارد ہیں۔

حالت ثالثہ:

تصاویر کا اپنے پاس یا گھر میں رکھنا۔ اس کی تین صورتیں ہیں ایک صورت ہیں انکا رکھنا حرام اور دوسری صورت میں مکروہ تیسری میں جائز پہلی صورت جبکہ بغرض پرستش رکھی جائیں اس کی حرمت قطعی ہے جیسا کہ حالت ثانیہ میں اس کا ذکر ہوا دوسری صورت مکروہ اور اس کراہت کی علت صرف تعظیم ہے خواہ ارادۃً ہو یا صورۃً مثلاً تصویر دار کپڑے کو پہننا جیسا کہ عامہ متون کتب فقہ میں موجود ہے ہدایہ میں ہے ولو لبس ثوباً فیه تصاویر یکره لانه یشبه حامل الصنم انتهیٰ اورشامی میں ہے و فی الخلاصة و تکره التصاویر علی الثوب صلے فیه اولا انتهی (ہدایہ)

یا کسی سامنے کی دیوار یا سقف یا دروازہ کھڑکی پر یا کسی اونچی جگہ پر جہاں اس کی عظمت معلوم ہو تصویر یا منقش ہو یا معلق یہ تمام صورتیں کراہت تحریمی کی ہیں جیسا کہ کتب احادیث وفقہ میں اس کی تصریح موجود ہے اور حدیث عدم دخول ملائکۃ الرحمۃ کا محمل بھی یہی صورت ہے جیسا کہ علامہ الشامی نے کہا ہے کہ و خبر جبرائیل علیه السلام معلول بالتعظیم بدلیل الحدیث الآخر وغیره فعدم دخول الملائکة انما هو حیث کانت الصورة معظمة انتهیٰ۔ غرض جس تصویر کے رکھنے میں اس کی تعظیم مقصود ہو یا صورت تعظیم کی ہو تو اس کا رکھنا مکروہ ہے۔ تیسری صورت جبکہ اس تصویر کے رکھنے میں نہ صورت تعظیم کی ہے اور نہ ارادہ اور اس کی چند وجوہ ہیں (۱) کسی بساط یا بچھونے پر تصویر منقش ہو جیسا کہ حضور پاک ﷺ کے فرمان کے

مطابق تصویر دار دیوار پوش کے دو ٹکڑے کئے گئے اور ان دونوں کے بچھونے حضور پاک ﷺ کی نشست گاہ کے لیے بنائے گئے جیسا کہ حدیث صحیحین میں موجود ہے اور نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ ایک دن حضرت حسن وعطار حمتہ اللہ علیہ کسی گھر میں تشریف لے گئے وہاں تصویر دار کپڑا بچھا ہوا تھا حضرت عطاء تو دیکھ کر ٹھہر گئے لیکن حضرت حسن وہاں جا کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ ان پر نہ بیٹھنا ان کی تعظیم ہے۔ (حواشی ہدایہ)

(۲) سرہانہ یا تکیہ پر اگر تصاویر ہوں تو اس میں بھی کوئی ممانعت نہیں جیسا کہ ہدایہ میں ہے کہ **ولو كانت الصورة على و سادة ملقاةٍ** اور **على بساط مفروش لا يكره انتهى** (ہدایہ ص ۱۲۲)

اور شامی میں ہے **وكذا لو كانت على بساط يوطئى اومرفقة يتكاء عليه كما فى البحر انتهىٰ۔**

(۳) تصویر اگر غیر مستبین یعنی کھلی نہ ہو اور انگشتری کے نگین پر کندہ ہو تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی انگشتری میں دو ز بابوں کی تصویر تھی جیسا کہ مولانا جونپوری نے شرح ہدایہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ (۴) تصویر صغیر کا رکھنا بھی شرعاً ممنوع نہیں اب اس صغیر کی تفسیر میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ درالمختار میں علامہ حلبی سے اس کی یہ حد بیان کی کہ تصویر کو زمین پر رکھ دیا جائے اور دیکھنے والا کھڑا ہو کر دیکھے اگر اس کے اعضاء کی تفصیل نہ کر سکے تو صغیر ہے اور اگر کر سکے تو کبیر۔ اور شامی نے قہستانی اور کرمانی کا قول یوں نقل کیا ہے کہ بادی النظر سے دیکھنے میں آجاوے تو صغیر نہیں ورنہ صغیر ہے اور محیط کا قول یوں نقل کیا ہے کہ اگر دور سے نظر آجائے تو صغیر نہیں ورنہ صغیر ہے۔ (فتح القدیر)

اور خزانتہ الروایات کا قول یوں بیان کیا ہے کہ اگر بقدر طیر ہو تو مکروہ ہے اور اگر اس سے چھوٹی تو مکروہ نہیں (شامی ص ۴۵۵)

(۵) اگر اس تصویر کا سر کٹا جائے تاہم اس کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں بالصراحتہ اور متون فقہ میں بالوضاحتہ موجود ہے۔ (۶) کسی انعام الٰہی کے تذکرہ

اور یاددہانی کی خاطر تصویر رکھی جائے جیسا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی انگشتری میں شیر نر و مادہ کی تصویر اور ان دونوں کے درمیان ایک بچہ کی تصویر جس کو وہ دونوں چاٹ رہے تھے منقش تھیں یہ اس واقعہ کی یاددہانی تھی جو کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی بچپن میں دو شیر نر اور مادہ نے بحکم حفاظت کی تھی جیسا کہ مولانا جونپوری نے حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے (۷) غیر ذی روح کی تصویر مطلقاً جائز ہے جیسا کہ حدیث صحیحین میں بروایت ابن عباس وارد ہے **فان کنت لا بدفا علاً فاصنع الشجر و ما روح فید انتھی** تصویر کا بنانا اور رکھنا دونوں جائز۔ یہ ہے وہ صورتیں جن کو علماء اہل سنت نے جائز قرار دیا ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص احتیاط اور تنزہ کرے تو بہت اچھا ہے لیکن فتویٰ جواز پر ہے۔

حالت رابعہ:

تصویر کو اپنے پاس رکھ کر یا تصویر دار مکان میں نماز پڑھنی اس مسئلہ میں بھی بڑی تفصیل ہے بعض صور میں نماز مکروہ اور بعض میں غیر مکروہ اور کراہت کی علت یا تو تعظیم یا مشابہت بعبادۃ جہاں دونوں موجود ہوں تو کراہت اشد ہوگی اور جہاں ایک موجود اور دوسری مفقود تو کراہت اخف اور جہاں دونوں مفقود تو کراہت ندارد۔ کراہت کی صور ذیلہ ہیں تصویر دار کپڑے کے ساتھ نماز کا پڑھنا، جس مکان میں نماز پڑھ رہا ہے اس کے سقف میں تصویریں ہیں یا اس کے سامنے کی دیوار میں یا نمازی کے آگے یا داہنے طرف یا بائیں طرف یا سجدہ کی جگہ یا پیٹ کی طرف اگر تصویریں ہوں تو نماز مکروہ ہوگی۔ اور اگر نمازی نے پاؤں کے نیچے یا سینے کی جگہ یا ہاتھ میں یا انگشتری کے نگین پر غیر متبین نقش ہوں یا جیب میں یا کسی خریطہ میں یا کسی دوسرے کپڑے سے مستور ہوں یا مقطوع الراس یا کسی غیر ذی روح کی ہوں ان تمام صور میں نماز مکروہ نہیں ہوتی۔

(درالمختار وشرحہ للشامی، ص ۴۵۵)

یہ مختصر خاکہ تصویر کی حالت کا ہے۔ اگر مفصل حالات دیکھنے ہوں تو کتب احادیث وتفاسیر وفقہ میں دیکھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔

اعوذ باللہ من الشطین الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال الواعظ تصویر رکھنا ناجائز ہے

اقول وباللہ التوفیق اولاً یہ ایک دعویٰ ہے اور دعویٰ کے لیے بینہ اور برہان ضروری لیکن یہاں نام ندارد ثانیاً قضیہ مہملہ ہے اور دعاوی میں مہملات حکم کلیات میں ہوتے ہیں جیسا کہ مقولہ مطردہ ہے مہملات العلوم کلیات تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ تمام تصاویر کا رکھنا ناجائز تو یہ کلیہ غلط جیسا کہ قبل ازیں مذکور ہوا کہ بعض تصاویر کا رکھنا شرعاً جائز ہے ورنہ حضورِ پاک ﷺ تصویر دار کپڑوں کے وہ سادہ وبساط ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ اور اگر ہر مہملہ کو قوۃ جزئیہ میں مانا جائے تو اثبات مرام میں غیر مفید کما ھو الظاہر

قال تصویر کی پوری توہین کرنی لازم ہے

اقول اس مہمل کلام پر بھی وہی دو نقض عائد جو پہلے مذکور ہوئے۔ یعنی اگر ہر مہمل کو جزئیہ کے حکم میں مانا جائے تو مسلم لیکن غیر مفید اور اگر کلیہ کے حکم میں مانا جائے جیسا کہ متکلم کی مذاق اور کلام کا سیاق ہے تو غیر مسلم کیونکہ جب جبرائیل علیہ السلام حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی صورت ریشم سبز کے پرزہ میں جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے اجبرائیل علیہ السلام اپنی ہتھیلی پر منقش کر کے حضور ﷺ کے پیش کی اور کہا کہ ھذہ زوجتک

(ترمذی باب مناقب ازواج النبی ﷺ صفحہ ۵۷۳)

جیسا کہ تفسیر خازن ومدارک وغیرہ کا سورہ نور میں موجود ہے تو آپ نے اُس تصویر کی توہین نہ فرمائی یا کہ حضرت دانیال علیہ السلام کی انگشتری پر تین تصویریں تھیں حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کے پیش ائیں تو آپ نے اس کی کوئی توہین نہیں فرمائی بلکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے حوالے کر دیں اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی انگشتری میں دو تصویریں تھیں کبھی نہ انہوں نے اس کی توہین کی اور نہ ہی کسی دوسرے صحابی نے یہ دونوں روایتیں حاشیہ ہدایہ جلد اول اصفحہ ۱۲۲ میں

موجود ہیں (حاشیہ ہدایہ جلد اول صفحہ ۱۲۲)

علے ہذا القیاس ہزار ہا واقعات ہیں جن کے احصاء میں ملال ہے

قال اگر چہ حضور ﷺ کی تصویر بھی سامنے آجائے

اقول كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۝ (سورۃ کہف، ۵)

اُن کے اندرونی نارِ حسد کے شرارے اور عداوۃ الرسول کے فوارے جو بے ساختہ اور بے محل خود بخود ان کے منہ سے نکل رہے ہیں بات تو تھی تصویر کے عدم جواز کی مگر جب توہین کا ذکر کیا گیا تو بے تحاشا و بے موقعہ حضور پاک ﷺ کا نام مبارک خواہ مخواہ منہ سے نکل آیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک جس چیز کی توہین کی جائے تو ضرور ہے کہ (خاک بدہن ایشان) حضور پاک ﷺ کی توہین (العیاذ باللہ) بھی ساتھ ہو جائے (تف برایں اعتقاد وحیف بربانی ایں بنیاد) اگر کسی چیز کے اعزاز واحترام کا ذکر ہوتا تو حضورِ پاک ﷺ کا اسم مبارک ہرگز نہ لیتے۔ نہیں نہیں بلکہ اس کے منہ سے جو بکواس نکلے ہیں وہ بے ساختہ و بے محل نہیں بلکہ اسکا اصلی مدعا حضور پاک ﷺ کی توہین تھی تصویر کا جامہ پہنا کر اپنے مقصد کا اظہار کیا۔ یہ ہیں اُس محبت کے تقاضے جس کے وہ مدعی ہیں

برعکس نہند نام زنگی کافور

جانمن محبت اور عداوت گو مبطن امر ہیں لیکن آثار علامات سے بخوبی ظاہر ہو سکتے ہیں۔ خواہ اپنے منہ سے کوئی کسی کی محبت یا عداوت کا مدعی ہو اُس کے صدق و کذب کی پہچان بہت جلد ہو سکتی ہے۔ مثلاً اس سے کہا جائے کہ جس کی محبت کے تم دعویٰ کرتے ہو اُس کے اوصاف حمیدہ بیان کرو اس کا جواب بالکل صفر اور اگر کہا جائے کہ اُس کے عیوب بیان کرو تو ایک اوپر ہزار لیجئے کیا اس کو محبت کہا جاسکتا ہے، ہرگز نہیں۔

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبی ست
گل است سعدی و درچشم دشمناں خاراست

اس کو بھی جانے دیجئے اور سنئے محبت اور عداوت بولنے کے بغیر صرف چہرہ سے بھی معلوم ہو سکتی ہے مثلاً اُس کے سامنے اُس شخص کے اوصاف حمیدہ بیان کرے جس سے وہ محبت کا مدعی ہے اور اُس کے چہرہ کی طرف دیکھتا رہے اگر ان اوصاف کو وہ سن کر خوش ہوتا رہا اور اس کا چہرہ بشاش و شفاف ہو گیا تو یقین کریں کہ واقعی اس کی محبت میں صادق ہے اور اگر معاملہ دگرگوں ہو گیا یعنی اُن اوصاف کے سننے سے بدحال اور بدرنگ اور چہرہ سیاہ ہو کر اُس پر چیونٹی چلنے لگ پڑیں تو سمجھیے کہ یہ بے چارہ پکا دشمن ہے۔ یا اُس کے عیوب بیان کرنے میں اگر خوشحال ہوا تو دشمن اور اگر بدمزہ و بے چین ہوا تو سچا محب سمجھا جائے گا۔

یہ ہے معیارِ محبت و عداوت۔ اب اس معیار پر اس پارٹی کو پرکھیے اور ان سے کوئی آیت قرآنی یا حدیث رسول ربانی جو حضور ﷺ کی جاہ و جلال پر دلالت کرتی ہو طلب کیجئے تو یکدانہ ندارد اور اگر آپ کے عیوب کے پوچھیے تو تین سو آیت اور پانچ سو حدیث لو۔ مطلب تمام قرآن شریف اور احادیث ان کے زعم میں آپ کے کسرِ شان (خاک بدہن ایشان) میں وارد ہیں۔ علی ہذا القیاس ان کے سامنے آپ کے فضائل و کمالات خداداد کا تذکرہ کیجئے پھر ان کے منہ کو دیکھیے گا کہ کس طرح سیاہ اور بدفام ہو جاتے ہیں اور بے تحاشا بول اُٹھیں گے جھوٹ، افتراء اگرچہ وہ فضائل و کمالات کلام الٰہی یا احادیث رسالت پناہی ﷺ سے ثابت کیوں نہ ہوں خدا تعالیٰ ان کو ہدایت کرے

اس ناپاک اور بے ادب گستاخ پارٹی کی بدلگامی کا کہاں تک تذکرہ کیا جائے مضمون بڑھتا جا رہا ہے اور رسالہ کا حجم زیادہ ہو رہا ہے جس سے ناظرین کی نزاکت طبعی کے ملال کا سخت اندیشہ ہے لہذا اس پر بحث کو اگرچہ بہت ضروری و لازم التذکرہ ہے فی الحال ملتوی کیا جاتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ کسی دوسرے موقعہ پر ان کے تمام مکائد و بدترین عقائد کو بالتفصیل ہدیہ مسلمانان عالم کیا جائے گا۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا حضور پاک ﷺ کی تصویر کبھی کہیں کسی نے دیکھی یا سنی بھی ہے۔

جسکی نسبت بالخصوص بے ادبی گستاخی کا آرڈر دے دیا۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ حضور پاک ﷺ کی تصویر کشی دائرہ امکان بشری سے بھی باہر ہے (۱) جبکہ حضور پاک ﷺ حسب ارشاد رب العباد جل وعلا شانہ فرمان سید الانس والجان واقوال اصحاب کمال مجسم نور ہیں تو نور کی تصویر کشی سے طاقت بشری قاصر کسی نے کیا خوب کہا ہے

نور کی صورت کسی نقاش نے پائی نہیں

اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں

آپ کے مجسم نور ہونے کی شہادت کلام الٰہی سے یہ ہے (۱) قد جاء کم من الله نور و کتاب مبین۔ **ترجمہ:** یعنی آئے ہیں تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب روشن۔ اس نور سے مراد بعض مفسرین نے قرآن شریف لیا ہے مگر اکثرین نے اس سے مراد حضور پاک ﷺ لیے ہیں و هو الاظهر لان العطف يقتضى المغايرة وايضاً التاسيس اولى من التاكيد (۲) مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۝ (سورۃ النور، ۳۵) یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال ایک آلے کی ہے اور اس میں چراغ ہے اس نور سے مراد بھی حضور پاک ﷺ ہیں جیسا کہ تفسیر خازن وکبیر وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے (۳) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً ۝ وَدَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً ۝ (سورۃ الاحزاب، ۴۶۔۴۵) یعنی اے نبی ہم نے آپ کو (تمام امتوں پر) گواہ بنا کر اور (مومنوں کو) خوشخبری دینے والا اور (کافروں کو) ڈرانے والا اور (تمام مخلوقات کو) اللہ کی طرف بلانے والا ساتھ حکم اللہ تعالیٰ کے اور چراغ روشن کرنے والا بھیجا سراجا سے مراد آفتاب ہے اور قرآنی محاورہ میں سراج بمعنی آفتاب مطرد ہے اور آپ کو آفتاب اس لیے کہا کہ جیسا کہ آفتاب تمام عالم کو روشنی دیتا ہے اور کسی غیر اللہ سے روشنی لیتا نہیں حضور پاک بھی اسی طرح تمام جہاں کو روشنی دے رہے ہیں اور دیگر کسی سے لینے کی ضرورت نہیں۔ اور سراج اس لیے فرمایا کہ ایک چراغ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں یہ کام آفتاب میں نہیں اور اس لیے فرمایا کہ آفتاب غروب

ہو جاتا ہے اور چراغ بجھ جاتے ہیں مگر حضور پاک ﷺ کا نور دائم قائم کبھی نہ بجھے گا حضرت محبوب سبحانی غوث صمدانی قطب ربانی حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے آپ کی مدح میں کیا خوب کہا ہے

افلت شموس الاولین و شمسنا

ابداً علی افق العلی لا تغرب

اب احادیث صحیحہ سے آپ کے مجسم نور ہونے کا ثبوت لیجئے۔

(۱) انا من نور الله و المومنون من نوری اس حدیث کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔ (مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۶۱۰)

(۲) اول ما خلق الله نوری اس حدیث کو جماعت محدثین نے ذکر کیا ہے

(۳) ان الله خلق قبل الاشیاء نور نبیك ومن نوره الحدیث اس حدیث کو عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں اور قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اور علامہ سیوطی نے نزہۃ المجالس میں اور ابن حجر مکی نے شرح ہمزیہ میں اور شیخ احمد مالکی مصری نے مولد شریف میں اور علامہ نبہانی نے بحار الانوار میں اور مولانا عبدالحی نے آثار مرفوعہ میں ذکر کیا ہے (مصنف عبدالرزاق)

(۴) انا من نور الله و الخلق من نور اس حدیث کی حضرت شاہ ولی اللہ نے فیوض الحرمین میں تصحیح کی ہے۔

اب علماء کرام و فضلاء عظام کی تصریحات کا کرشمہ بھی ذکر کیا جاتا ہے (۱) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی تصنیفات میں عموماً اور مدارج النبوت میں خصوصاً اس مسئلہ کی مواضع متفرقہ میں تشریح کی چنانچہ ایک جگہ کہتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات سے پہلے اور مخلوقات کے پیدا کرنے کا واسطہ اور حضرت آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے کا واسطہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نور ہے جیسا کہ صحیح حدیث اول ما خلق الله نوری میں وارد ہے دوسری جگہ کہتے ہیں تمام مکتوبات راز نور وے ﷺ پیدا کردہ اند اس طرح علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ

میں اور ملا علی قاری نے شرح مشکوۃ میں اور اس طرح بہت سے علماء امت محمدیہ نے اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے لیکن یہاں ان کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر پر اکتفا ہوا

(۲) جس ذات پاک کو خلاق عالم نے اپنی تمام مخلوقات میں سے لاثانی و بے مثل پیدا کیا ہے اُس کی تصویر کشی اُس کی بے مثلیت کے منافی ہے جیسا کہ کسی نے کیا خوب کہا ہے

ایک سے جب دو ہوئے وہ لطف یکتائی نہیں
اس لیے تصویرِ جاناں ہم نے کھنچوائی نہیں

اس وجہ سے حضور پاک کا سایہ بھی نہیں تھا کیونکہ اس میں بھی ایک مثلیت کا شائبہ ہے تو گویا حق جل وعلا کو آپ کی نظیر و مثلیت منظور ہی نہیں اب تصویر کشی کی کس کی کیا طاقت۔

(۳) حضور پاک ﷺ کی نرالی صورت اور غایت درجہ کی موزوں شباہت اور آپ کے چہرہ کی بشاشت و ملاحت کی نقل اتارنی کس کے امکان میں ہے یہاں طوطی ہند امیر خسرو دہلوی نے کیا خوب کہا ہے

ای چہرہ زیبائے تو اشک بتان ازای بنانی
زنقش صورتت شرمندہ از صورت گری

دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے آپ کی صورت مقدسہ کو نسبت یا تشبیہ دی جائے یہاں لسان الغیب حضرت حافظ شیرازی کیا کہا ہے

نسبت رویت بتابا ماہ و پرویں کردہ اند
صورت نادیدہ الحاقی بتخمیں کردہ اند

اب میرے اس تمام بیان کی تصدیق کے لیے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا حضرت شیخ احمد سرہندیؒ قدسنا اللہ تعالیٰ باسرارہ الاقدس کا ارشاد مندرجہ مکتوبات شریفہ کافی وافی ہے جس کا ترجمہ اردو حسب ذیل ہے جاننا چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ کی خلقت باقی افراد انسانی کی خلقت کے رنگ میں نہیں بلکہ جہاں کے تمام افرادوں میں سے کوئی فرد اس کے ساتھ مناسبت نہیں

رکھتا کیونکہ آنحضرت ﷺ باوجود عنصری نشاء کے حق جل وعلا کے نور سے مخلوق ہوئے جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے خلقت من نور اللہ یعنی میں اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں اور دوسروں کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی۔ (مکتوبات شریفہ جلد ۳، مکتوب ۱۰۰)

بیان اس دقیقہ کا یہ ہے کہ پہلے گذر چکا کہ حضرت واجب الوجود جل سلطانہ کی حقیقی صفتیں ہر چند کہ وجوب کے دائرہ میں داخل ہیں لیکن بواسطہ احتیاج کے ان صفات کو ذات کی طرف ہے رائحہ امکان کا بھی ہے اور جب حقیقۃً قدیمہ صفات میں امکان کی رائحہ کو گنجائش ہو گئی تو حضرت واجب الوجوہ کی اضافیہ صفات میں امکان کا ثبوت بطریق اولیٰ ہوگا اور ان کا عدم قدم بھی ان کے امکان پر کافی دلیل ہے اور صریح کشف کے ساتھ معلوم ہوا ہے کی آنحضرت ﷺ کی خلقت اسی امکان سے ہے جو اضافیہ صفات سے تعلق رکھتا ہے نہ وہ امکان جو عالم کے باقی ممکنات میں ہے اور ہر چند کہ عالم کے ممکنات کے صحیفہ کو باریک نظر کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کا وجود مسعود اس جگہ مشہود نہیں ہوتا۔ اور حضور کا امکان اضافیہ صفات کا امکان محسوس ہوتا ہے اور جب آنحضرت ﷺ کا وجود مسعود عالم کے ممکنات میں نہیں بلکہ ہر عالم سے بالا وفوق ہے تو ضرور اس کا سایہ نہ ہوگا۔ اور نیز شہادت کے عالم میں شخص کا سایہ شخص سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اور جب اس پاک ذات سے کوئی زیادہ لطیف جہاں میں نہیں تو اس کا سایہ کس طرح۔ علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والتسلیمات انتہی۔

وجوہات مذکورہ بالا سے صاف ثابت ہے کہ حضور پاک ﷺ کی تصویر ناممکن چیز کو فرضی وقوع میں لاکر اُس کی توہین اور تحقیر کرنی کیسی حیا سوز گستاخی وشوخ چشمی ہے۔

قال تو اس پر پیشاب یعنی بول کر کے اس کو بھی پاؤں کے تلے روند کر عندالشرع شریف توڑ دینا لازم ہے [illegible]

اقول ناظرین یہ الفاظ حضور پاک کی تصویر کے لیے تجویز کیے گئے ہیں۔

کیا اب بھی آپ کو اس ناپاک پارٹی کی عداوت الرسول میں کوئی شک ہے کیا اب بھی ان

[illegible]

کے دجالی فرقہ ہونے میں کوئی تامل ہے کیا اب بھی ان کے راجپالی ٹولہ ہونے میں کوئی شبہ ہے کیا اب بھی ان کے بدتر از ابلیس ہونے میں کوئی سوچ باقی ہے۔ ابلیس نے تو صرف انا خیر منہ کہہ کر ایک خدا کے پیارے بندے کے اس سجدے سے انکار کیا کوئی کلمہ تحقیر و تذلیل اُس کے منہ سے نہیں نکلا لیکن اس حزب الشیطان کے منہ سے وہ کلمہ نکل رہا ہے جس سے زمین و آسمان پھٹ جائیں تو بجا ہے اور کس کے حق میں حضور سید الاولین والآخرین محبوب العالمین اشرف الانبیاء والمرسلین کے حق میں جس ذات بابرکات کا خود رب العزت اکرام و احترام کرے حتی کہ محمد کے نام سے بھی نہ خود ندا کرے اور نہ ہی ایسے ندا کی اجازت دے بلکہ منع فرمادے اور جس کے سامنے آواز کا بلند کرنا بھی بحکم قرآنی منع ہو اور جس ہستی کے حق میں کوئی ایسا لفظ جو موہم توہین ہو مثلاً راعنا استعمال کرنے سے صریح نہی وارد ہوا ب ایسے معزز محترم محبوب الٰہی کے شان اعلیٰ میں ایسی حیا سوز گستاخی اور بے ادبی کر کے باوجود کسی غیرت مند مسلمان کو ان کی ملعونیت میں اشتباہ ہو سکتا ہے کلا و حاشا ادھر ابلیس تو آدم علیہ السلام کے حق میں انا خیر منہ کہنے سے ملعون ابدی ہو جائے لیکن ادھر سید الانبیاء کے بارہ میں ایسے گندے الفاظ بکنے سے بھی کوئی مواخذہ نہ ہو ۔۔۔ نہایت تعجب ہے۔ راجپال کے رنگیلہ رسول میں بھی ایسے فحش آمیز الفاظ استعمال نہیں ہوئے مگر پھر بھی وہ رسید جہنم کرایا گیا۔ لیکن اب ان بکواسوں میں بھی ابھی تک اہلِ اسلام تامل میں ہیں یہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب وہ کس تامل میں ہیں اور کس دقیقہ کی فروگزاری کے انتظار میں ہیں۔

چونکہ شرع شریف کے دلائل چار ہیں۔ قرآن کریم، حدیث شریف، اجماع امت، قیاس مجتہد اولاً سوال یہ ہے کہ اس اپنے دعوی پر ان ادلہ اربعہ میں سے کوئی ایک دلیل بھی پیش کر سکتے ہیں جس سے انکی صداقت کا ثبوت ہو سکے ہم ان کو پھر بھی ارخاء عنان دیتے ہیں حضور پاک علیہ لصلوات والسلام کی تصویر سے قطع نظر کر کے مطلق تصاویر کا مسئلہ پیش کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ کیا قرآنِ کریم میں کوئی اس مضمون کی آیت صریحۃ الدلالۃ یا کتب حدیث میں کوئی صحیح

حدیث یا اجماع امت ہو یا ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کا قول یا مشائخ کرام میں سے کسی ولی اللہ کی تصریح ہے۔ جس سے اس دعویٰ کی صداقت ثابت ہو سکے تو پیش کریں فی آیت، اور فی حدیث صحیح، اور فی القول متفق علیہ ہے فی قول مجتہد بتا کر انعام حاصل کریں۔ حضور پاک ﷺ کے عہد اقدس میں بھی تصاویر کا وجود تو تھا اور عموماً ان کے رکھنے والے ان کے پجاری تھے کیا کسی صحیح نقل سے ثابت کر سکتے ہیں کہ آپ نے کسی تصویر کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہو یا ایسا معاملہ کرنے کا حکم صادر فرمایا ہو۔

اچھا تصاویر کا تذکرہ بھی جانے دیجئے ہم بتوں کا سوال پیش کرتے ہیں جو کہ بانسبت تصاویر کے نہایت بدترین ہیں کیونکہ اولاً بتوں سے سوائے پرستش کے دیگر کوئی غرض ملحوظ نہیں ہوتی۔ اور تصاویر میں دیگر اغراض موجود تھے۔ ثانیاً بتوں کی حرمت قطعی نص قرآنی سے ثابت اور تصاویر کی حرمت ظنی حدیث شریف یعنی خبر احاد سے ثابت ہے اور آیت مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِیْ أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ○ (سورۃ انبیاء، ۵۲) سے تصاویر مراد نہیں کیونکہ نمرود و مردود کی قوم بت پرست تھی نہ تصویر پرست جیسا کہ اسی آیت کے بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول وارد ہے وَتَاللّٰهِ لَأَكِيْدَنَّ أَصْنَامَكُم بَعْدَ أَن تُوَلُّوا مُدْبِرِيْنَ ○ (سورۃ الانبیاء، ۵۷)، بلکہ ان تماثیل سے مراد اصنام مصورہ بصورت سباع وطیور وانسان جیسا کہ تفسیر مدارک میں ہے ثالثاً بتوں کا رکھنا کسی طرح جائز نہیں بخلاف تصاویر کے بعض صور میں ان کے رکھنے کی اباحت ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ہے (رابعاً) تصاویر کی حرمت صرف ہماری شریعت میں ہو۔ بخلاف بتوں کے ان کی حرمت متوارث ہے۔

اب ان بتوں کی نسبت جنکی قباحت نص قطعی سے ثابت ہے کوئی ایسا واقعہ پیش کر سکتے ہیں کہ خود حضور پاک ﷺ یا صحابہ کبار یا تابعین مجاہدین اسلام نے ان پر پیشاب کیا یا کرنے کا حکم دیا ہو۔ اس کا جواب اگر اثبات میں ہے تو پیش کریں اور اگر نفی میں اور ضرور نفی ہی ہوگا تو تصاویر جو ان سے نسبتہً خفیف ہیں ان پر پیشاب کرنے کا حکم کس قاعدہ شرعیہ سے دیا جاتا ہے۔

خانہ کعبہ کے گرد جو ۳۶۰ بت معبود منصوب تھے ان کی نسبت احادیث صحیحہ میں اس قدر ذکر ہے کہ ایک لکڑی سے جو حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ مبارک میں تھی ان کی طرف اشارہ فرماتے اور آیت شریفہ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (سورۃ بنی اسرئیل، ۸۱) پڑھتے گئے اور وہ بت گرتے گئے۔

اور تصاویر دو طرح کی آپ کے پیش ہوئیں ایک مطلق من غیر تقیید اضافت ونسبت دوسری مخصوص تصاویر انبیاء علیہم السلام مطلق کی تو تعظیمی حالت بدل دی گئی اور اپنی مسند مقدس کے لیے مخصوص کی گئیں۔ اور انبیاء کی تصاویر کو آبِ زم زم سے دھوڈالا۔

اب قارئین کرام کو خوب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جس امر کا ثبوت نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ ہی احادیثِ صحیحہ میں اور نہ اجماع امت اور نہ قیاس مجتہدین میں اس کا ذکر ہے اور نہ مشائخ عظام کا فرمان ہے کہ پھر اس کو لازم قرار دینا اور عند شرع شریف کا حکم بھی ساتھ لگا دینا کیسی گستاخی اور افتراء علی اللہ ہے سچ ہے اذالم تستحی فاصنع ماشئت

بے حیاء باش وہر چہ خواہی کن

ثانیاً محدثین اور فقہاء کے کلام میں جہاں تصویر کی توہین کا ذکر ہے وہاں پر توہین سے مراد پیشاب وغیرہ کرنا نہیں جیسا کہ اس خبطی نے سمجھا بلکہ اس سے مراد عدم تعظیم ہے یعنی تصویر کی تعظیم نہ کرنا ضروری ہے تا کہ بت پرستی سے مشابہت نہ ہو جائے جیسا کہ درالمختار میں ہے و خبر جبرئیل مخصوص بغیر المهانته انتهی۔ ورنہ حضور اکرم ﷺ بذاتِ خود کیوں اس لازم عندالشرع کے ترک فرمایا صحابہ کرام نے کیوں اس لزوم پر عمل نہ فرمایا انبیاء سابقین میں سے کسی نے اس اقدام پر عمل کیا۔ حلانکہ تابوت سکینہ میں حسب تصریح جمہور مفسرین تصاویر انبیاء تھیں جو ان کو بڑے احترام واکرام سے رکھتے تھے۔ یا کہ دانیال علیہ السلام کی انگشتری پر جو تین تصاویر تھیں اور امیر عمر صاحب رضی اللہ عنہ کے پیش ہوئیں انہوں نے اس لزوم پر عمل نہ فرمایا۔ بلکہ حضور پاک ﷺ کے پیش حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر ہوئی مگر آپ نے بھی اس لزوم کی

عملدرآمد نہ فرمائی اب میں کہتا ہوں کہ جب بانی اسلام صاحب شرع شریف نے یہ معاملہ نہیں کیا تو عندالشرع شریف کا دعوی بدیہہ البطلان اور واجب الخذ لان ہے۔

اب اس مردود کے وہ الفاظ بھی سننے کے قابل ہیں جن کو اس نے ان بکواس ناشائستہ کی معذرت میں استعمال کیا ہے وہ یہ ہیں:

قال گئو سالہ سامری کو اگر جلا کر کے اس کی راکھ دریا میں ڈالی جاسکتی ہے یعنی جب خدا کا نام جس پر رکھا گیا تھا اس کو جلا دیا گیا تو کسی نبی یا حضور ﷺ کی تصویر پر بول کر کے اس کو پاؤں کے تلے روندنا بالاولی جائز وضروری ہے نسبت کا کوئی لحاظ نہیں۔

اقول اولاً گئو سالہ سامری نہ اس واحد حقیقی جل جلالہ کی تصویر تھی اور نہ ہی اس کا مجسمہ بلکہ گئو سالہ کے رنگ میں ایک نیا خدا مستقل خود ساختہ تیار کر کے اس کی عبادت میں بنی اسرائیل کو مصروف کر لیا تھا اور اس واحد حقیقی کی نفی کر دی تھی جیسا کہ آیت فَقَالُوا هَذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ فَنَسِيَ ○ (سورۃ طہ، ۸۸) اس پر شاہد ہے کہ اب اس پر تصویر کو قیاس کرنا کیسی حماقت ہے تصویر ایک قسم کی نقل اتار دی جاتی ہے جو کہ منقول عنہ کے شبیہ میں ہوتی ہے اور یہاں تو حقیقی پروردگار کی نفی اور مصنوعی وجعلی خدا کا ثبوت۔

ثانیاً۔۔۔اس گئو سالہ کی بناوٹ صرف عبادت کے لیے تھی جو کہ معبود باطل ہو کر غضب الہیٰ میں آ گیا جس سے ہر دو جہان کے عذاب کا مستحق قرار دیا گیا۔ دنیا کا عذاب اس کے لیے تجویز ہوا انظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ○ (سورۃ طہ، ۹۷) اور آخری عذاب إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ○ (سورۃ انبیاء، ۹۸) بخلاف تصاویر کے کہ ان کے بنانے کے علت غائی عموماً پرستش اور عبادت نہیں ہوتی صرف ان کی تعظیم اور احترام کرنا مشابہ بت پرستی کے ہو جاتا ہے جس وجہ سے ممنوع قرار ہوئیں۔ اب اس قدر انکے مابین تباین اور تخالف ہوتے ہوئے ان کو اس پر قیاس کرنا فضول ہے ثالثاً اس گئو سالہ کو آگ میں جلا کر دریا میں ڈال دینے سے اس کی توہین مقصود نہیں تھی

بلکہ اس باطل معبود کو نابود کرنا مقصود تھا جیسا کہ تمام معبودان باطلہ کا یہی حکم شرعی ہے۔ خواہ اس میں ضمناً انکی توہین کیوں نہ ہو جائے۔

رابعاً۔ بالفرض والتقدیر مان بھی لیا جائے کہ کسی نبی یا حضور اکرم ﷺ کی تصویر بت ہے اور گئوسالہ سامری کے برابر ہے جو کاروائی اس گئوسالہ کے ساتھ کی گئی تھی اور اس پر اکتفاء کیوں نہیں کیا گیا سمجھ میں نہیں آتا کہ گئوسالہ کو جلا کر پانی میں ڈالنے اور حضور پاک ﷺ کی تصویر کے ساتھ یہ بے حیائی کرنے میں کونسا التزام ہے۔

خامساً تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ کسی مقتدر اور مستقل بادشاہ کے علاقہ میں اگر کوئی دوسرا شخص بادشاہت کا دعوی کر کے اس کی رعیت کو اپنا مسخر کرنا چاہے تو بادشاہ کو فطرۃً و عادۃً اس کے برخلاف اپنی تمام طاقت صرف کرنا اور پھر اس کو گرفتار کر کے طرح طرح کے عذاب سے مارنا اور پھر اس کی لاش سولی پر لٹکا کر تمام جہان کا عبرت گاہ بنانا عام معمول ہے لیکن اگر اس بادشاہ کا کوئی شخص فوٹو ایک نہیں بلکہ ہزار بھی لے لے تو اس کو اس میں نہ کوئی رنج ہوگا نہ غصہ اس طرح جب اس گئوسالہ نے خداوندِ عالم کے ملک میں اس کے مقابلہ میں خدائی کا دعوی کر دیا تو خداوندِ عالم کو اس کے سزا دینے اور تباہ کرنے کا خاص حق ہے اب اس پر تصویر انبیاء کو قیاس کرنا کیسی جہالت ہے۔

قولہ نسبت کا کوئی لحاظ نہیں۔ یہ دعویٰ بدیہہ البطلان ہونے کے علاوہ مضحک الاطفال بھی ہے۔ جس امر کو ہر مذہب و ملت کے لوگ جانتے مانتے ہوں اور جس چیز کی فطرت انسانی شاہد ہو اس کا انکار کرنا اپنی سفاہت و رذالت کے ثبوت دینے کے مترادف ہے۔ انسان تو اعلیٰ ہستی ہے لیکن حیوانات سے پوچھیے تو یہی کہیں گے کہ نسبت اور اضافت ہر وقت اور ہر کام میں ملحوظ ہے۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گا کہ جملہ نظام عالم خواہ علوی ہو یا سفلی ملکوتی ہو یا ناسوتی تمدنی ہو یا سیاسی اخلاقی ہو یا شرعی تمام کا قیام اسی نسبت اور اضافت سے ہے۔ مثلاً اسلام کی پابندی ہمیں اس لیے ضروری ہے کہ یہ خداوندِ عالم کا دین ہے قرآن کرم اس لیے واجب التعمیل ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے رسولِ پاک ﷺ اس لیے واجب الاطاعت ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں حدیث

شریف اس لیے لازم الاتباع ہے کہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے ادھر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدق دیانت، اخلاص، عدالت، شجاعت، سخاوت وغیرہ یہ تمام اس لیے فرض ہیں کہ ان میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی ہے زنا، چوری، حرام خوری رشوت ظلم کذب بہتان افترا وغیرہ اس لیے حرام ہیں کہ ان میں غیر کی حق تلفی ہے تیری ماں تجھ پر حرام تیرے باپ پر حلال تیری بہن تجھ پر حرام تیرے بہنوئی پر حلال تیری بیوی تجھ پر حلال دوسروں پر حرام یہ تمام اضافات اور نسبتیں ہیں جن پر حلت اور حرمت کا مدار ہے۔ اس طرح تمام امورات دینی و دنیاوی کو شمار کرتے جایئے پھر دیکھیے کہ کوئی ایسی چیز بھی دنیا میں ہے جس میں نسبت و اضافت کا لحاظ نہ ہو۔ یہ تو امور عامہ کی بحث تھی۔

اب ہم خاص تصویر کے مسئلہ کے دونوں رخوں کو دیکھتے ہیں ایک رخ تو فطرتی ہے اور دوسرا شرعی جس نگاہ سے دیکھا جائے تو نسبت اور اضافت کا لحاظ موجود۔ پہلے فطرت میں آیئے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کی تصویر بنا کر اس کے سامنے اس کی توہین کیجئے پھر دیکھیے گا کہ وہ کس قدر غصہ اور جوش دکھاتا ہے آپ کی لحیہ مبارک کے بال نوچ کر آپ کے سامنے رکھ دے گا اگر یہ نہ ہو سکا تو گالم گلوچ سے آپ کو خوش کر دے گا۔ اگر اسمیں کچھ شک ہو تو تجربہ کر کے دیکھیں یہ تو ادنیٰ آدمی کا معاملہ تھا۔ اب اگر آپ میں کوئی جرات کا مادہ ہے تو کسی معزز محترم سردار یا حاکم شہر کا فوٹو لے کر اس کے سامنے یہ کام کیجئے پھر اس کا نتیجہ آپ خود دیکھ لیں گے۔ اگر یہ بھی نہیں آپ سے نہیں ہو سکتا تو ہم کسی مصور فوٹو کش سے آپ کے پیر واستاذ، والد بزرگوار کا فوٹو لے کے آپ کے سامنے کہہ دیتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ ذرا اس پر پیشاب کر دیجئے تو ہم دیکھیں گے کہ آپ اس پر کس قدر پانی ڈالتے ہیں۔ اب دو حالی سے خالی نہیں یا تو پیشاب کریں گے یا نہ کریں گے اگر کریں گے تو آپ کو اپنی ہٹ دھرمی اور بے شرمی کی مبارکباد دی کا تمغہ دیا جائے گا لیکن تمام جہاں کی لعن وطعن کا مورد بن کر بے ادب گستاخ کے نام سے موسوم ہو جائیں گے۔ اور اگر نہ کریں گے تو کیوں۔ جب حضور پاک ﷺ سرورِ دو جہاں سردارِ پیغمبران کی تصویر کے ساتھ یہ معاملہ جائز ہے اور نسبت کا لحاظ نہیں یہاں کیوں ناجائز اور نسبت ملحوظ، غرض تصویر میں بے اختیار فطرۃ وجبلۃً

نسبت کا لحاظ آ جاتا ہے۔

اب ہم تصویر کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں یعنی شرعی نگاہ میں بھی نسبت ملحوظ ۔آج سے نہیں بلکہ نسبت کا لحاظ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کے عہدِ مبارک سے اب تک بدستور۔ تفسیر خازن وغیرہ مفسرین تحت آیت آیَةَ مُلْکِهٖٓ أَن یَّأْتِیَکُمُ التَّابُوتُ فِیْهِ سَکِیْنَةٌ مِّن رَّبِّکُمْ ○ (سورۃ بقرہ،۲۴۸) کے لکھا ہے کہ ایک صندوق شمشاد کی لکڑی کا ۳○۲ گز کی جسامت میں حضرت آدم علیہ السلام پر اترا تھا جسمیں تمام انبیاء علیہم السلام کی تصاویر تھیں اور وہ صندوق ابراہیم علیہ السلام کے عہد تک تمام پیغمبروں کے پاس اپنے اپنے زمانہ میں رہا پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام پھر یعقوب علیہ السلام کے پاس رہا، بنی اسرائیل میں رہا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا پھر اس طرح انبیاء بنی اسرائیل میں رہا دیکھیئے یہ نسبت کا لحاظ جس صندوق میں انبیاء کی تصاویر تھیں اس کو انبیاء کرام نے کب محفوظ و محترم بلکہ اس سے اپنی مشکلات کے حل کا اصل ذریعہ سمجھا۔

حضرت دانیال علیہ السلام کی انگشتری کا تذکرہ پہلے ہو چکا کہ اسمیں تین تصویریں تھیں وہی انگشتری حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کے پیش ہوئی لیکن آپ نے اس کی کوئی توہین و تحقیر نہ کی بلکہ نسبت کا لحاظ کر کے حضرت ابو موسیٰ اشعری کے حوالہ کر دی بلکہ حضورِ اکرم ﷺ بوقت فتح مکہ جب کعبۃ اللہ کے پاس تشریف فرما ہوئے تو اندر داخل ہونے سے پہلے حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا کہ جو تصاویر کعبہ کے دیوار میں ہیں۔ ان کو محو کر دے چنانچہ وہ اندر گئے اور تمام تصاویر کو محو کر دیا لیکن حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کی تصاویر کو نہ چھوا پھر جب خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں موجود ہیں ان کے ہاتھ میں ازلام تھے آپ نے فرمایا کہ خدا ان کفار کو تباہ کرے یہ جانتے ہیں کہ ان دونوں حضرت نے ازلام سے کبھی انتقام نہیں لیا تھا پھر زمزم کا پانی منگوا کر ان دونوں تصویروں کو آپ نے اپنے ہاتھ سے دھو ڈالا یہ ہے نسبت کا لحاظ۔ حضرت امیر عمر کو باوجود تاکیدی حکم محو کرنے جملہ تصاویر کے انہوں نے ان دونوں تصاویر کی نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے انہیں نہ چھیڑا اور باقی کو محو کر دیا۔ اور حضور ﷺ

نے ان تصاویر کو اپنے ہاتھ مقدس اور زمزم کے پانی کا شرف بخشا۔ یہ وہ شرف ہے جس پر اگر ہزار جان قربان کی جائے تو بجا ہے۔ مولانا جامی نے کیا خوب کہا ہے

ہر گہ بقصد قتلم شمشیر بر کشائی

بہر بقا عمرت دست دعا کشایم

ولہ ایضاً

عمریست بیمار توام در کشتم تعجیل کن

زیرا نکہ غیر از تیغ تو نبود شفاء عاجلم

تیغ را بر گردنم بس تیز ران

کاندریں بینم حیات جاوداں

اور سنیے حضورِ اکرم ﷺ کی تصویر کی کیا بحث حضور ﷺ کی نعلین مقدسین کی تصویر کا ذکر آپ کی حیرانی کے لیے کافی ہے ذرا نظامیہ شرح شمائل ترمذی ولمعات شرح مشکوٰۃ ومواہب لدنیہ دیگر عشاق رسول اللہ ﷺ کی کتب کھول کر دیکھیے۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تصویر کو جو جبرائیل علیہ السلام نے اپنی ہتھیلی پر یا پرزہ حریر پر منقش کر کے حضورِ اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں لا کر پیش کی تھی جیسا کہ احادیثِ صحیحہ میں موجود ہے کیا وہاں نسبت کا لحاظ نہیں تھا اگر نسبت کا لحاظ نہ ہوتا تو جبرائیل ایسا فضول کام کیوں کرتے اور حضور پاک ﷺ اس ازدواج کے انعقاد سے تیقن کیوں فرماتے اور حضرت صدیقہ اپنے رفعت شان کے لیے اس واقعہ کا تذکرہ فخریہ کیوں بیان فرماتے۔

غرض تصویر میں نسبت کا لحاظ ضروری ہوا کرتا ہے فطرۃً بھی اور شرعاً بھی اس کا انکار شمس نصف النہار کے انکار کی مترادف ہے

رہا یہ امر کہ جب تصویر میں نسبت کا خاص لحاظ ہوا تو اگر مثلاً کسی بزرگ صالح کا فوٹو لیا جائے تو وہ جب وہ صالح قابلِ تعظیم ہے تو کیا اس کی تصویر کی تعظیم بھی ضروری ہے نہیں ہرگز نہیں۔ اول تو تصویر کسی ذی روح کی بنانی شرعاً سخت منع ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا اب اگر کسی نے اس جرم

پر اقدام کر کے کسی بزرگ کی تصویر کشی کر لی تو جس طرح اس کی توہین جائز نہیں ویسے اس کی تعظیم بھی جائز نہیں بلکہ اس کے محو کرنے میں ایسی صورت اختیار کرے جس سے اس کی توہین بھی نہ ہو اور محو بھی ہو جائے واللہ تعالیٰ اعلم

قارئین کرام مضمون تو ابھی ختم نہیں ہوئے اور نہ ہی دل کی ہوس پوری ہوئی مگر طوالت باعث ملالت ہونے کی وجہ سے اس مضمون کو ختم کیا جاتا ہے اب دوسرا مضمون یعنی اہانت اہل بیت کی بالکل مختصر بحث کی جاتی ہے وباللہ التوفیق

قال میں علی کرم اللہ تعالیٰ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جوتی کی خاک کے برابر نہیں سمجھتا۔

اقول یہ ہے وہ بکواس جس سے اگر زمین لرزہ اور آسمان زلزلہ میں آجائے تو بجا ہے

مرمر ایدز نمی ابارد روئے اعتقاد

ایں چنیں بدکر دن و دین پیمبر داشتن

یہ اس عداوۃ الرسول کی آگ کے شرارے ہیں جو اس ناپاک پارٹی کے سرغنہ ان کے دلوں میں بھڑکا رکھی ہے۔ اور اس پر حسد و بغض کے دریا کی موجیں ہیں جس کو ان کے شیخ النجد نے ان کے دلوں میں بہا رکھا ہے۔ یہ بے چارے اپنی ڈیوٹی کے فرائض ادا کرنے میں مجبور ہیں وہ بصورت سست و کاہلی جواب دہی کے خطرہ میں مقہور۔ حدیث شریف میں ہے کہ ابلیس پانی پر تخت بچھا کر اس پر بیٹھ جاتا ہے اور روزمرہ اپنے پٹھوؤں کو تمام ملک میں اپنی اپنی ڈیوٹی پر بھیج دیتا ہے ہر شام کو ہر ایک کی حاضری لے کر اس کی کارگزاری کی پڑتال کرتا ہے ان میں سے جس نے زیادہ شرارت اور خباثت کی یا کرائی ہو اور اس پر بہت راضی ہوتا ہے اور اس کو تھاپڑا ما کر اس سے خوش ہوتا ہے یہاں بھی وہی معاملہ سمجھیے۔ زیادہ تشریح کی حاجت نہیں۔

اس واعظ بے چارہ کی ڈیوٹی تو تھی حضور پاک ﷺ کی (العیاذ باللہ) توہین مگر کھلی توہین تمام مسلمانوں کے اشتعال سے خوف کھایا کہ اس کا بھی راجپال سا حشر نہ ہو جائے اس پر ان کے

شیخ النجد نے یہ تعلیم دی کہ الکنایۃ مطلب ابلغ من الصراحت اس مطلب کے صراحتہً کے بجائے کنایات سے پورا کیا جائے ممکن ہے کہ ایسے کرنے سے مسلمانوں کا اجتماع ٹوٹ کر تفرقہ ہو جائے اور تفرقہ سے مطلب برآمد ہونا آسان ہو جائے گا ایسی حالت میں پھر صراحت سے بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی کبھی تو حضور پاک ﷺ کو تصویر کا لباس پہنا کر آپ کی (خاک بدہن دشمناں) توہین کرنی شروع کر دی۔

ان کی چالاکی اور چالبازی داد دینے کے قابل ہے کیسی دور کی سوجھی حضرت شیرِ خدا کی توہین کرنے سے انکے اصلی مطلب براری کے علاوہ اور بھی بہت مقاصد حاصل ہوئے (۱) حضرت شیرِ خدا اکثر سلاسل اولیاء اللہ کے پیشوا مانے ہوئے ہیں ان کی توہین سے تمام اولیاء اللہ کی توہین حاصل۔ (۲) مسلمانوں کو اکابر کی توہین سننے اور برداشت کرنے کا عادی اور متحمل بنایا جس سے اس نے کسی آنے والے سنگین معاملہ کی پہلے تیاری کرنے کی سوچی۔ (۳) مسلمانوں کی باہمیں اجتماع اور اتفاق کے بجائے اس میں تفرقہ وتخالف بلکہ بغض وعداوت کا تخم بویا۔

اب یہاں شیرِ خدا کی بالخصوص توہین کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ بفضلِ خدا تعالیٰ یہاں ہمارے ہندو پنجاب میں گو مذاہب باطلہ مثلاً مرزائی وغیرہ نے عام غلغلہ مچا رکھا ہے اور بھولے بھالے مسلمانوں کے لیے دام تزویر بچھا کر اور سبز گھاس دکھا کر اپنے اپنے پھندے میں پھنس رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی الحق یعلو ولا یعلی و لکل فرعون موسی حق حق ہے اور باطل باطل تمام بدمذہب اہلِ سنت والجماعت کے مقابلے میں دم مارنے کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی میدان مناظرہ میں ان کی جیت لہٰذا مذہب اہل سنت وجماعت کا زور ہے۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا بھی حضور کے ساتھ گہرا تعلق اور پیشوا امت ہیں مگر اہلِ سنت والجماعت کے مخللین کو بی کا خوف دامن گیر ہوا۔ لیکن ایسا پلٹا کیا کہ اہلِ سنت کی حمایت کا رنگ دکھا کر شیعہ کے مقابلہ میں ان کے مذہب کی تردید کرتے کرتے وہ اہلِ بیت پاک میں سے اعلیٰ فرد پر حملہ شروع کر دیا یعنی شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور بموجب خوئی بدرا بہانہ بسیار نہ بہانہ یہ بنایا کہ میں تو شیعہ

کے مقابلہ میں انکی تردید کر رہا ہوں کہو اسمیں کیا جرم کیا۔ بھولے اہلِ سنت ایسے سبز گھاس دیکھ کر خاموش ہو گئے اور اس توہین کو سن کر برداشت کر گئے۔ لیکن جو غیرت مند سمجھ دار مسلمان ہیں وہ ضرور ان کی خباثت سے واقف ہو کر چونک اٹھے ہوں گے غالباً مسلمانوں کے دو فرقے ہو گئے ہوں گے پھر جب اس نے یہ بکواس پچا کر ہضم کر لیے تو پھر اس نے حضور کو تصویر کا جامہ پہنا کر آپ کی توہین کی اسمیں بھی صرف غیور مسلمان نے مخالفت کی ہو گی اور جو پارٹی پہلے ہی اس کی حامی بن گئی ہو گی وہ اب بھی اس کے طرفدار ہو گی۔

مسلمانو اب اس گستاخ کی علانیہ توہین کرنے کا وقت آ گیا ہے اس نے مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈال کر ایک پارٹی اپنی حمایت کے لیے پہلے بنا رکھی ہے۔ وہ پارٹی اس کے ہر فعل قبیح کی حمایت میں مجبور ہے آپ اپنے اسلام اور حضرت بانی اسلام کے احترام وتوقیر میں اپنے جان و مال کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور اس خناس کو پھر ایسی بکواس بکنے کی گنجائش بھی نہ دیں اور ایسے معاملہ میں بے پرواہی اور لا ابالی سے ہرگز کام نہیں لینا چاہیے۔ وما علینا الا البلاغ۔

اب یہاں امور ذیلہ تنقیح طلب ہیں۔(۱) جس ہستی کے حق میں اس بے ادب نے گستاخی کی ہے وہ عند اللہ کس قدر محترم ہے (۲) اس ہستی کا حضور پاک ﷺ سے کس قدر تعلق ہے (۳) مسلمانو پر اس ہستی کا اکرام واحترام لازم ہے (۴) کیا ایسے ناشائستہ الفاظ ایسی ہستی کے حق میں باعثِ توہین ہیں۔(۵) کیا اس توہین کا اثر حضور پاک تک بھی پہنچتا ہے یہ پانچ امر دریافت اور تحقیق طلب ہیں۔ ان کی تشریح بالفاظ مختصرہ کی جاتی ہے واللہ الهادی

ان امور خمسہ کی تحقیقات کرنے سے پہلے ہم قارئین کرام کے ذہن نشین یہ امر ضروری کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت شیرِ خدا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ کے جس قدر فضائل وکمالات ذکر کیے جائیں اس سے حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوقیت ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کے مدارج سے مساوات بھی ناممکن۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ فضائل اگرچہ اپنی

ذات میں موجوب رفعت شان کیوں نہیں مگر پھر بھی یہ کمالات جزئیہ ہیں اور حضرات ثلثہ کے فضائل کلیہ۔ اور فوقیت وفضیلت فضائل کلیہ ہوتے ہیں نہ جزئیہ۔ علاوہ براین ان فضائل کا بعض بلکہ اکثر حضرات ثلثہ میں موجود بہر کیف حضرت شیر خدا جبکہ حضرات ثلثہ کے بالخصوص حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی فوقیت وفضیلت کے خود قائل ومعترف ہیں پھر ان پر فوقیت یا مساوات کا کیا امکان۔

لیکن بحث اس امر میں ہے کہ فوقیت اور فضیلت مفضول کو فاضل کی خاک نعلین بنانے کو مقتضی نہیں ہوتی خصوصاً جبکہ مفضل علیہ فی حد ذاتہ نہایت معزز ومحترم عند اللہ ہو۔ مثلاً خداوند عالم جل جلالہ کا فرمان ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ○ (سورۃ بقرہ، ۲۵۳) کہ یہ مفاد نہیں جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام مفضول ہیں وہ فاضلین کی خاک نعلین کے برابر یا اس سے بھی کمتر ہو کلا وحاشا۔

میرے خیال میں حضرات ثلثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی رفعت شان جس قدر حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہ کی رفعت میں ہو سکتی ہے اتنی رفعت حضرت علی کے معمولی ہستی ہونے سے نہیں ہو سکتی لہذا یہاں حضرت شیر خدا کے چند فضائل امور خمسہ کے ضمن میں ذکر کر جاتے ہیں جس سے دو امر ثابت ہوں جائیں گے ایک یہ کہ حضرت شیر خدا فی نفسہٖ نہایت رفیع الشان ہیں کوئی معمولی ہستی نہیں۔ دوسرا یہ کہ حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کا ایسی رفیع الشان ہستی سے افضل ہونا۔

امور خمسہ مستقحہ

امر اول حضرت شیر خدا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ نے بنا بر اشہر اقوال کے دس سال کی عمر میں شرف اسلام حاصل کیا اور بنا بر اکثر اقوال کے تمام مذکور سے پہلے جامہ اسلام پہنا جیسا کہ خود فرماتے ہیں **سبقتکم الی الاسلام**۔۔۔ چنانچہ دوشنبہ کے دن حضور کی بعثت ہوئی اور سہ شنبہ کو آپ مشرف باسلام ہوئے اور آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی نہیں کی اس واسطے آپ کو خطاب کرم اللہ وجہہ کا عنایت ہوا اور آپ کو فضیلت

میں بعد انبیاء کرام علیہم السلام چوتھا نمبر ہے۔ اور آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور علماء ربانیین میں سے فرد کامل ہیں باب العلم ہیں باب الحکمۃ ہیں۔ اسلام کے پہلوانوں میں سے اعلیٰ درجہ کے بہادر اور زبردست پہلوان ہیں۔

صحیحین وغیرہا میں حدیث وارد ہے کہ خیبر کے دن حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ کل ایک ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر فتح ہوگی اور وہ خدا تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور رسول اس کو دوست رکھتے ہیں تو تمام صحابہ میں رات بھر یہی تذکرہ رہا کہ دیکھیے ایسا خوش نصیب کون شخص ہوگا صبح کو تمام صحابہ کرام اسی آرزو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش ہوئے کہ یہ سعادت ہمیں نصیب ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ کو طلب فرمایا تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ وہ آنکھوں کے درد میں مبتلا ہیں حاضری سے قاصر ہیں ارشاد ہوا کہ اس کو بلاؤ جب حاضر ہوئے تو حضور پاک ﷺ نے آپ کی آنکھوں میں لعبِ مبارک ڈالی اور دعا فرمائی چنانچہ اس وقت ایسے شفایاب ہوئے گویا کوئی شکایت ہی نہیں تھی تو آپ کو ایک جھنڈا دے کر جنگ کو روانہ فرمایا چنانچہ اسی دن خیبر فتح ہوا صحیح روایت میں آیا ہے کہ آپ قلعہ کے دروازہ کو ایک ہاتھ میں لے جنگ کرتے رہے جب فیصلہ ہوا تو اس کو پھینک دیا پھر اُس دروازہ کو چالیس مرد بڑی تکلیف سے اٹھاتے۔ اور آپ اعلیٰ درجہ کے عابد و زاہد مجاہد سخی خطیب اور فصیح و بلیغ صدیق شہید ہیں۔

ان تمام امور کا ثبوت احادیث صحیحہ میں موجود اب اگر آپ کے صدیق ہونے میں کوئی تردد واقع ہوگیا ہو تو صواعق محرقہ مولفہ امام ابن حجر مکی، ص ۴۷ باب فضائل علی بن ابی طالب حدیث ۳۰، ۳۱ دیکھ کر تسلی کر سکتے ہیں۔ غرض حضرت شیرِ خدا کے فضائل و کمالات خداداد کسی حدود انداز میں آنے کے نہیں لہذا مشتے نمونہ از خروار پر اکتفا کیا جاتا ہے واللہ الھادی امر دوم حضور پاک ﷺ سے آپ کا گہرا تعلق ہے جو کسی اہلِ عقل و دیانت پر پوشیدہ نہیں حدیث متفق علیہ میں ہے کہ حضور پاک ﷺ نے آپ کو فرمایا کہ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں ور ترمذی میں ہے کہ علی

مجھ سے اور میں اس سے ہوں اور وہ ہر مومن کا ولی ہے اور ترمذی نسائی ابنِ ماجہ مسند امام احمد میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ تو میرا بھائی ہے دنیا و آخرت میں اور نسائی میں بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ کے ساتھ جو میرا مرتبہ اور منزلت ہے وہ کسی دیگر خلائق کا نہیں۔ حضور کے ساتھ آپ تمام مشاہد میں حاضر رہے الا جنگ تبوک کے موقعہ میں آپ کو مدینہ کی حفاظت کے لیے حضور پاک نے مقرر فرمادیا روتے ہوئے حضور کی جناب میں عرض کیا کہ کیا مجھے عورتوں اور معصوم بچوں میں رکھتے ہیں تو ارشاد ہوا کہ کیا تمہیں یہ امر خوش نہیں کہ تو مجھے ایسا ہے جیسا کہ ہارون موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھا مگر میرے بعد نبوت نہیں۔ آپ کے ساتھ حضور پاک ﷺ نے عقد مواخاۃ کیا آپ کو حضور پاک ﷺ کے دامادی سیدۃ نساء العالمین کے زوج ہونے کا شرف حاصل آپ اہلِ بیت اطہار میں داخل آیت مباہلہ کے انفسنا میں شامل خطیب بغدادی کی روایت ہے کہ حضور پاک کا ارشاد ہے کہ علی میرے سر کا بدن سے مرتبہ رکھتے ہیں جب حضور پاک نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کے مکہ میں چند روز ٹھہرنے کا ارشاد فرمایا تا کہ امانت اور وصایا جو حضور پاک ﷺ کے پاس تھیں ادا کر کے آجائیں چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اسی معنی کے لحاظ سے آپ کو وصی کہا جاتا ہے نہ اس معنی سے جسکو بدفرقہ شیعہ شنعیہ نے بنا رکھا ہے یعنی خلیفہ بلافصل یہ انکا مثل دیگر بکواس کے فضول بکواس ہے۔ ترمذی نے حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرماتی کہ تمام لوگوں سے حضور پاک کو زیادہ پیاری بی بی فاطمہ اور تمام مردوں سے زیادہ پیارا اس کا زوج حضرت علی رضی اللہ عنہ ہے اور طبرانی میں ہے کہ حضور پاک فرماتے ہیں کہ لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور علی ایک ہی درخت سے ہیں۔ اور دیلمی نے روایت کیا ہے کہ سابقون تین ہیں موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے یوشع بن نون اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والا صاحب یسین اور میری طرف سبقت کرنے والا علی بن طالب اور ابونعیم و ابنِ عساکر کی روایت میں ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صدیق تین ہیں حبیب نجار جس نے کہا یَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (سورہ

یسین ،۲۰) اورحز قیل مومن ال فرعون جس نے کہا تھا اتقتلون رجلًا ان یقول ربی الله وعلی بن ابی طالب وہوافضلہم غرض حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جو تعلقات حضور پاک ﷺ سے ہیں ان کو اگر تمام عمر میں شمار کرتے رہے تو ختم نہ ہوں گے۔

امر سوم آپ امیر المؤمنین وخلیفۃ المسلمین وچہارم از خلفاء الراشدین المہدیین ہیں تمام مسلمانوں پر ان کا اتباع لازم جیسا کہ حدیث احمد ابو داؤد وترمذی میں موجود ہے فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المهديين اور اہلِ بیت پاک میں سے ہونے کی وجہ سے جملہ اہلِ اسلام پر آپ کی مودت ومحبت واجب جیسا کہ کلام پاک رب العلمین واحادیث رحمتہ العالمین میں بالتصریح موجود بلکہ ایمان اور نفاق کا امتیاز آپ کی محبت وعداوت پر مبنی جیسا کہ مسلم میں بروایت حضرت علی مروی ہے کہ مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس نے دانہ کو پیدا کیا اور جی کو زندہ نکالا کہ حضور نے میرے ساتھ عہد کیا ہے کہ میرے ساتھ محبت رکھنے والے مومن ہی ہوں گے اور بغض رکھنے والے منافق اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ علی ہر مومن کے ولی ہیں اور نیز ترمذی وامام احمد کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا جس کا میں مولا اسکا علی مولا۔ اور طبرانی و حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے اور خطیب بغدادی نے رویات کیا ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ مومن کے صحیفہ اعمال کا عنوان علی کی محبت ہے اور طبرانی کی روایت میں ہے حضور کا ارشاد جس نے علی سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ سے محبت رکھی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھی اور جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ تعالیٰ سے بغض رکھا۔ غرض حضرت شیرِ خدا میں سب لحاظات محترمہ موجود مثلاً شرف صحابیت وشرف اہلِ بیت ہونے کا وشرف ذوی القربیٰ۔

وشرف دامادی وشرف ابوۃ سیدین وغیرہ جملہ شرافات سے مشرف تو جونص صحابہ کرام کے اکرام میں وارد اس کے بھی یہ مصداق اور جونص اہلِ بیت پاک کے احترام ومحبت میں صادر وہ بھی آپ پر منطبق اور جونص ذوی القربی کی مودت میں نازل اسکے بھی آپ مستحق ازینوجہ آپ کا اکرام

واحترام جملہ اہلِ اسلام پر تاکیدی فرض ہے جس کی عہدہ براری بدون ادائی ناممکن واللہ الھادی

امر چہارم جو ناشائستہ الفاظ زید نے ایسی معزز ومحترم ہستی کے حق میں کہے ہیں واقعی باعث توہین وتحقیر ہیں اولاً ایسے الفاظ کسی کے حق میں نہ قرآن شریف میں آئے اور نہ ہی کسی حدیث میں یہ اختراعی الفاظ عوام کالانعام کے حق میں استعمال کیے جاتے ہیں تو گویا شیرِ خدا کو اس نے معمولی ہستی قرار دیا اور ان کو اپنے منصب سے گرادیا اسی کا نام سب ہے ثانیاً نہ کہیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایسے الفاظ شیر خدا کے حق میں استعمال فرمائے اور نہ ہی شیرِ خدا نے کبھی ایسے خطاب سے اپنے آپ کو منسوب کیا بلکہ حضرت صدیق نے تو آپ کے اعزاز کا اعتراف کیا جیسا کہ ابن سماک نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے کہ حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ پلِ صراط پر سے گزرنے کے لیے پاسپورٹ حضرت علی کے ہاتھ میں ہوگا جس کو وہ پاسپورٹ لکھ دیں گے وہ گزرے گا اور جس کو نہ لکھیں گے وہ ہرگز نہ گذرے گا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے فضائل کا رشک کیا ہے جب کہ ابویعلی نے ابوہریرہ سے اور احمد نے بسند صحیح ابنِ عمر سے روایت کی گئی ہے کہ امیر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ علی میں تین خصائل ہیں اور ان میں سے ایک بھی میرے لیے ہوتا تو سرخ جانوروں سے مجھے زیادہ محبوب ہوتا ایک سرور عالم ﷺ کی دختر نیک اختر کا آپ کے نکاح میں ہونا۔ دوسرا مسجد میں سکونت ورہائش تیسرا خیبر کے دن جھنڈا عطا ہونا۔ دیکھیے یہ حضرات شیخین ہیں جو کہ آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں بھلا یہ کب ممکن ہے کہ جس کی تعریف کریں اس کو اپنی خاک نعلین کے برابر قرار دیں الحاصل بمقتضائے انزلوا الناس علی قدر منازلھم ہر ایک شخص کا قدر اس کے منصب کے مناسب کرنا ضروری ہے۔ تو جو الفاظ استعمال ہوئے جنہیں معمولی آدمی بھی اپنی تحقیر سمجھے کیا یہ سب وشتم نہیں۔ ضرور ہے اور بلاشبہ ہے اور اس امر کا مستحق ہے کہ کہا جائے لعنة اللہ علی شرارکم جیسا کہ حدیث ترمذی وغیرہ میں موجود ہے۔

امر پنجم ایسے سب اور بکواس کا حضور پاک ﷺ تک بلکہ ذات پاک وحدہ لاشریک تک پہنچتا

ہے جیسا کہ حدیث مسند اما احمد میں ہے کہ حضور نے فرمایا جس شخص نے علی کو سَب کیا تو اس نے مجھے سَب کیا۔ اور امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے کہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے اصحاب کو سب کیا تو اس نے مجھے سب کیا اور جس نے مجھے سب کیا تو اس نے اللہ تبارک تعالیٰ کو سب کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو سب کیا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے ناک کے بھر آگ میں اوندھا ڈالے گا اور ابو یعلیٰ و بزاز نے روایت کیا ہے کہ حضور پاک نے فرمایا جس نے علی کو ایذا دیا اس نے مجھے ایذا دیا ان احادیث و دیگر ایسے احادیث سے صاف ثابت ہے کہ زید ایسے بکواس سے لعنت کا مستحق ہے جب کہ حدیث ترمذی پہلے منقول ہوئی بلکہ در پردہ بھی حضور پاک کو ایذا پہنچایا گیا ہے ایسے کرنے والے پر نص قرآنی وارد

قال اور میرا ایمان واعتقاد ہے کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام بھی علی بن کر آجائیں تو پھر بھی خلیفہ اول کی جوتی کی خاک کے برابر نہیں جانتا

اقول ناظرین نے دیکھا اس چالباز عدو الرسول کی روباہ بازی اس نے کیسی حیلہ کاری اور مکاری سے اپنی مطلب براری کے لئے کہاں سے کہاں جا پڑا۔ کہاں حضرت صدیق و شیرِ خدا اور کہاں تمام انبیاء اس پھٹو نے اپنی شیخ النجد کی ڈیوٹی کو کیسے ڈھنگ سے ادا کیا قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ○ (سورۃ آل عمران، ۱۱۸)

میں حیران ہوں کہ جب یہی واقعہ علماء کے پیش کیا جاتا ہے تو بڑی سوچ میں پڑ جاتے ہیں کوئی اس کو پاگل و مرفوع القلم بنا کر اس کے سر سے بلا ٹال دیتا ہے اور کوئی صاحب اس کی نیت استفسار کرنے کا حکم دے کر اس کے بارے میں متوقف ہو جاتا ہے لیکن فی الاصل نہ یہ پاگل اور مرفوع القلم ہے اور نہ ہی دریافت کرنے کی ضرورت۔ بلکہ ان عقیلوں سے یہ زیادہ عقیل کیسی دور کی سوجھی اور اپنی تعیناتی کے فرض منصبی کو کیسا ادا کیا۔ اولاً تصویر کے لباس میں ثانیاً اہلِ بیت کے رنگ میں ثالثاً اب انبیاء کرام کے گروہ میں حضور پاک ﷺ کی (خاک بدہنش) کی توہین کی اور اپنے فرض منصبی سے سبکدوشی حاصل کی اور استفسارِ نیت کی ضرورت کیا ہے جب صراحتہ موجود فقہا

کامقولہ مسلمہ ہے الصراحۃ لا تحتاج الی النیۃ

مثال کے طور پر میں ان سے پوچھتا ہوں (بے ادبی معاف لامناقشہ فی المثال) کہ اگر انہوں نے کسی صاحب کے حق میں کوئی بے ادبی گستاخی کر کے کوئی ناشائستہ بکواس کر کے گزرے تو کیا وہاں بھی اس کی نیت دریافت فرمادیں گے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ غضب وقہر کا ایسا جوش دکھائیں گے جس سے زمین وآسمان لرزہ میں آجائیں گے اور تکفیر وتلعین کی ایسی بارش برسائیں گے جس سے شیاطین بھی حیران رہ جائیں گے۔ خدارا انصاف اپنے لیے تو ایسا جوش وجلال اور سرور دوسرا و دیگر انبیاء اکیلے نیت کا سوال۔

غرض ان حضرات کے نزدیک حضور پاک یا دیگر انبیاء کرام کی عظمت صرف اس قدر ہے کہ اگر کوئی انکی تحقیر کے لیے سوق کلام کرے جس سے اور کوئی مطلب ادا کرنا مقصود نہ ہو اور پھر وہ صراحتہ اقرار بھی کرے کہ اس نے یہ الفاظ بنیت توہین کہے ہیں اور اسوقت اسے تحقیر وتوہین کہیں گے ورنہ ہزارون بکواس خداوند عالم یا رسول اللہ ﷺ کے حق میں (خاک بدہن گستاخاں) بکے کفر نہیں ہوسکتا کہ سوق کلام اور مرام کے لیے ہے اور نیت تحقیر پر علم نہیں۔ اور کوئی صاحب کہتا ہے کہ یہ جاہلانہ الفاظ ہیں قابلِ اعتناء علماء نہیں۔ میں کہتا ہوں مانا کہ یہ بکواسی جاہل ہے تو معاف۔ کلا وحاشا

بلکہ حضرت امام قاضی عیاض نے شفا شریف میں لکھا اذلا یعذر احد فی الکفر بالجهالة ولا بدعوی زیل اللسان (شفا شریف، ص۲۲۳)

قولہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام بھی علی بنکر آجائیں یہ جملہ پیغمبران عظام کی صریح توہین وتحقیر اور آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت سید المرسلین خاتم النبین رحمتہ العالمین تک سب کے سب اس سب میں داخل ہیں اس سے ان کی دو طرح کی تحقیر ہوئی ایک انبیاء کرام کو اپنے عالی مناصب نبوۃ سے گرا کر نچلے درجہ میں لایا گیا دوسرا ان کو نچلے درجہ والے شخص کی خاک نعلین سے بھی کمتر بنایا گیا۔

اعاذ نا اللہ تعالی من شرور اعداء الرسول

یہ وہ بکواس ہے کہ جس کا ثبوت نہ قرآن شریف میں اور نہ کسی حدیث میں اور نہ کسی صحابہ نے ایسے کہا اور نہ کسی تابعی نے نہ تبع تابعی نے اور نہ کسی امام مجتہد نے اور نہ کسی عالم مقلد یا غیر مقلد نے اور نہ کسی مشائخ واولیا نے یہ وہ گستاخی ہے جس پر اب تک نہ ابلیس لعین نے اقدام کیا اور نہ ہی فرعون نمرود شداد ابوجہل وراجپال نے اور نہ ہی ایسی گستاخی دجال ملعون جرات کر سکے گا۔ گستاخی اور بے ادبی میں اس پارٹی کا نمبر سب سے اول ہے

قال المستفتی کیا کتاب اللہ وحدیث شریفہ اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک زید کا بیان کردہ اعتقاد درست ہے یا نہ؟

اقول زید بکواسی کے بکواس اور اُس کا یہ اعتقاد بد بنیاد کتاب اللہ واحادیث رسول اللہ و اجماع عباداللہ کے بلکہ اسلام کے صریح مخالف ہے۔ اب ہم چیلنج دیتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ سے اعلان دیتے ہیں کہ جن تین امور کا زید نے دعوی کیا ہے (۱) حضور پاک ﷺ کی تصویر پر۔۔۔کرنا (۲) حضرت علی کا حضرت صدیق کی خاک نعلین سے کمتر ہونا (۳) تمام ابنیاء کا ایسا ہونا ان میں سے کسی امر پر کوئی آیت صریح الدلالہ یا حدیث صحیح السند یا قول ائمہ مجتہدین یا اولیاء محققین پیش کرے فاتو بالشھداء اوھا تو ابرھانکم ان کنتم صادقین

قال المستفتی اور اگر نہیں تو زید اور اس کے اس اعتقاد تصدیق کرنے والے کے اور نیز توہین اول کے متعلق اصرار کرنیوالے اور زیادہ استخفاف کرنے والے کے لیے شرعاً کیا حکم عائد ہوتا ہے

قول و بدا حول و علی اعدائه اصول یہاں تین امور قابلِ دریافت ہیں۔ (۱) حضور پاک ﷺ کی تصویر کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو مذکور ہوا (۲) حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اقتدار واحترام میں جو بکواس ذکر ہوا۔ (۳) تمام انبیاء کرام علیہم الصلوۃ السلام کے حق میں وہ گستاخی جو ذکر ہوئی۔ ان ہر سہ بکواس کی نسبت قبل ازیں حسب گنجائش وقت تھوڑا تھوڑا ذکر ہوا۔ ان ہر سہ نمبرات میں حضور پاک ﷺ کی توہین مضمر اور نمبر ۲ میں حضرت شیرِ خدا کی اور نمبر ۳ میں انبیاء علیہم اسلام کی تحقیر مظہر جیسا کہ قبل ازیں یہ تمام تذکرہ ہو چکا۔ یہاں صرف ان امور کے

مرتکب اور اس کے معاونین کی نسبت حکم شرعی بیان کرنا ہے جس کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

سب سے پہلے یہ بات واجب التسلیم ہے کہ تمام مخلوقات سے چیدہ و برگزیدہ اعلیٰ و اکرم عند اللہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور ان تمام میں سے حضور پاک ﷺ نہایت مکرم و افضل ہیں جیسا کہ تمام خلائق میں سے حضور پاک ﷺ کا مساوی نہیں اسی طرح حضور پاک ﷺ کی امت تمام امم سے افضل و اکرام اور حضور پاک ﷺ کی تمام امت میں سے صحابہ کبار و اہلِ بیت پاک کا کوئی بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ان میں سے مدارج کے رو سے خلفاء اربعہ کا تفاضل مطابق خلافت متفق علیہ اہلسنت والجماعت ہے لیکن فضل جزی ہر ایک کا بحال۔ قرآن شریف میں انبیاء کرام کے فضائل عموماً اور حضور پاک ﷺ کے مناقب خصوصاً مذکور اسی طرح صحابہ کبار و اہلِ بیت پاک کے مناصب مسطور۔ حضرت شیرِ خدا آیات شرف صحابہ و اہلِ بیت دونوں کے عموم میں داخل اور آیات مخصوصہ کے محمل۔ اب جس کی خود خداوند عالم جل وعلا شانہ اپنی پاک کلام میں تعریف کرے اس کے واجب الاقتدار و لازما الاحترام ہونے میں کون شک کرسکتا ہے قرآنِ پاک نے حضور کے حقوق و آداب کا لحاظ ضروری قرار دیا ہے چنانچہ ہر ایسے لفظ کا اطلاق بھی حضور کے حق میں ممنوع قرار دیا جس کے ایہام توہین ہو گو متکلمین کی نیت نہایت ہی صاف اور مقصد عجز و نیاز بھی کیوں نہ ہو مثلاً (راعنا) چونکہ اس لفظ سے دشمنانِ دین کچھ اپنے مطلب نکالنے کی گنجائش بھی ہو خداوند عالم نے مسلمانوں کو ایسے لفظ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کہنے سے روک دیا اور حکم ہوا کہ اس کے بجائے انظرنا کہو مسلمانوں کو حکم ہوا جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو ایسے رسول اللہ ﷺ کو مت پکارو۔ اور حکم ہوا کہ اے مسلمانو تم اپنے آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کی آواز پر بلند نہ کیا کرو رنہ تمہارے عمل حبط ہو جائیں گے اور حکم ہوا کہ جو لوگ آپ کے دروازہ پر آ کر چلاتے ہیں اور بلاتے ہیں اکثر جاہل ہیں۔ اگر دروازہ پر بیٹھ جائیں اور آپ کے حسب مرضی خود نکلنے تک صبر کریں تو ان کے لیے بہت اچھا کام ہے۔ یہ ہیں قرآنی آداب جن سے حضور ﷺ کا ادب منصوص یہ بھی قرآنی تعلیم ہے حضورَ پاک کو ایذا اور تکلیف دینا موجب لعنت دارین ہے۔ حضرت امام قاضی

عیاضؒ نے شفاء شریف جلد دوم میں لکھا ہے کہ پہلے کتاب و سنت و اجماع امت ہے کہ آنحضرت ﷺ کے جو حقوق واجب ہیں اور جو آپ کی نسبت نیکی تو قیر عظمت و اکرام ضروری ہے مذکور ہو چکا ہے اور اسی مقدار کے موافق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپ کو تکلیف دینا حرام کر دیا ہے اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ جو مسلمان آپ کے شان میں نقصان بتلائے اور آپ کو سب بکے بُرا کہے اس کو قتل کر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بیشک وہ لوگ جو رسول اللہ ﷺ کو ایذا و تکلیف دیتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور اُس کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ انتہی۔ محمد بن سحنون کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گالی دینے اور آپکی شان کی تنقیص کرنیوالا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کے ساتھ وعید ہے امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کا ہے اور جو شخص اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (شفاء شریف ص ۲۰۸)

اب یہاں محض معاونین ایذا اس کیطرف سے یہ تاویل کریں گے کہ یہ کلمات اُس کی لغزش زبان سے خطاً و بلا اختیار صادر ہوئے ہیں جس سے وہ شرعاً قابلِ مواخذہ نہ ہوگا۔ اس کا جواب دو طرح سے دیا جاتا ہے (اول) یہ عذر از قبیل تا ویل القول مالیرضی به القائل ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ کیونکہ بعد اختتام وعظ جب اس کو اس بکواس کیوجہ سے ملامت کیا گیا تو اس نے کوئی ندامت ظاہر نہ کی اور نہ اپنی غلطی کا اقرار بلکہ اسی بے ہودہ بکواس پر اصرار کا اظہار کیا اور اس کے ثبوت پر گوسالہ سامری کا واقعہ پیش کیا جس سے صاف ثابت ہے اسمیں کوئی لغزش زبانی یا خطالسانی نہیں بلکہ سوچکر دیدہ و دانستہ یہ گستاخی کی ہے۔

(دوم) بالفرض مانا کہ زبانی لغزش سے یہ الفاظ اُس کے منہ سے نکلے مگر تاہم مواخذہ شرعیہ سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا اور بعض صاحبان زید کے جانبداران اُس کی مخلصی کا یہ حیلہ سازی ورد بادہ بازی کریں گے کہ اس کلام سے اس کا مقصد حضورِ پاک ﷺ کی توہین کا نہیں بلکہ پہلی صورت میں تصویر کی تحقیر اور دوسری و تیسری میں صدیق اکبر کا علو شان منظور ہے اس کا جواب بھی دو طرح

سے دیا جاتا ہے (اول) الفاظ شتم وسب میں شاتم کی نیت کو کوئی دخل نہیں ورنہ ہر شاتم کہہ سکتا ہے ان الفاظ سے میری مراد شتم کی نہیں تو کیا ایسے کہنے سے وہ بری ہو سکتا ہے ہرگز نہیں شفاء شریف صفحہ ۲۲۲ میں ہے یا بے وقوفی کی باتیں کرے یا بری باتیں کرے اور آپ کی جناب میں ناشائستہ کسی قسم کے الفاظ کہے اگرچہ اُس کے دلالت حال سے معلوم ہو جائے کہ اس نے آپکی مذمت و سب کا ارادہ نہیں کیا یا تو اس کی جہالت نے ان الفاظ کے کہنے پر اس کو برانگیختہ کیا یا کسی پریشانی یا ستی نے اس کو مجبور کیا یا زبان کی بے لگامی نے یا کلام کی دلیری نے اس سے یہ اقدام کرایا پس اس قسم کا حکم پہلے قسم کا ہے کہ بدون توقف کے قتل کیا جائے کیونکہ کوئی شخص کفر میں جہالت اور زبان کی لغزش یا اور کسی وجہ سے جسکا ہم نے ذکر کیا ہے موزوں نہیں سمجھا جاتا۔

اور شفاء میں ہے کہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں ناشائستہ الفاظ کہے تھے پھر کہنے لگا کہ میری مراد رسول اللہ ﷺ سے بچھو ہے تو جب یہ مسئلہ ابن ابی سلیمان سے کسی نے پوچھا تو انہوں نے کہا اس سائل کو اس معاملہ کا گواہ بنا کر اس کے قتل کا ثبوت دیا۔ اور حبیب بن ربیع نے کہا ہے لان ادعاء التاویل فی لفظ صراحٍ لا یقبل لا نه امتهان و هوغیر معزز لرسول الله ﷺ ولا موقر له فوجب اباحة دمه۔ (الشفاء، ص ۲۰۹)

(دوم)، مانا کہ اس کی نیّت ان بکواسوں سے نہ حضور پاک ﷺ کی توہین تھی اور نہ ہی شیرِ خدا و انبیاء کرام کی تحقیر۔ مگر ایسی توہین کے مقام میں آپکا و نیز دیگر حضرات کا ذکر کرنا بھی داخل توہین ہے۔ اس کے چند نظائر ذکر کیے گئے جاتے ہیں (۱) ابنِ حاتم طلیطلی متفقہ نے جب دوران مناظرہ میں حضور پاک ﷺ کو یتیم اور حیدر کا خسر کہا اور آپ کے زہد کو غیر اختیاری قرار دے کر کہا کہ اگر آپ کو طیبات میسر ہوتے تو کھا لیتے وغیرہ ایسے ناشائستہ الفاظ کہے تو فقہاء اندلس نے اس کے قتل کرنے اور سولی پر لٹکا دینے کا حکم دے دیا تھا۔ (شفاء شریف ص ۲۱۰ جلد دوم)

(۲) قاضی ابوعبداللہ بن مرابط نے کہا ہے کہ جو شخص ہزیمت اور شکست کو حضور ﷺ کی طرف نسبت کرے اس کو اس بکواس سے توبہ کرانا چاہیے اگر توبہ نہ کرے تو اس کو قتل کیا جائے کیونکہ

اس میں بھی تنقیص ہے جو بالخصوص حضور پاک ﷺ پر اس کا اطلاق ناجائز کیونکہ آپ کو کمال بصیرت اور اپنی معصومیت کا یقین تھا۔(شفاء، ص ۲۱۱)

(۳) مالک بن نویرہ نے جب حضور پاک کو صاحبکم سے تعبیر کیا یعنی تمہارا صاحب تو خالد بن ولید نے اسکو قتل کر دیا یہ زمانہ خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا کسی نے حضرت خالد کے اس فعل پر انکار نہ کیا۔(شفاص ۲۰۸)

(۴) ایک شخص کو کسی نے فقیری کی عار دلائی تو اس نے کہا کہ تو مجھے فقر کی عار دلاتا ہے حالانکہ نبی ﷺ نے ریوڑ چرایا ہے تو امام مالک نے فرمایا کہ اس نے بے شک نبی ﷺ کا ذکر بے محل کیا ہے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو سزا دیجائے۔(شفاص ۲۳۱)

(۵) عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص سے کہا کہ ہمارے لیے ایک ایسا کاتب تلاش کرو کہ جس کا باپ عربی ہو تو کاتب نے کہا کہ نبی ﷺ کا باپ کافر تھا تو انہوں نے کہا کہ تم نے یہ مثال دی تو کبھی میری کتابت نہ کیجیو۔(شفاص ۲۳۱/۲۳۴)

(۶) جو شخص حضور پاک ﷺ کے موئے مبارک کو صیغہ تصغیر سے ذکر کرے مثلاً شُعَیر تو بعض اس کو مطلقاً کافر کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں اگر اہانت کے طریق پر کہا تو کافر ہے ورنہ (مثلاً محبت اور پیار سے کہے) تو کافر نہ ہوگا (فتاوی عالمگیر جلد دوم، ص ۴۱۱)

(۷) اگر کسی نے کہا کہ حضور پاک ﷺ کی چادر یا قمیض کی گھنڈی میلی ہے اور اس سے ارادہ آپ پر عیب لگانے کا ہے تو قتل کیا جاوے یہ فتوی امام مالک کا ہے۔(شفاء ۲۰۹)

(۸) ایک شخص نے کسی کے برخلاف گواہی دی تو اس مشہود علیہ نے کہا کہ تو مجھے تہمت لگاتا ہے تو دوسرے نے کہا کہ انبیاء تہمت لگائے گئے تیرا کیا حال ہے۔ شیخ ابو اسحاق بن جعفر ایسے شخص کے قتل کو واجب کہتے ہیں کیونکہ اس کا ظاہری لفظ برا ہے اور قاضی ابو محمد بن منصور اس کے قتل میں توقف کرتے ہیں۔ لیکن اس کو قید کرنے میں تشدد کیا ہے اور اس کو دیر تک قید رکھنے کا حکم دیا ہے۔(شفاء مختصراً ص ۲۲۷/۲۲۸)

(۹) ایک شخص کا نام محمد تھا اسکو کسی دوسرے نے کوئی بیہودہ بات کہی اور پھر اپنے کتے کو پاؤں سے مارا اور کہا کہ اے محمد اٹھ کھڑا ہو اب اس کو قاضی ابو عبداللہ بن کی خدمت میں (جبکہ وہ عہدہ قضاء پر مامور تھے) لایا گیا اس شخص نے ان بکواسوں سے انکار کر دیا۔ تو اس پر شہادت طلب کی گئی شہادت مکمل نہ گزرنے کی وجہ سے اس کو پہلے قید میں رکھا گیا پھر اس کو کوڑے مار کر چھوڑ دیا گیا۔ (شفاء، ص ۲۲۸)

(۱۰) مالقہ کے قاضی نے کسی عورت کو رات کے وقت قسم دی تھی اس پر کسی شخص نے انکار کیا اور کہا کہ اگر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی بھی ہوتی تو اس کو دن میں قسم دی جاتی۔ بعض فقہاء نے اس کے قول کو صواب قرار دیا اور امام ابو المطرف شعبی فقیہ مالقہ نے کہا کہ اس شخص نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی نسبت ایسی بات کہی ہے کہ جس پر ضرب سخت اور دیر تک قید میں رہنے کا ضروری مستحق ہے فقیہہ کہلانے سے۔ اور اس بارہ میں اس کو مشہور کرنا چاہیے اور اس کو جھڑکا جائے اس کا فتویٰ قبول نہ کیا جائے نہ اس کی گواہی لی جائے اور یہ اس میں جرم ثابت ہے اور اس سے اللہ کے لیے بغض رکھا جائے۔ (شفاء جلد دوم، ص ۲۹۴)

علی ہذا القیاس ایسے وقائع و نظائر کتب حدیث و اخلاق میں ہزاروں موجود الا بخوف طوال موجب ملال طبع قارئین کرام اسی پر اکتفاء ہوا۔ اہلِ دین و انصاف کے لیے تو یہی کافی تعصب اور عناد مرض لاعلاج ہے۔

غرض ہر معزز محترم عنداللہ کا خصوصاً اہلِ بیت پاک و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و انبیاء عظام علیہ السلام سید الکائنات و مفخر الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام کا بے محل و بے موقعہ بلکہ خاص اہانت و استخفاف کے سیاق میں ذکر کرنا خاص سب و شتم ہے جیسا کہ نظائر مندرجہ بالا سے صاف مبرہن۔

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ اگر زید نے بکواسات مندرجہ سوال دیدہ دانستہ کہے جب کہ اس ناپاک پارٹی کا رویہ ہے اور مشورہ و منصوبہ سے یہ کام کیا ہے پھر تو یہ شخص مرتد واجب القتل غیر مقبول التوبۃ جیسا کہ در المختار علی ہواش رد المختار جلد ۳ ص ۳۰۰ میں ہے وکل مسلم ارتد فتوبتہ

مقبولة الاجماعة من تكرمردته علی مامر والکافر بسب النبی صلی الله علیه وسلم من الانبیاء فانه یقتل حداً ولا تقبل توبته مطقاً انتہی یعنی جو مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے۔ مگر ایک جماعت کی جن میں ایک تو یہ ہے کہ بار بار مرتد ہو جائے اور دوسرا وہ جو کسی پیغمبر علیہ السلام کے حق میں سب بکنے کیوجہ سے کافر ہو تو اس کو حد میں قتل کیا جائے اور توبہ بھی مطلقاً مقبول نہ ہوگی اور شفاء شریف جلد ۲ ص ۲۰۶ میں ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کو گالی دے یا کوئی عیب لگاوے یا تنقیص شان کہے آپ کی ذات میں یا کسب میں یا دین میں یا پنی کسی مصیبت میں یا اشارہ کرے یا آپ کو کسی چیز سے بطریق گالی تشبیہ دے یا آپ کی نا احترامی کرے یا آپکی شان کی تصغیر کرے یا آپ کے عیب لگائے تو یہ شخص آپ کو سب بکنے والا ہے اور اس کا حکم سب بکنے والے کا ہوگا جیسا کہ ہم اس کو بیان کریں گے اور اس کے کسی فعل کو اس مقصد میں ہم مستثنیٰ نہ کریں گے اور نہ ہم اس میں شک وتردد کریں گے یہ گالی صراحتہً ہو یا کنایتہً ہو۔ اور ایسا ہی جو شخص (نعوذ باللہ) آپ پر لعنت کرے یا بددعا دے یا کسی ضرر کی آپکے لیے آرزو کرے یا آپ کیطرف وہ شے منسوب کرے جو آپ کے شان کے لائق نہ ہو بطریق برائی کے یا آپ کے جناب میں سخیف یا بے ہودہ یا بری بات اور جھوٹ بولے یا آپ پر جو تکالیف آتی رہیں ان کی عار دلائے یا آپ میں بعض عوارض انسانیہ جائزہ ومعہودہ ہے آپکو معیوب سمجھ کر الزام لگائے اس پر تمام علماء وااماماں مفتیان کا اجماع واتفاق ہے صحابہ کرام کے عہد سے جہاں تک چلے جاؤ ابو بکر بن منذر کہتے ہیں کہ عام اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کو گالی دے وہ قتل کیا جائے اور جن علماء نے یہ بات کہی ہے کہ وہ مالک بن انس لیث احمد اسحاق ہیں اور یہی مذہب امام شافعی کا ہے اور قاضی ابوالفضل کہتے ہیں کہ یہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول کا مقتضیٰ ہے ان سب کے نزدیک اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔ اور اس طرح امام ابوحنیفہ اور اس کے شاگرد سفیان ثوریؒ واہلِ کوفہ واوزاعی مسلمانوں کے بارہ میں کہتے ہیں۔ لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ارتداد ہے اور اس طرح ولید بن مسلم نے امام مالک سے روایت کی ہے اور طبری نے اس طرح امام ابوحنیفہ اور

انکے شاگرد نے اس شخص کے بارہ ہمیں روایت کی ہے کہ جس نے آنحضرت ﷺ کی کسرِ شان کی یا آپ سے بری ہوا یا آپ کو جھٹلایا آہ پھر لکھتے ہیں کہ محمد بن سحنون نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت ﷺ کو گالی دینے والا آپ کی تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس پر خدا کے عذاب کی وعید جاری ہے۔ امت کے نزدیک اس کا حکم قتل کرنا ہے اور جو شخص اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

ابراہیم بن حسین بن خالد فقیہہ ایسے شخص کے بارہ میں حضرت خالد بن ولید کو پیش کیا ہے کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو اس لیے قتل کیا تھا کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی نسبت صاحبکم کہا تھا۔ ابوسلیمان خطابی کہتے ہیں کہ میں مسلمانوں میں سے کسی کو اس کے قتل کے ضروری ہونے میں مخالف نہیں جانتا تھا جبکہ وہ مسلمان ہو انتہی اور اگر ایذا کی غرض ان کلمات سے صرف تصویر کی حرمت و صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رفعت شان تھی اور انبیاء کرام یا شیرِ خدا یا حضور پاک ﷺ کی ذکر ضمناً آ گیا جیسا کہ محض مؤلین کا اقتباس ہے اور ہم بھی کہتے ہیں خدا کرے ایسا ہی ہو تو ایسے حالت میں زید قتل سے تو بچ سکتا ہے لیکن سزا سنگین کا پھر بھی بدستور مستحق اور توبہ لازم اب اگر توبہ سے انکار کرے تو واجب القتل۔ ۔۔اور سزا قاضی کے رائے پر منحصر ہے جو تجویز کرے۔ بہرصورت یہ بکواس خالی جانے کے نہیں۔ جیسا کہ شفاء شریف میں ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ لیکن وہ شخص جس کے حق میں یہ بات (آپکو گالی دینا) ثابت نہیں ہوئی بلکہ ایک شخص نے یا غیر معتبر لوگوں نے گواہی دی ہو یا اسکا قول ثابت تو ہوا ہے لیکن اس میں احتمال ہے کیونکہ صاف طور پر نہیں اور ایسا ہی اگر اس نے توبہ کر لی اس قول کے جس میں اس کو قابل قبول توبہ قرار دیا گیا ہے تو ایسے شخص سے قتل موقوف ہوگا اور اس پر امامِ وقت کا اجتہاد مسلط ہوگا جو ان امور کے لحاظ کے مطابق ہوگا امور ذیلہ کو مدنظر رکھ اس کی سزا تجویز کرے گا۔ (شفاء شریف جلد ۲، ص ۲۴۹)

(۱) اس معاملہ کی شہرت کیسی ہے (۲) اس پر گواہی زبردست ہے یا ضعیف (۳) اس سے ایسے بکواس عموماً ہو جایا کرتے ہیں (۴) کیا دین کے معاملہ میں سفاہت اور بے باکی سے متہم ہے

۔اب جس کا معاملہ زبردست ہو اس کو سخت سزا دے گا۔یعنی سنگین قید خانہ زنجیروں میں سخت جکڑ دینا جہاں تک کہ اس کی طاقت کی انتہائی انتہا ہو اتنا ہے کہ ضرورت کے لیے کھڑے ہونے کو نہ روکے اس کو نماز کے قیام میں ہارج نہ ہو اور یہی ہر اس شخص کا حکم ہے کہ جس پر قتل واجب ہے لیکن اس کے قتل کو دوسرے معنی کے لحاظ سے موقوف رکھا جائے جو اس کو ضروری بناتا ہے اور اس کے معاملہ میں تاخیر کی جاتی ہے کیونکہ اس میں ایک مانع ہے جس کو اس کا حال متقاضی ہے۔سزا میں سختی کے حالات اس کے حال کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جایا کرتے ہیں۔اور ولید نے امام ملک داوزاعی سے روایت کیا ہے کہ یہ ارتداد ہے تو جب توبہ کرے تو اس پر سزا نہیں۔اور ابوعبداللہ بن عتاب نے اس شخص کے بارہ میں کہ جس نے نبی ﷺ کو گالی دیں اور اسپر دو گواہ گزرے ان میں سے ایک گواہ عاقل تھا یہ فتویٰ دیا تھا کہ اس کو درد اور رنجدہ سزا دی جائے اور لمبی قید یہاں تک کہ اپنی توبہ ظاہر کرے اور قاضی نے اس طرح کیا ہے۔اور جس شخص کا آخری معاملہ قتل ہو پھر کوئی مانع آجائے جو اس کے قتل میں اشکال پید کر دے تو اس کو قید سے چھوڑنا چاہیے بلکہ دیر تک قید میں رکھنا چاہیے اگرچہ اس کی اتنی مدت ہو کہ وہ اس مدت تک ٹھہر نہ سکے اور اس پر زنجیر اس قدر ڈالے جائیں کہ وہ اٹھا سکے۔اور اس طرح اس شخص کے بارہ میں اس نے کہا ہے کہ کہ جس کا معاملہ مشکل ہو جائے تو اس کو زنجیر میں سخت باندھا جاوے اور اس طرح اس شخص کے بارہ میں اس نے کہا ہے کہ جس کا اس کا حال معلوم ہو جاوے (سزا یا قتل یا چھوڑ دینا) اور دوسرے ایسے مسائل میں اس طرح کیا ہے اور سوا کھلی بات کے خون نہیں کیا جاتا۔اور بے وقوفوں کے لیے کوڑوں اور قید خانہ کی سزا ہوتی ہے اور سخت سزا دی جایا کرتی ہے اور جس پر سواء دو گواہوں کے اور کوئی گواہ نہ گزرا اور مجرم نے ان دونوں کی عداوت ثابت کر دی یا ایسی جرح کی جس کے ان دونوں کی شہادت ساقط کر دی اور یہ بات سواء ان دونوں کے دیگر کسی نے بیان نہیں کی تو ایسے شخص کا معاملہ خفیف ہے کیونکہ اس سے یہ حکم ساقط ہو جائے گا تو گویا اس پر شہادت ہی نہیں گزری مگر اس صورت میں کہ مجرم اس کے لائق ہے اور گواہ مشہور ہوں پھر ان دونوں کی گواہی کو عداوت کی وجہ سے ساقط کرنا چاہتا ہے سو

اگر چہ ان کی گواہی ہے اس پر حکم جاری نہ ہوگا لیکن ان کی سچائی کو یہ بدظنی دور نہ کرے گی اور حاکم کے لیے اس کی سزا دینے میں اجتہاد کا موقعہ ہے اور اللہ تعالیٰ راہ نمائی کا مالک ہے انتہیٰ۔

یہ تمام ماجرے تو صرف حضور پاک ﷺ وانبیاء عظام کے گستاخی کرنے کے تھے اب رہا حضرت شیرِ خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حق میں جو اس نے بے ادبی کی ہے واقعی یہ الفاظ نہایت توہین کے ہیں ایسے الفاظ کسی عام اور معمولی مسلمان کے حق میں بھی کہیں وارد نہیں ہوئے چہ جائیکہ ایسی چیدہ و برگزیدہ ہستی جو کہ شرف صحابیت واہلِ بیت ہونے سے مشرف حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے قبلہ کی طرف تھوکا آپ نے فرمایا کہ اس نے خدا اور اس کے رسول کی توہین کی ہے آئندہ یہ شخص کبھی کسی نماز کی امامت نہ کرائے اور فقہاء شامی وغیرہ لکھتے ہیں حرمة المسلم الواحد ارجح من القبلة اور خود خداوند فرماتا ہے وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (سورة منافقون، ۷) تو جب ایک مسلمان کی اس قدر عنداللہ احترام ہے تو ایسے جلیل القدر اصحاب اہلِ بیت اور مقتداء اسلام کو خاک نعلین سے نسبت بلکہ اس سے کمتر کہہ دینا کیسی توہین وتحقیر بلکہ سب ودشنام ہے شفاء قاضی عیاض کے اخیر میں ہے کہ جو شخص اس آدمی کو سب کرے جس کو اہلِ بیت سے نسبت ہے تو اس کو دردناک مار دینی چاہیے اور اس کو مشہور کیا جائے اور دیر تک قید میں رکھا جائے حتیٰ کہ اس کی توبہ ظاہر ہو کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں خفت ہے انتہیٰ۔ وللہ الھادی

الحاصل زید اپنے بکواس میں تین معزز محترم عنداللہ ہستیوں کی توہین کی ہے اور ہر ایک توہین کی اس کو علیحدہ علیحدہ سزا دینی چاہیے لیکن یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اقامت حدود و تعزیرات ہر ایک کا کام نہیں ہے بلکہ حاکم وقت یا جو اس کیطرف سے اس کام کے لیے تعینات کیا گیا وہ منجانب حاکم۔ ہاں البتہ اقدام جرم کے وقت اگر کوئی مسلمان اس پر قادر ہو جائے تو تعزیز دے سکتا ہے اور وہ وقت گزر گیا تو پھر سوائے حاکم سے اقامت تعزیر ناممکن جیسا کہ در المختار جلد ۳ ص ۱۸۶ میں ہے ویقیمه كل مسلم حال مباشرة المعصية قنية وفلما بعده فليس ذلك تغير الحاكم یعنی ہر مسلمان تعزیر کی اقامت کر سکتا ہے بوقت اقدام جرم کے اور اس کے

بعد سوائے حاکم کے دوسرا کوئی نہیں کر سکتا۔ اور شامی میں ہے کہ اگر اس نے اس مجرم کو اس وقت تعزیر دی جبکہ وہ اس جرم کے ارتکاب میں مشغول تھا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ نہی عن المنکر اور نہی عن المنکر کے تمام مسلمانان مامور ہیں۔ اور اگر فراغت کے بعد تعزیر دی تو یہ نہی میں داخل نہیں ہے کیونکہ جو فعل گزر جائے اس سے نہی ناممکن تو یہ سوائے امام کے دیگر کوئی نہیں کر سکتا۔

اب زید اور اس کے ہم خیال تمام کے تمام اس جرم میں شریک اور مساوی الحال لیکن دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ وقت میں حکومت غیر مسلم ہے جس نے ایسے لوگوں کو ایسے گستاخی و بے باکی کی جرات دلائی تمام مسلمانان ایسے لوگوں کو سزا دینے اور دلانے سے بے بس ہیں۔ ہاں البتہ ایسے معاملہ میں قانونی سزا بھی متصور ہے ممکن ہے کہ کوئی حاکم شرع اہل انصاف درد دل رکھنے والا غیرت مند اس معاملہ کو محسوس کر کے دفعہ ۵۰۴ تعزیرات ہند میں لا کر زید اور اس کے ہم خیال پارٹی کو سزا مناسب دے کر کیفر کردار تک پہنچائے۔ کسی لائق بارسٹر وکیل مسلم سے مشورہ لے کر اس کام کو چلانا تمام غیور مسلمانان کا فرض اولین ہے۔ حضور پاک ﷺ کی شان عالی میں ایسی گستاخیاں اور بے ادبیاں سن کر مسلمانان کو چپ چاپ بیٹھنے کا کوئی حق نہیں بلکہ غیرت اسلامی کی رگ کو جنبش دے کر تمام اہلِ اسلام اتفاق کر کے حضور پاک ﷺ کے حقوق کی حفاظت کے لیے سرگرم ہو جائیں اور قانونی حدود کے اندر رہ کر خوب مقابلہ کریں اولاً تو مقدمہ میں ہر ایک مسلم چارہ جو اور مدعی اور اس مقدمہ کے مصارف کے تمام اہلِ اسلام متکفل۔ اور اس مقدمہ کو انتہائی مدارج تک پہنچانا چاہیے۔

اگر خدانخواستہ مقدمہ چل نہ سکے مگر اہلِ اسلام میں اتنی جرات نہ ہو کہ اسکو چلائیں تو کم از کم اخیری اور نچلا درجہ امر معروف کا بائیکاٹ اور قطع تعلقات ہے خداوند عالم جل شانہ کا خاص ارشاد ہے فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ○ (سورۃ الانعام، ٦٨) ان سے تمام تعلقات قطع کر دیے جائیں اگر امام ہیں تو امامت سے معزول اور اگر کسی مکتب اسلامیہ کے مدرس ہیں تو ان کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے نہ اس سے کلام نہ سلام اور نہ نشست و برخاست غرض کسی مجلس اسلامی میں ان کو ہرگز نہ آنے دیں۔

ضیاء شمس الانوار
فی تحقیق
سماع الابرار وَالفجار

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

الحمد اللہ رب العلمین ۔ والعاقبة للمتقین۔ و الصلوۃ السلام علی سید المرسلین رحمتہ للعلمین محمد و علیٰ الہٖ واصحابہ و اولا دوہ اجمعین ۔اما بعد مسکین احمد الدین بن الشیخ غلام علی الحنفی الچشتی السیالوی عرض پرداز ہے کہ ان دنوں میں ایک رسالہ موسومہ بہ خیر النواہی فی حرمتہ الملاہی مولفہ مولنا ،مولوی محمد عین القضاۃ حیدرآبادی بذریعہ بعض احباب بخدمت اقدس سلطان التارکین بُرہان العارفین امام السالکین قدوۃ الواصلین ورثۃ الانبیاء و المرسلین ملجاء الغرباء و المساکین امیر الامراء و السلاطین دلیل المتحیرین انیس المضطرین غوث زمان قطب العالمین سید العلماء سند الاولیاء الکاملین زبدۃ المحققین عمدۃ المدققین قبلۂ عالم منظور حق حافظ الملتہ والدین حاجی الحرمین الشریفین سید المجاہدین غازی الاسلام حامی المسلمین سیدنا وسندنا مولانا ومرشدنا حضرت غازی حافظ شیخ الاسلام خواجہ محمد ضیاء الحق والدین ادام اللہ تعالیٰ برکاتہم وفیوضاتہم علینا وعلیٰ سائر المستر شدین الی یوم الدین آمین یارب العالمین مسند آرائے بلدہ طیبہ سیال شریف کے پہنچا۔ حضور ممدوح نے اُس رسالہ کا جواب تو سردست جناب منشی غلام حیدر صاحب (جو کہ ایک لائق فائق چیدہ برگزیدہ روزگار ہیں۔ اور مدرسہ شریفہ ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کا محرر ہونے کے علاوہ تمام کاروبار نوشت وخواند اور لنگر شریف کے املاک کی غورو پرداخت انہیں کے سپرد ہے) کو بلا کر مطابق تحقیق رئیس المحققین فخر المدققین جناب شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے لکھوا کر ارسال فرما دیا۔ خود حضور مدارج النبوت کو مدِ نظر رکھ کر تقریر فرماتے رہے۔ اور منشی صاحب موصوف تحریر میں لاتے گئے ۔ چنانچہ حدیث میں رسالہ تیار ہو گیا۔ جو سراپا احقاق حق وابطال باطل مجسم تھا۔ اُس کے ہوتے ہوئے سالکین مسالک علیہ و عارجین معارج رفیعہ کو اپنے معمولات میں رکاوٹ پیدا نہ ہوگی۔ اور نہ ہی مخالفین کو اس کے برخلاف دم مارنے کی طاقت رہے گی۔ حضور قبلۂ عالم کا ارادہ مبارک تو اس مسئلہ میں لکھنے کا بہت کچھ تھا۔ الا مشاغل ضروریہ نے اس قدر فرصت دینے سے انکار کیا۔ لہٰذا اس ناچیز بے بضاعت کم استطاعت کو رسالہ

خیر النواہی مذکورہ کی تردید کا ارشاد فرمایا تا کہ مخالفین گیدڑ کا پروانہ ہاتھ میں لے کر صوفیہ کرام کو ستاتے اور اہلِ حق کی ایذا رسانی کے گیت نہ گاتے پھریں۔ گو میری حیثیت اور لیاقت تو اتنی نہ تھی کہ ایسے بارِ گراں کا بوجھ پر سر پر اُٹھاؤں۔ جیسا کہ خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

آسماں بارِ امانت نتو انست کشید

قرعہ فال بنامِ من دیوانہ زدند

خصوصاً وہ مسئلہ جس کی تنقید پہلے وہ مبارک ہستیاں فرما چکی ہیں جو کہ علوم معقولہ و منقولہ کے ماہر ہونے کے علاوہ دریائے معرفت کے اعلیٰ شناور ہیں۔ گویا مجمع الا بحار ہیں۔

پائے من لنگ است و مرل بس دراز

دستِ من کوتاہ خرما بر نخیل

مگر مقتضاء المامور مجبور ارشاد واجب الانقیاد کی تعمیل میں ہوشیار ہمت باندھ لی۔

ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم یہ خام تحریر اس رسالہ کی جس کو حضور قبلہ عالم نے تالیف فرمایا تفسیر ہے۔

میں امید کرتا ہوں بلکہ یقین سے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ با امدادِ ظاہری و باطنی آں قبلہ دو جہاں کے اللہ تعالیٰ جل جلالہ مجھے اس کارِ عظیم میں کامیابی اور سرفرازی بخشے گا۔

بلبل از فیضِ گل آموخت سخن ورنہ نبود

ایں ہمہ قول وغزل تعبیہ در منقارش

اور اس رسالہ کو جو محض بغرض اِحقاقِ حق لکھا گیا ہے۔ زیور مقبولیت پہنائے گا۔

فعلی اللہ توکلت والیہ انیب اس رسالہ کا نام ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار رکھا ہے۔ اس کی تحریر کو کتب معتبرہ متفرقہ سے امداد لی گئی ہے۔ الا دو کتابیں جو کہ دو جلیل القدر فاضلوں کی تصنیف ہیں جن کی رفعت و جلالت اظہر من الشمس ہے بمقتضاء فرمان واجب الاذعان تو اس کی تعیین قبل از استدلال ضروری تھی۔ کیونکہ منجملہ شرائط صحت دعوے تعیین مدعا بھی ہے۔

جیسا کہ عامہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور کتب مناظرہ میں بخوبی مذکور ہے۔ بہر حال یہ دعوی جنابکا نہ شرعاً قابلِ سماعت ہے اور نہ رواجاً۔ اب اس مسلہ کی تحقیق بنا بر اقوال محققین کے کی جاتی ہے۔ جس سے حقیقت منکشف ہو جانے کے بعد معلوم ہو جائے گا انشاءاللہ تعالی کہ فاضل معاصر نے کس قدر گستاخی اور بے باکی سے کام لیا ہے۔ وباللہ التوفیق

ببانگِ دہل بگو نیم آں حکایتہا

کہ از نہفتن اودیگِ سینہ میز د جوش

تحقیق المرام فی ھذا المقام یہ ہے کہ سماع میں قدیماً وحدیثاً قولاً وفعلاً بڑا اختلاف ہے۔ محدثین وفقہا وصوفیاء کرام کے اقوال میں اس میں اپنے اپنے مشرب کے مطابق متفرق ہیں۔ اور آئمہ مجتہدین کے افعال واقوال بھی اس بارہ میں مختلف ہیں۔ اور روایات بھی اس میں بکثرت وارد ہیں۔ بعضے حرمت اور بعضے کراہت اور بعضے اباحت اور بعضے استحباب پر دلالت کرتے ہیں اور علماء محققین نے جانبین سے رسائل اور فتاویٰ لکھے ہیں ولکل و جھة ھو مو لیھا لیکن اگر انصاف کا سرمہ آنکھوں میں لگا کر نظر دقیق سے دیکھا جائے تو حق بین بین ہے۔ جس پر فریقین کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ اور اختلاف بالکلیہ مرتفع ہو سکتا ہے۔ مگر یہ ہر ایک کا کام نہیں۔ بلکہ خاص حقائق دان نکتہ شناس کا کام ہے۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مواینجا ست

نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندری داند

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سماع خواہ مجرد غنا ہو ہو یا مع المزامیر فی حد ذاتہ مباح اور حلال ہے۔ اس کی ذات میں نہ کوئی حرمت ہے نہ قباحت۔ الا بوجہ لحوق عوارض ذمیمہ کے مذموم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اُن عوارض سے معری ہو تو اپنی حلت پر رہتا ہے۔ گویا اس کے دو قسم ہوئے۔ ایک مشروع اور دوسرا غیر مشروع۔ مشروع ان روایات کا محمل ہے جو اباحتِ سماع پر دال ہیں۔ بنا علیہ علی الاطلاق حرمت سماع کا فتوے دینا بھی غلط۔ اور علی الاطلاق اباحت سماع کا فتوے بھی غلط۔

سماع مشروع وہ ہے کہ مجلس صلحاء میں بغرض صالح استعمال کیا جائے تو اس کی تعیین قبل از استدلال ضروری تھی۔ جیسا کہ عامہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور کتب مناظرہ میں بخوبی مذکور ہے۔ بہرحال یہ دعوے جناب کا نہ شرعاً قابلِ سماعت ہے اور نہ رواجا۔ اب اس مسئلہ کی تحقیق بنابر اقوال محققین کے کی جاتی ہے۔ جس سے حقیقت منکشف ہو جانے کے بعد معلوم ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ کہ فاضل معاصر نے کس قدر گستاخی اور بے باکی سے کام لیا ہے۔ وباللہ التوفیق

سماع مشروع وہ ہے کہ مجلس صلحاء میں بغرض صالح استعمال کیا جائے اس کی اباحت میں تو کوئی بھی اہلِ حق شک نہ کرے گا۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ اور کبار صحابہ کے افعال واقوال اس کی سرکوبی کر دیں گے اور غیر مشروع وہ ہے جو مجلس فساق میں بغرض لہو ولعب مستعمل ہو۔ اس کی حرمت میں کوئی بھی شک نہیں کرتا۔ اب پہلا قسم سماع بلا تفاق حلال اور دوسرا بلا تفاق حرام فارتفع الاختلاف من البین باذن رب الخافقین اس مدعا کے اثبات میں وجوہات و دلائل پیش کیے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ الا پہلے وجہ اختلاف علماء کرام اس سماع میں ذکر کرنی ضروری ہے۔ بعدہ حقیقت حال پر روشنی ڈالی جائے گی وباللہ التوفیق۔

وجہ الاختلاف فی السماع:

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں وغیرہما فی غیرہما میں ذکر کیا ہے۔ کہ سماع زمانہ قدیم سے عموماً فاسقوں اور شراب خوروں میں رائج تھا۔ لہذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں بھیجا گیا ہوں اور امر کیا گیا ہوں کہ معازف کو محو کر دوں اور زنا اور شراب سے منع کر دوں ازیں سبب غنا کا نام بھی لہو ہو گیا۔ اور ملاہی کے باب میں اس کو ذکر کرنے لگے۔ پھر جب بحسب تعلیم حضور اقدس ﷺ ان امور منکرہ یعنی شراب خوری کے آثار محو ہو گئے۔ اور منکرات کا ازالہ ہو گیا۔ اور یہ رسم و عادت مسلمانوں میں نہ رہی۔ تو صالحان اور پارسایان بھی اس میں پڑ کر محظوظ ہونے لگے۔ اور فسق و منکرات اور اُن کی مجالس سے پرہیز میں رہے۔ اور دوسری جماعت نے جب دیکھا کہ یہ عادت فاسقوں کی ہے۔ اور اس میں شامل ہونے سے ان

سے مشابہت لازم آئے گی۔ اور یہ بھی لحاظ تھا کہ ہمارے خیالات بھی ویسے نہ ہو جائیں۔ تو اس سے پرہیز میں رہے۔ اب اگر شارع سے بایں غرض کوئی وعید یا تہدید وارد ہوئی ہو تو بعید نہیں۔ اور یہ جو محدثین کہتے ہیں کہ سماع کی حرمت میں کوئی نص شارع سے ثابت نہیں ہوئی۔ اور نہ حدیث صحیح آئی ہے۔ ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ علی الاطلاق حرمت سماع کی ثابت نہیں ہوگی۔ خواہ مجالس فساق ہو یا صلحاء اور نہ اس کی حرمت ذاتی ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ زنا و شراب کی حرمت ذاتی ثابت ہوئی ہے بلکہ حرمت صرف اسی حالت میں ہے جب مجلس فساق بغرض تماشا اور لہو و لعب کے ہو۔

اس حال کی مثال قصہ برتنوں کا ہے۔ جن میں قدیم زمانہ میں شراب کا استعمال کیا جاتا تھا۔ جن کے نام ختم مزفت فقیر دیا تھے۔ جب شراب حرام ہوگئی۔ تو ان برتنوں کے استعمال سے بھی ممانعت آ گئی۔ نہ اس واسطے کہ ان میں کوئی ذاتی قباحت و نجاست تھی۔ ورنہ بعد میں ان کا استعمال مباح نہ ہوتا۔ بلکہ بغرض مٹانے آثار شراب کے پھر جب شراب کی حرمت مسلمانوں کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ اور لوگ اس سے بالکل منحرف ہو گئے۔ اور آثار کے مٹانے کی حاجت نہ رہی تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت آ گئی۔ مگر پھر بھی ان برتنوں کے بارہ میں علماء کرام کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ بعض ان کی حرمت سابقہ پر رہے۔ اور ان کو اجازت جدید نے کچھ بھی نہ ہلایا۔ اور بعض نے اجازت جدید کو قابلِ عمل تصور کر کے اس کو اپنا معمول بہ قرار دیا کما ہو مصرح فی موضعہ

اب اس مسئلہ سماع میں بھی علمائے کرام کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک تو بنظر عادت و رسم قدیم جو کہ مجلس فساق کے فروغ دہ ہونے کی وجہ سے احتیاط پر پابند ہو کر ایسے ہی ٹھہر گئے۔ اور تقویٰ اور ورع نے ان کو ایسی مجالس کی حاضری سے روک رکھا۔ تاہم اس سے حرمت سماع ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اگر کوئی شخص اطعمہ لذیذہ کھانے سے اس غرض سے پرہیز کرے۔ کہ شاید نفس امارہ تازگی میں آ کر کہیں غالب نہ ہو جائے۔ تو اس سے اس کھانے کی حرمت کب ثابت ہوتی ہے کلا و حاشا اور دوسرے فریق نے حقیقتِ حال سے واقف ہو کر یہ فیصلہ کر دیا۔ کہ اگر اس

میں علامات فسق و فجور ہیں تو حرام ہے ورنہ حلال ہے۔ اصل حقیقتِ حال تو یہ ہے۔ آگے فاضل معاصر جیسے فہیم انسان کے ہاتھ میں قلم آ گئی جو دل میں آیا لکھ دیا۔

الاستدلال علیٰ اباحۃِ السّماعِ:

پیشتر مذکور ہوا۔ کہ سماع کے دو قسم ہیں۔ مشروع و غیر مشروع۔ غیر مشروع کے دلائل و جوہات تو فاضل معاصر نے اپنے رسالہ میں بڑی دھوم دھام سے بھرپور کر دیے ہیں۔ ان کے دوہرانے کی کوئی حاجت نہیں۔ لہٰذا سماع مشروع کے چند وجوہات و دلائل بطور مشت نمونہ خروارے ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔ اور اس کا فیصلہ ان کی فطرت سلیمہ پر رکھا گیا ہے۔

الاول اصل حلت و اباحت سماع کی دلیل یہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں ذکر کیا ہے۔ کہ خود جناب سرورِ کائنات ﷺ نے فتح مکہ کے روز سورۃ فتح کو ترجیع کے ساتھ تلاوت فرمایا۔ گو بعض شراح اس حدیث کی یوں تاویل کرتے ہیں کہ یہ ترجیع اختیاری یعنی غنا نہیں تھا۔ بلکہ اضطراری بوجہ جنبش ناقہ جس پر آپ سوار تھے ہوئی تھی۔ لیکن اس تاویل کو شیخ محدث نے رد کر دیا۔ اور کہا کہ اگر ترجیع اختیاری نہ ہوتی تو عبداللہ بن مغفل اس کو حکایت نہ کرتے۔ تاکہ لوگ اس کے ساتھ اقتدا کریں۔ اور ترجیع کو حضور کی طرف نسبت نہ کرتے۔ علاوہ ازیں احادیثِ ذیلہ قولیہ میں صریحاً تغنی بالقرآن کی ترغیب دی گئی ہے۔ (۱) زَیِّنُوا القُرْآنَ بِاَصْوَاتِکُمْ یعنی زینت دہید قرآن را با آواز ہائے خود۔ یعنی قرآن شریف کو خوش آواز سے پڑھ کر زینت دیا کرو۔ (۲) لَیسَ مِنَّا مَن لَم یتغَنّ بِالقرآنِ یعنی جو شخص قرآن کو بغیر راگ کے پڑھے گا وہ ہمارے سے نہیں ہے۔ (۳) لِکُلِ شیءٍ حِلیۃٌ و حلیۃُ القرآنِ حُسنُ الصوتِ۔ یعنی ہر چیز کے لیے زیور ہیں۔ اور قرآنِ شریف کا زیور خوش آوازی ہے۔ (۴) ایک رات ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (کہ بڑے خوش آواز تھے۔ اور خوش خواں بھی۔ اور حضورِ کریم ﷺ نے اس کے حق میں فرمایا ہے اُعطی مزماراً من مزامیر ال داود) قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ اور جناب رسول خدا ﷺ خفیہ طور سنتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے ابوموسیٰ کو اطلاع دی۔ ابوموسیٰ

نے کہا کہ افسوس اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ میرا قرآن شریف سنتے ہیں۔تو میں زیادہ خوش الحانی سے پڑھتا۔ فائدہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے۔بعض غناء کے ساتھ قرآن شریف کو پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں۔خواہ اس میں افراط اور شباع حرکات میں کیوں نہ آجائے خواہ قوانین موسیقی یعنی راگ کے ساتھ بھی پڑھا جائے۔اور بعض مطلقاً منع کرتے ہیں۔اور حق جو کہ انصاف کا دائرہ کا مرکز ہے۔وہ یہ ہے کہ خوش الحانی اور تغنی بالقرآن کی دوصورتیں ہیں ایک یہ کہ بدون تکلف وتصنع کے خود بخود صادر ہوتی جائے۔جیسا کہ ابوموسیٰ سے ہوتی تھی۔دوسرے یہ کہ تصنع کے ساتھ ہی کیا جائے۔پہلا قسم جائز بلکہ مستحسن ہے۔اور دوسرا نا جائز الکل فی المدارج۔

الثانی یہ کہ امام بخاری نے ربیع بنت معوذ سے روایت کیا ہے کہ جب میری شادی ہوگئی تو سرورِ دوجہاں ﷺ میرے پاس تشریف لاکر بیٹھ گئے۔اتنے میں دولڑکیاں آکر دف بجانے اور شہداء بدر کے محاسن گانے شروع کردے۔اتنے میں ان میں سے ایک نے یہ مصرع پڑھا۔

و فینا نبی یعلم ما فی الغدیعنی ہمارے بیچ میں نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔کہ اس لفظ کو چھوڑ دو۔اور پہلا مضمون گاتے چلیو

الثالث یہ کہ امام بخاری نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے۔کہ ایک عورت کی شادی ایک مرد انصاری کے ساتھ کی گئی۔آپ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ لہو یعنی گانا بجانا کیوں نہیں۔کیونکہ انصار لوگ لہو کو پسند کرتے ہیں۔

الرابع یہ کہ امام مسلم نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روواایت کیا ہے۔کہ ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور میرے پاس دولڑکیاں گاتی اور دف بجاتی تھیں۔اور سرورِ عالم ﷺ نے منہ مبارک پر کپڑا اوڑھا ہوا تھا۔ابوبکر نے ان کو منع کیا آپ نے منہ مبارک سے کپڑا اتار کر فرمایا۔چھوڑ وان کو اے ابوبکر عید کے ایام ہیں۔

الخامس یہ کہ امام احمد و ترمذی و نسائی و ابنِ ماجہ حاطب سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ فصل مابین حلال وحرام کے آواز (گانا) اور دف کا بجانا ہے۔مطلب اس

حدیث کا یہ ہے کہ جس نکاح میں گانا اور بجانا ہو وہ جائز ہوتا ہے۔ اور جس میں یہ نہ ہوں تو وہ نکاح کالعدم ہے۔

السادس یہ کہ ابنِ ماجہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار عورت کی کسی انصاری کے ساتھ شادی کر دی۔ حضور کریم ﷺ جب تشریف لائے پوچھا کہ تم نے عورت کو بھیج دیا ہے یعنی اس کی شادی ہو گئی۔ عرض کیا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ کوئی گانے والی بھیجی یا نہ۔ عرض کیا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قوم انصار کو گانے کا بڑا شوق ہے۔ اگر اس کے ساتھ کوئی ایسا آدمی ہوتا۔ تو یہ شعر گاتا تو اچھا ہوتا۔

اتینا کم اتینا کم

فحیانا و حیاکم

یعنی آتے ہیں ہم تمہارے پاس آتے ہیں ہم تمہارے پاس۔ پس مبارک ہو ہمیں اور مبارک ہو تمہیں۔

السابع یہ کہ ابنِ ماجہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول خدا ﷺ مدینہ طیبہ کے کسی محلہ میں تشریف لے جا رہے تھے۔ وہاں عورتیں یہ شعر دف اور راگ کے ساتھ گاتی تھیں

نحن جوار من بنی النجار

یا حبذ ا محمد من جار

یعنی ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں۔ محمد ﷺ ہمارا عجیب پڑوسی ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ کہ میں تم کو دوست رکھتا ہوں۔

الثامن یہ کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے کہ جب رسولِ خدا ﷺ جنگِ تبوک سے بفتح ونصرت واپس تشریف لائے تو عورتوں نے مبارک بادی میں یہ شعر پڑھا۔

طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع

وجب الشکر علینا مادعی اللہ الدع

یعنی ثنیۃ الوداع سے ہم پر چاند طلوع کیا۔ ہم پر شکر واجب ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے والا دعا مانگے۔

التاسع یہ کہ صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خندق کی کھودائی کے وقت صحابہ یہ شعر پڑھتے تھے۔

نحن الذین بایعو محمدا

علی الجہاد مابقینا ابدا

یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ جہاد پر بیعت کی جب تک زندہ رہیں گے۔ اور حضورِ کریم ﷺ ان کے جواب میں یہ شعر پڑھتے تھے۔

واللہ لو لااللہ ما اھتدینا

ولا تصدقنا و لا صلینا

وانزلن سکینۃ علینا

وثبت الا قدام ان لاقینا

ان ا لا ولی قد بغو علینا

اذا اراد و افتنۃ احینا

اور کلمہ احینا کو بار بار دہراتے۔ اور آواز کو بلند فرماتے تھے ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے۔ خدا کی قسم ہے کہ اگر خدا نہ ہوتا تو ہم ہدایت پر نہ آتے۔ اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے۔ یا اللہ ہمارے اوپر سکینت نازل کر۔ اور جب ہم دشمنوں کا مقابلہ کریں تو ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔ یہ لوگ ہمارے اوپر بغاوت کرتے ہیں۔ جب فتنہ کا ارادہ کریں تو ہم انکار کرتے ہیں۔

فتلك عشرة كاملة

علیٰ ہٰذا القیاس اس مضمون کی احادیث کو اگر لکھا جاوے تو ایک دفتر وسیع چاہیے لہذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے والعاقل تکفیہ الاشارۃ

الحاصل ان احادیث کی عبارت النص نے مواقعات ذیلہ میں گانے بجانے کو ثابت کر دیا (۱) شادی کے وقت عام ازیں کہ خاص بوقت انعقاد نکاح ہو جیسا کہ احادیث میں مروی ہے اعلنو النکاح ولو بالدف یعنی ظاہر کرو نکاح کو اگرچہ دف کے ساتھ بھی ہو۔ یا بوقتِ زفاف یا بعد از اں (۲) خوشی مباحہ کی مبارکبادی کے وقت (۳) خوشی پہنچنے کے وقت (۴) دوستوں کی ملاقات کے وقت (۵) کسی نیک کام کی تحریص و ترغیب کے وقت اور ان کی اشارۃ النص نے مواقعات ذیلہ میں گانے بجانے کی اجازت دے دی۔ اور حقیقت بتلا دی۔ (۶) ولیمہ کے وقت (۷) عقیقہ کے وقت (۸) ختنہ کے وقت (۹) اعراس بزرگانِ دین کے وقت (۱۰) ختم قرآنِ شریف کے وقت (۱۲) ولادت لڑکا کے وقت جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے۔

فائدہ واضح ہو کہ اعراسِ بزرگانِ دین میں جو سماع مروج ہے وہ بھی انہیں احادیث سے مستنبط ہے۔ جیسا کہ حضرت مولانا شیخ الہند مولوی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ لفظ عرس اس حدیث سے ماخوذ ہے نُم کنومۃ العروس یعنی بندہ صالح سے کہا جاتا ہے کہ عروس کی طرح آرام کر، کیونکہ موت مقبولان الٰہی کے حق میں وصال کی دو لحاظ سے مشروعیت ہوگی اول یہ کہ اس دن اس بزرگ کا وصال ہوا ہے الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب چونکہ دوستوں کی ملاقات کے وقت سماع ماثور و منقول ہے کہ جیسا کہ احادیث سابقہ سے ثابت ہو چکا ہے۔ تو اولیائے کرام جنہوں نے تمام عمر محبت الٰہی میں فنا کر دی۔ جب وہ اپنے محبوب کو ملیں اس دن سماع نہایت مستحسن ہوگا۔ وہ نہایت ہی خوشی کا دن ہے۔

خرم آں روز کزیں منزل ویران بردم
راحت جان طلبم بردر جاناں بردم

دوئم یہ کہ ایسے موقعہ میں ہزاروں صلحاء و اولیاء جمع ہو کر آپس میں ملتے جلتے ہیں یہ دن ان کے

لیے وصال مہجورین کا روز ہے۔ تو اس لحاظ سے بھی سماع مستحسن ہوگا۔

الحاصل اس بیان بسیط سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضورِ کریم ﷺ کے سامنے آپ کی اجازت سے غنا مع المز امیر کا استعمال کیا گیا۔ بلکہ خود حضور ﷺ نے کلام الٰہی کو خوشی فتح میں اسی لہجہ سے پڑھا اور ابو موسیٰ اشعری سے بھی خوش الحانی سے سنا۔ اور خوش الحانی سے پڑھنے کی ترغیب بھی دی۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس طرح نہ پڑھے گا وہ ہمارے سے نہیں اور اشعار مناسبہ خود بھی پڑھے۔ اور صحابہ کبار کے ساتھ مشاعرہ بھی فرمایا۔ اب بتلایئے کہ وہ کون سی چیز باقی رہی جس کو فاضل معاصر حرمت کا حکم لگا بیٹھے ہیں۔ فعل رسول اکرم ﷺ کو تو کسی کی مجال نہیں کہ حرام کہہ سکے۔ اب قرآن شریف کو راگ سے پڑھنا اور اس کو کان دھر کر سننا اور اشعار کا پڑھنا اور سننا اور دف بجانا یہ سب تو طیب حلال ہیں۔ باقی حرمت کس کے حصہ میں آئے گی۔ البتہ وہ اشعار جن کا مضمون مذموم ہو یا وہ سماع جو محافل فساق میں بغرض لہو و لعب ہو تو اس کی حرمت و قباحت پر تو اتفاق ہے۔ لیکن غنا کو علی الاطلاق حرام کہہ دینا ہماری سمجھ سے باہر ہے۔

من نمیدانم کہ ایں سخن ترا تقریر چیست
خود بگو آخر ز تقریر سخن اے بو الہوس

قال اور ایسا ہی جتنے آلاتِ ملاہی ہیں جن کو معازف کہتے ہیں۔ سب حرام ہیں۔

اقول و باللہ التوفیق یہاں تو جناب نے حرمت معازف کی ایسی تعمیم کی جس سے کسی جزئی کے نکلنے کا احتمال تک نہ چھوڑا۔ لیکن آگے جا کر بعض معازف کو اس حرمت سے مستثنیٰ کر بیٹھے۔ لہٰذا اس قدر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر اس حرمت کی تعمیم ہی مقصود تھی تو پھر تخصیص کیسی۔ اور اگر تخصیص ہی منظور تھی۔ تو یہاں ایسی تاکیدی تعمیم کیسی۔ بہر کیف یہ دعویٰ بھی قابلِ ترمیم ہے۔

مزن بے تامل بگفتار دم
نکو گوے گر دیر گوئی چہ غم

باقی رہی معازف کی حلت یا حرمت۔ اس کی نسبت ذرا کان رکھ کر سنیے۔

تحقیق المرام فی ھذا المقام یہ ہے کہ فی الاصل وفی حد ذاتہ تمام انواع معازف ومزامیر مباح ہیں۔ ان میں ذاتی حرمت ہرگز نہیں۔ بلکہ عوارض ملحقہ کی وجہ سے کبھی حرمت عارض ہو جاتی ہے۔ اور ان عوارض مذمومہ کا عنقریب ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ تو گویا مزامیر بھی دو قسم ہیں ایک مشروع دوسرے غیر مشروع۔ یعنی اگر عوارض ذمیمہ سے معری ہیں تو مشروع ہیں۔ اور اگر عوارض ذمیمہ کے ساتھ ملحق ہیں تو غیر مشروع۔ اب جن روایات کا مفاد اباحت ہے ان کا محمل پہلا قسم ہوگا اور جن کا مدلول حرمت ہے ان کا محمل دوسرا قسم ہوگا فحصل الوفاق و ارتفع الشقاق اور چونکہ فاضل معاصر نے روایات محرمہ کو اپنے رسالہ میں بکثرت ذکر کر دیا ہے۔ اس لیے ان سے اعراض کر کے صرف روایات محللہ کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے جس سے ناظرین خود فیصلہ کر کے میرے مدعا کی تائید کر دیں گے۔

الاستدلال حدیث شریف میں ہے کہ ایک عورت نے حضورِ کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس نذر کی وفا کرو یعنی میرے روبرو دف بجا رواہ ابو داؤد اور یہ بھی حدیث شریف ہے لانذر فی معصیة رواہ ابو داود و الترمذی والنسائی یعنی گناہ کے کام کی اگر نذر مانی جائے تو اس کی وفا لازم نہیں ہوتی۔ تو ان دونوں صورتوں سے مابہ الاشتراک اباحت دف علی الاطلاق ثابت ہو گیا۔ ورنہ وفاءِ نذر کا حکم نہ فرماتے نیز احادیث متقدمہ سے بخوبی روشن ہوا کہ حضورِ کریم ﷺ کے زمانہ میں دف مواقع مختلفہ میں آپ کے حکم سے بجائی گئی ہے۔ اگر حرام ہوتی تو آپ بنفسِ نفیس اس کو ہرگز نہ سنتے دوسرا قسم معازف کا عود ہے جس کو بربط بھی کہتے ہیں۔ اور اس کی تاریں ہوتی ہیں۔ جنکو زیر و بم کہتے ہیں۔ اور غیاث اللغات میں ہے کہ عود کو ہندی میں طنبور اور رباب کہتے ہیں۔ شیخ محدث دہلوی نے کہا ہے کہ عبداللہ بن جعفر و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن زبیر و معاویہ بن ابی سفیان و عمرو بن عاص و حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان جملہ صحابہ کبار سے منقول ہے کہ بربط کو سنا کرتے تھے۔ اور غیر صحابہ سے عبدالرحمن بن حسان و خارجہ بن زید جو فقہاء

سبعہ مدینہ میں سے ہیں ان سے بھی اس کا سماع منقول ہے۔اور استاد ابو منصور نے زہری وسعید بن میتب وعطا بن ابی رباح وشعبی و دعبداللہ بن ابی عتیق و اکثر فقہاء مدینہ منورہ سے اس کا سماع نقل کیا ہے۔اور جلیلی نے عبدالعزیز بن ماجشون سے نقل کیا ہے۔کہ وہ عود کے سننے میں رخصت دیتے تھے ابراہیم بن سعد نے ایک دن رشید کے پاس آ کر عود طلب کیا۔رشید نے پوچھا کہ عود مر مریا مجمر۔ابراہیم نے کہا کہ عود مر مر۔تو رشید نے سرود عود حاضر کر دیا۔جس کو اس نے خوب بجایا۔ اور غنا و عود کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا۔اور ابن سمعانی نے طاؤس سے اس کے جواز کو نقل کیا ہے۔اور فاکہی نے تاریخ مکہ میں ذکر کیا ہے کہ ایک دن موسیٰ بن معمر نے عطا بن ابی رباح کو بلایا ۔جب وہ آئے تو وہاں کچھ لوگ گاتے تھے۔اور عود بجاتے تھے۔ان کے آنے سے وہ رک گئے۔ انہوں نے کہا کہ جب تک گائیں بجائیں نہیں تو ہرگز نہ بیٹھوں گا۔پھر انہوں نے اسی طرح گانا بجانا شروع کر دیا۔وہ بیٹھ کر سنتے رہے۔ان روایات سے عود کا جواز بھی ثابت ہوگیا۔کیونکہ اگر حرام ہوتا ایسے جلیل القدر صحابہ وتابعین وفقہا ومتورعین ومحدثین اس کو ہرگز نہ سنتے۔یہ ہمارے مقتداء وپیشوا ہیں۔اُن کے افعال واقوال ہمارے لیے سند ہیں۔ان کے افعال ہوائے شہوانی و خواہش نفسانی پر ہرگز محمول نہیں ہو سکتے۔تو ضرور ہے کہ ان اکابر کو شارع کی اجازت کا علم ہوگا۔ ورنہ ایسا کام جو خلافِ شریعت ہو ان سے ابعد بمراحل ہے فثبت ان العود حلال مباح سماعہا۔

جب دف اور عود کی اباحت وحلت صریحاً ثابت ہوگئی۔تو باقی جمیع اقسام مزامیر ومعازف کو ان پر قیاس کر کے جملہ مزامیر کو حلال ومباح سمجھا جائیگا۔اور جہاں تک ان سے کوئی عوارض ذمیمہ عارض نہ ہو تو اُنکو حرام نہ کہا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ جملہ مزامیر کے آواز دو صورتوں سے خالی نہیں۔یا تو ان سے غرض تشہیر ہوتی ہے یا تطریب۔پہلی صورت دف میں موجود ہے۔اور دوسری عود میں۔پس جو آلات مشہرہ ہیں وہ تمام دف پر مقیس ہوں گے۔اور جو مطربہ ہیں وہ عود پر۔اور مابہ الاشتراک ان کے وہی دو امر ہیں جو مذکور ہوئے۔ہاں اگر بغرض لہو ولعب بجائے جائیں تو اُن

کی حرمت عارضی ہوگی نہ ذاتی۔اور یہ حرمت جمیع انواع مزامیر کو شامل ہوگی خواہ دف ہو یا عود یا غیراس کے۔اب اس مدعا کی تصدیق کے لیے روایات فقہیہ ذکر کیے جاتے ہیں۔

علامہ شامی نے ردالمحتار میں کہا ہے والطبل ازا کان لغیر اللهو فلا باس به کطبل الغزاة والعرس لما فی الا جناس ولا باس ان یکون لیلة العرس دف یضرب به لیعلن به النکاح و فی الو لو ا لجیة یعنی طبل اگر بغرض لہو نہ ہوتو تو کوئی خوف نہیں مثل طبل غازیوں اور شادی کے کیونکہ اجناس میں ہے کہ کوئی خوف نہیں کہ شادی کی رات دف بجائی جائے۔تا کہ اس نکاح کا اعلان کیا جاوے۔اور ولوالجیۃ میں ہے

وان کان للغزو والقافلة یجوز اتقانی ملخصاً انتهی کتاب الاجارہ
کہ اگر غازیوں اور قافلہ کے لیے ہے اسی طرح اتقانی میں مختصراً۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے رجل استاجر رجلا لیضرب الطبلان کان للهو لایجوز وان کان الغزد والقافلة یجوز کذا فی غاية البیان انتهیاور ولوالجیہ میں ہے رجل استاجر ورجلا یضرب له الطبل ان کان للهولا یجوز وان کان للغزو والقافلة یجوز لانه طاعة انتهیٰ ونقل من العتاب قال ابوبکر الوراق لکل قوم مزامیر ومزامیر العرب والعراق والخراسان الدف وما یلتوی به کالضج والناء ومزامیر البدوی الدهل وما یلتوی به ومزامیر اهل الهند الدخص وهو ثئ یتخذ من الخذف مجوف مطول له طرفان یمینه اشد صوتاً من الیسار یقال له بالفارسیة مندل وهو دهل الهند وما یلتوی به والشرع اباحة حالة التزوج اما قبله وبعده فحرام کذا فی ملتفط النسفی انتهی۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے اگر کسی نے کسی طبل بجانے کے لیے اجیر بنایا۔اگر بغرضِ لہو تو جائز نہیں اور اگر غازیوں اور قافلہ کے لیے ہوتو جائز ہے۔اسی طرح غایۃ البیان میں ہے اور ولوالجیہ میں ہے اگر کسی نے کسی کو طبل بجانے کے لیے اجیر بنایا۔اگر لہو کے لیے ہوتو ناجائز ہے اور اگر غازیوں یا قافلہ کے لیے ہوتو جائز ہے۔کیونکہ یہ طاعت اور عبادت ہے اور عتاب ہے۔منقول ہے

کہ ابوبکر وراق نے کہا ہے کہ ہر قوم کے مزامیر ہیں اور عرب وعراق وخراسان کا مزامیر دف ہے۔ اُس کے مشابہ مثل ضج اور بدوی کے مزامیر دہل یعنی ڈھول ہے یا اس کے مشابہ اور اہل ہند کا مزامیر دخص ہے۔ وہ ایک خذف سے بنی ہوئی میان خالی۔ جس کی دو طرفیں ہوتی ہیں۔ دائیں کا آواز بائیں سے زیادہ ہوتا ہے اس کو فارسی میں سندل کہتے ہیں۔ وہ ہندی ڈھول ہے یا اس کے مشابہ اور شریعت نے اس کو شادی میں مباح کیا ہے۔ آگے پیچھے حرام۔

میرے مدعا کی فقہا (حنفیہ نے پوری پوری تصدیق کر دی ہے۔ یعنی شادی وغیرہ امور شرعیہ میں صرف دف کی خصوصیت نہیں بلکہ جملہ مزامیر اس میں علی السو جائز۔ غرض بہر حال کسی آلات مزامیر کی حرمت ذاتی نہیں۔ اگر ہے تو بوجہ عوارض ذمیمہ لاحق ہو جاتی ہے۔ اگر اس پر بھی آپ کو تسلی نہ ہوئی ہو تو ہم اس کی سند پیش کرتے ہیں جس سے بشرط انصاف آپ کو پورا اطمینان ہو جائے گا۔ شامی ردالمختار میں لکھتے ہیں:

هذا يفيد ان آلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من المشتغل بها وبه تشعر الاضافة الا ترى ان ضربة تلك الآلة بعينها حل تارة وحرم اخرى باختلاف النية والامور بمقاصدها وفيه دليل لسادا تنا الصوفية الذين يقصد وان بسماعها امورهم اعلم بها فلا يبادر المعترض بالانكار وكيلا يحرم بركتهم فانهم السادة الاخبار امدنا الله تعالى بامداداتهم واعاد علينا من صالح دعواتهم وبركاتهم انتهٰى۔

یعنی اس سے ثابت ہوا کہ مزامیر میں ذاتی حرمت کوئی بھی نہیں۔ بلکہ لہو کی نیت ہونے سے آجاتی ہے۔ خواہ سننے والے سے یا بجانے والے سے اور لہو کی اضافت حدیث کی طرف سے بھی اسی کی طرف اشارہ ہے۔ دیکھئے کبھی یہ خاص مزامیر حلال ہوتے ہیں اور کبھی حرام بوجہ اختلاف نیت کے اور کام نیت پر منحصر ہوتے ہیں۔ اس میں ہمارے صوفیائے کرام کی دلیل ہے کہ ان کی نیت اس سماع میں وہ ہوتی ہے جو خود ہی جانتے ہیں۔ پس کسی کو مناسب نہیں کہ ان پر انکار کرے

مبادا کہ ان کی برکات سے محروم ہو جائے۔ وہ اچھے لوگ ہیں اللہ تعالیٰ ان کی امداد ہم پر بھیجے اور ان کی نیک دُعائیں و برکات ہم پر اُتارے۔

لیجیے اب تو علامہ شامی نے آپ کے تمام شکوک رفع کر دیے اور فاضل کے دعوے کی بیخ کنی کر دی۔ پھر سنیئے امام غزالی نے احیاء میں لکھا ہے کہ کسی مزامیر کی حرمت بالکل ثابت نہیں۔ خواہ دف ہو یا طبل یا غیر اس کا مگر وہ کہ جس سے منع شرعی وارد ہوئی ہو۔ نہ اس واسطے کہ ان سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ ورنہ تمام لذیذ چیزیں حرام ہوتیں۔ بلکہ واسطے مقارنت محرمات یعنی لہو ولعب و شراب وغیرہ کے۔ میں حیران ہوں کہ فاضل معاصر کس گھمنڈ میں اگر علی الاطلاق حرمت جمیع انواع مزامیر کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں۔ محدثین اور فقہاء کی بات نہ سننے کے علاوہ اپنے استاد مولانا مولوی عبدالحی لکھنوی کی بات کی پروانہ کی۔ بلکہ صاف مخالفت کی جیسا کہ وہ مجموعۃ الفتاویٰ جلد ۲ ص ۲۵ میں لکھتے ہیں:

وما نقل عن بعض انهم يحرمون المعازف كلها ويستدلون بالحديث قول لايعبأ به منشائه عدم معرفتهم بكتب الحديث والفقه انتهٰى

یعنی یہ جو بعض سے منقول ہے کہ جملہ معازف کو حرام کہتے ہیں اور حدیث شریف سے استدلال پکڑتے ہیں یہ قول ان کا غیر معتبر ہے۔ اس کی منشا اور وجہ یہ ہے کہ کتب حدیث اور فقہ کی مہارت نہیں رکھتے۔

اس بیان سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ مزامیر فی الاصل حرام نہیں ہیں۔ بلکہ مباح ہیں بوجہ عوارض لاحقہ کے البتہ حرام ہو جاتے ہیں۔

العوارض المحرّمة للسّماع

پہلے مشرحاً مذکور ہوا کہ غنا خواہ مجرد ہو یا مع المزامیر فی نفسہ مباح ہے۔ اس میں ذاتی حرمت یا کراہت ہرگز نہیں۔ البتہ عوارض مذمومہ کے سبب سے حرمت یا کراہت لاحق ہو جاتی ہے اور جب ان عوارض سے مبرا ہو تو نہ حرام ہے نہ مکروہ بلکہ مباح ہے اور عوارض بحسب تصریح امام غزالی

پانچ ہیں اور ایک زیادہ کیا گیا ہے۔کل چھ ہیں:

1 یہ کہ مغنیہ عورت نامحرمہ ہو جس کی طرف نظر کرنا اور اُس کا آواز سننا بوجہ خوف فتنہ شرعاً ناجائز ہو۔ یا نابالغ لڑکا صبیح الوجہ ہو جو محل شہوت ہونے کی وجہ سے مثل عورتوں کے ہو۔ ان سے سننا حرام ہے نہ اس واسطے کہ غنا حرام ہے۔ بلکہ خوف فتنہ سے۔ کیونکہ ایسوں سے بات چیت کرنا بلکہ قرآن شریف کا سننا بھی ناجائز ہے۔ اب اگر خوف فتنہ نہ ہو تو حرام نہیں ہے۔

2 یہ کہ مزامیر ایسے ہوں جن کی خصوصیت شراب خوروں اور مخنثوں کے ساتھ ہو جن کے استعمال سے اُن کی مشابہت لازم آتی ہو اور اگر ایسے نہ ہوں تو حرام نہیں۔ یعنی جو مزامیر صلحاء کی مجالس میں مروج ہو گئے ہوں تو ان کی حرمت نہیں رہتی۔

3 یہ کہ اس مجلس میں قوال ایسی غزلیں پڑھیں جن میں فحش اور بے ہودہ بکواس ہو یا کسی مسلمان کی ہجو ہو یا خداوند تعالیٰ یا رسول پاک ﷺ پر افترا ہو یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہتان ہو جیسا کہ روافض وغیرہ کرتے ہیں۔ ایسا سماع خواہ منظومہ ہو یا منثورہ خواہ خوش الحانی سے ہو یا نہ، سب حرام ہے۔ قائل اور سامع دونوں شریک فی لاثم ہوں گے یا کسی عورت خاصہ کی وصف مردوں میں کی جائے یہ سب کے سب حرام ہیں۔

4 یہ کہ سننے والے پر شہوت غالب ہو اور بدخیال ہو۔ اس حد تک کہ اشعار محمودہ کو محافل مذمومہ پر متہمل کر کے اپنی عاقبت خراب کرے۔

5 یہ کہ سننے والا عامی شخص ہو جس کو حلاوت عشق ہرگز نہیں صرف قوالوں کے منہ کی طرف تکتا رہے اور مضامین تک اُس کی رسائی نہ ہو۔ (احیاء)

6 قوال یا سامعین کی نیت لہو ولعب ہو اور مجلس فساق واوباش ہو۔ جو کھیل کی غرض سے منعقد ہو اور اوقات مخصوصہ میں عبادات مفروضہ کی ادائی میں قصور ہو جائے۔ اسی کی طرف کلام الٰہی کا اشارہ بحسب تصریح بعض مفسرین ہے لیضل عن سبیل اللہ ان عوارض کے لحوق کی وجہ سے سماع حرام ہو جاتا ہے اور اسی پر محمول ہیں تمام عبارات کتب فقہ و حدیث جن میں

حرمت سماع مذکور ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مواقع السّماع

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ سات موقعہ ہیں جن میں اغراض مخصوصہ کے لیے سماع مشروع و مروج ہے:

(اوّل) غناء الحجیج یعنی حاجیوں کے لیے گانا۔ کیونکہ وہ پہلے شہروں میں طبل اور شاہین لے کر گاتے بجاتے ہیں۔ چونکہ اس میں ایسے اشعار و نظمیں پڑھے جاتے ہیں جو وصف کعبہ و مقام ابراہیم و حطیم و زمزم و باقی مشاعر پر شامل ہوں جس سے سامعین کو حج بیت اللہ کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ سماع محمود و مستحسن ہوگی۔ لان الباعث علی الخیر خیر

(دوئم) غناء القراۃ یعنی نمازیوں کا راگ چونکہ اس میں بھی تحریص و ترغیب جہاد کی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ غنا بھی اعلیٰ درجہ کا مشروع و مستحسن ہوگا۔ الا اس میں راگ کچھ قدر جوشیلا اور الفاظ بھی ایسے ہوتے ہیں جن سے شجاعت بھڑکے اور کفار پر غصہ و غضب جوش مارے۔ یہاں تک کہ اپنی جان و مال کو اُن کے مقابلہ میں ناچیز سمجھے۔ جیسا کہ دیوان متنبیؔ میں ہے:

یری الجبناء ان الجبن حزم

وتلك خديعة الطبع اللئيم

یعنی بزدل گمان کرتا ہے کہ بزدلی اچھی چیز ہے اور یہ طبع نامبارک کی فریب ہے۔

(سوئم) وہ غنا جو بہادران اسلام بوقت مقابلہ کفار کے کہا کرتے ہیں۔ غرض اُن سے تقویت قلوب مجاہدین و تضعیف دل کفار ہوتی ہے لیکن اس میں یہ بھی شرط ہے کہ راگ اور آواز نرم اور باریک نہ ہوں اور نہ مزامیر ایسے ہوں جن کے نرم اور حسین آواز ہوتے ہیں۔ بلکہ جابر آواز ہونا چاہیے اور یہ غنا جہاد مباح میں مباح ہے اور واجب میں واجب اور اگر اہل اسلام کے ساتھ مقابلہ ہو تو حرام ہے اور یہ غناء بہادران اسلام صحابہ وغیرہ سے بکثرت منقول ہے۔ حضرت علی کے اشعار زبان زد خلائق ہیں۔

(چہارم) غنا نیاحت: یہ دو قسم ہے۔ مذموم ومحمود، مذموم وہ ہے کہ کسی چیز کے تلف ہونے یا کسی شخص کی وفات پر کی جاوے قال اللّٰہ تعالٰی لکیلا تاسوا علٰی ما فاتکم اور حدیث شریف میں بھی اس کی مذمت موجود ہے اور محمود وہ ہے جو انسان اپنے قصورات دینی پر افسوس ظاہر کرے اور اپنے گناہوں پر روئے اور نوحہ کرے۔ جیسا کہ حضرت آدم ونوح و داؤد علیہم السلام کے واقعات مشہور ہیں۔

فائدہ: بناءعلیہ یہ جو واعظین منبر پر چڑھ کر آواز مرقق ومحزن سے تقریریں کرتے ہیں جن سے لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا ہوتا ہے اور روتے ہیں یہ بھی محمود ہے۔

(پنجم) غنا السرور یعنی خوشی کے اوقات میں گانا بجانا۔ جیسے پہلے اس کی تشریح ہو چکی ہے۔ مثلاً عید، شادی ولیمہ، عقیقہ، اعراسِ بزرگان، کسی دوست کی آمد مبارک بادی، لڑکا کی پیدائش و ختنہ، قرآن شریف کا ختم وغیرہ وغیرہ جو جو خوشیاں محمود ہیں اُن کا اظہار بھی بذریعہ غنا محمود ہے۔

(ششم) سماع العشاق۔ واسطے تحریک شوق وبھڑکانے عشق کے اگر عشق محمود ہے تو غنا بھی محمود ہوگا ورنہ مذموم۔

(ہفتم) غنا عاشقان انوار الٰہی وغریقان ابحار نامتناہی ایسے لوگوں کے حق میں سماع ایک روحانی غذا ہے۔ جب تک نہ لے جاں بلب ہو جاتے ہیں مراتب میں عقدے پڑ جاتے ہیں۔ مل جائے تو تر و تازہ ہو جاتے عقدے کھل جاتے ہیں۔ عبادت میں چست وچالاک ہو جاتے ہیں۔ تمام خیالات سوائے لقاءِ محبوب کے محو ہو جاتے ہیں جیسا کہ حضرت خواجہ حافظ فرماتے ہیں:

خاطرم وقتے ہوس کردے کہ بینم چیزہا
تا ترا دیدم نکردم جز بدیدارت ہوس

اس حال کی آگاہی صرف اسی شخص کو ہوگی جس نے اس کا مزہ چکھا اور جس کو اس نعمت عظمٰی سے محرومی ہے وہ انکار کر کے اپنے آپ کو دائمی بدنصیبی کا سزاوار بناتے ہیں۔ اس حال کو صوفیا کی اصطلاح میں وجد کہا جاتا ہے جو وجود سے ماخوذ ہے۔ یعنی سماع سے پہلے یہ حالت نہ تھی۔ اب

سماع کی برکت سے موجود ہوئی۔ اس سے دل تمام کدورات سے مصفا ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سونا و چاندی کی کدورت آگ میں ڈالنے سے جل جاتی ہے اور وہ صاف ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً سوہاگہ ملانے سے بھی زیادہ شفاف ہو جاتے ہیں اسی طرح مجلس شیخ کامل میں سماع کا سننا سوہاگہ کا کام دیتا ہے۔ پھر اس تصفیہ کے بعد مشاہدات اور مکاشفات حاصل ہوتے ہیں جو کہ اصلی مطالب عشاق ہیں۔

غرض سماع اُن کے حق میں ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعہ مطالب علیا کو پہنچ جاتے ہیں یا آئینہ ہے جس کے ذریعہ اپنے محبوب کا نظارہ کر لیتے ہیں۔ یہ وہ حالت ہے جسے دیکھ کر آسمان کے ستارے بھی رقص کرتے ہیں۔ بلکہ مزامیر بھی مست ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ خواجہ حافظ نے فرمایا ہے:

در طرب خانۂ عشاق الٰہی بنگر کہ
چساں رقص کند زہرہ بہنگامِ سماع
طبل در غلغلہ آید کہ کجا شد منکر
چنگ در قہقہہ آید کہ کجا شد مناع

اب اگر بلید جامد قاسی القلب اس وجد اور اضطراب سے تعجب کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ عنین لذت جماع سے اور نادان لڑکا لذت ریاست و اسباب سے اور جاہل معرفت الٰہی کی لذت سے بھی تعجب کرتے ہیں۔ ان تمام کا ایک ہی سبب ہے۔ وہ یہ کہ لذت فرع ادراک کی ہوتی ہے۔ جس کو جس چیز کا ادراک نہ ہو اس کو اس کی لذت خاک آئے۔ مثلاً جس کی قوت ذائقہ نہ ہو اس کو مطعومات کی لذت نہیں ہوتی اور جس کی قوت سامعہ مفقود ہو۔ اس کی لذت مسموعات کہاں کی اور جس کا عقل کافور ہو۔ اُس کو لذت معقولات ندارد اور جس کی حسن باصرہ معدوم ہو اس کو مبصرات کی لذت ناموجود ہوتی ہے۔ اسی طرح جو لوگ وجد اولیاء کے منکر ہیں وہ ان اسرار سے بے خبر ہیں:

اسرارِ محبت را ہر دل نبود لائق
در نیست بہر دریا زر نیست بہر کانے

مولانا روم صاحب فرماتے ہیں:

گونیا موزی صفیه طبلے
توچه دانی کوچه دارد با گلے

اب اس مضمون کو اس بیت پر ختم کرتا ہوں:

سخن عشق نه آنست که آید بزباں
مطربا خوش بگو کوتاه کن ایں گفت و شنفت

ضمیمہ درالمختار میں ہے کہ نقارہ نوبت کا بجانا اگر بغرض تفاخر ہو۔ (جیسا کہ عام متکبرین دنیاداروں کی چال ہے) تو حرام ہے اور اگر بغرض تنبیہ ہو تو کوئی خوف نہیں ہے۔ جیسا کہ تین وقتوں میں بمراد یاد دہانی نفخات صور کے بجائے جاتے ہیں۔ واسطے مناسبت اُن وقتوں کے اُن نفخات کے ساتھ۔ مثلاً عصر کے بعد نفخہ فزع اور عشاء کے بعد نفخہ موت اور نصف رات کے بعد نفخہ بعث کی طرف اشارہ ہوگا اور شرح ملتقی میں ہے کہ بوق جو حمام کی فراغت کے واسطے بجایا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے اور شامی میں ہے کہ جو طبل رمضان شریف میں سحور کے وقت بغرض بیدار کرنے لوگوں کے بجایا جاتا ہے وہ بھی جائز ہے۔ لیجیے حضرات! اب تو فقہا کرام نے گونا گوں مزامیر کو اغراض صالحہ کی وجہ سے مباح کر دیا۔ علامہ شامی نے طبل نکاح و طبل غازیان و نقارہ تنبیہ اوقات ثلاثہ و بوق حمام و طبل رمضان کو اور ولوالجیہ اور فتاوے ہندیہ اور غایۃ البیان نے طبل غازیان و طبل قافلہ کو اور ابوبکر وراق نے دف اور صنج اور نے اور دخص اور ڈھولک کو شادی کے واسطے حلال کر دیا اور صحابہ کبار و تابعین و تبع تابعین نے طنبور کو حلال کر دیا۔ نامعلوم کہ فاضل معاصر کس خیال سے تمام مزامیر کو حرام کر بیٹھے ہیں۔ شاید کبر سن نے ان کو کتابیں دیکھنے کا موقعہ نہیں دیا۔ آپ کے استاذ صاحب نے ان کی قلعی کھول دی ہے۔ جیسا کہ کہا کہ جو لوگ تمام معازف کو حرام کہتے ہیں اور

حدیث شریف سے دلیل پکڑتے ہیں ان کا قول لا یعبابہ ہے۔اس کا منشا اُن کی عدم معرفت کتب حدیث وفقہ ہے تو گویا اس بے چارہ کے اپنے استاد صاحب نے کتب حدیث وفقہ سے بے خبر ہونے کی شہادت دے دی ہے۔ہمیں تو یہ اُمید نہیں تھی مگر بمضمون اہل البیت ادری بمافیہ کے حضرت مولانا کی شہادت پر وثوق کر کے یقین کیا جاتا ہے اور آپ کو ان معاملات سے معذور سمجھا جاتا ہے۔واللہ الھادی

قال قال اللّٰہ تعالٰی ومن الناس من یشتری ھو الحدیث لیضل عن سبیل اللّٰہ بغیر علم و یتخذھا ھزوا اولئک لھم عذاب مھین انتہی مراد لہو الحدیث سے غنا ہے۔اس پر بعض صحابہ اور بعض تابعین کے آثار جو کہ متعدد طریق سے پہنچے ہیں دلالت کرتے ہیں۔

اقول اس کلیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مقدسہ کا شان نزول صرف یہی ہے جس کو جناب نے ذکر کیا ہے۔حال آنکہ مفسرین نے اس کے شان نزول میں مختلف روایات ذکر کیے ہیں۔اس لیے مناسب تھا کہ اس کی تقریب میں یوں فرماتے کہ بحسب تصریح بعض مفسرین کے اس آیت سے مراد الخ

اوّلاً تو اس آیت سے نصاً حرمت غنا ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے شان نزول میں مفسرین نے اقوال مختلفہ ذکر کیے ہیں۔چنانچہ تفسیر خازن میں اُس کی تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کا قول ہے کہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی جس نے فارس کے بادشاہوں کے قصے خرید لائے تھے اور قریش کے محافل میں پڑھ کر سناتا تھا اور کہتا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) عاد و ثمود کا قصہ سناتے ہیں اور میں رستم واسفندیار کا قصہ پڑھتا ہوں اور قریش اس کو سن کر بڑے محظوظ ہوتے تھے۔تب یہ آیت نازل ہوئی جو کہ ٹھیک ٹھیک مضمون مطابق ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ آیت غنا کے بارہ میں نازل ہوئی جو کہ لونڈیاں مغنیہ خرید کر کے اُن سے راگ سنا کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ہر لہو ولعب میں اُتری اور بعض کا قول ہے کہ شرک کے بارہ میں اُتری۔جب اتنے موارد آیت مبارکہ کے ہوئے تو صرف ایک ہی مورد کو لے کر مقام استدلال میں الفاظ محتملۃ

المعانی کو لانا نامناسب ہے۔ علماء کا قول ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

ثانیاً بالفرض مان لیا جائے کہ اس آیت سے مراد غنا ہی ہے جیسا کہ بعض صحابہ اور بعض تابعین کا قول ہے تاہم جناب کے مدعا کا اثبات اس سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آیت شریفہ میں لہوالحدیث جن جن قیود کے ساتھ مقید ہے سب کے سب ملحوظ ہوں گے۔

1 لہو کی اضافت حدیث کی طرف جس کا مفاد یہ ہے کہ غنا بغرض لہو ہو جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اس کی حرمت میں تو اتفاق ہے۔

2 لیضل عن سبیل اللہ میں جو لام ہے وہ علّیہ ہے یعنی اشتراء لہوالحدیث کی علت اضلال عن سبیل اللہ ہو جس کا مفاد یہ ہے کہ لہوالحدیث کو اس غرض سے خرید کرتا ہے تاکہ اللہ کے راستہ (دین اسلام) سے گمراہ کرے اور سننے قرآن شریف سے اغوا کرے۔ مطلب اس کا یہ ہو کہ قرآن شریف بے رونق اور اسلام کمزور ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا راگ جس کی قرآن شریف نے وصف بیان کی ہے اس کی حرمت میں کوئی اہل اسلام بھی شک نہیں کر سکتا۔

3 ویتخذھا ھزوا یعنی آیات قرآنی پر استہزاء بنانے کی غرض سے راگ کو خرید کرے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے راگ کی حرمت میں کون اہل اسلام شک کر سکتا ہے۔ بلکہ اگر اسی غرض سے قرآن شریف پڑھا جاوے تو بھی حرام ہے غنا کی خصوصیت نہیں۔ تو جس غنا میں یہ تینوں اوصاف نہ پائے جائیں اُس کی حرمت کہاں سے آئی۔ فاضل معاصر کی یہ چال بازی قابل تحیر ہے۔ کیونکہ دعویٰ تو یہ کیا کہ غنا اور معازف سب حرام ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کی جس کا معازف سے تو مساس بھی نہیں۔ البتہ بنا بر اقوال بعض مفسرین غنا پر صادق تو ہے لیکن وہ بھی مقید بچند قیود۔ دلیل خاص کو دعوے عام میں لانا فاضل معاصر جیسے جری آدمی کا کام ہے۔ شاید بعض صحابہ کے قول سننے سے خوشی میں آ کر اصل مطلب کو بھول

گئے اور جو دعویٰ کیا تھا اس کی اصلیت یاد نہ رہی۔

. قدر مجموعہ گل مرغ سحر داند و بس

نہ کہ ہر کو ورقے خواند معانی دنسنت

فائدہ: زمانہ حال میں جو مجالس بزرگان دین کے اعراس پر ہوتی ہیں اوّلاً قرآن شریف خوش الحانی وحسن ترتیل سے پڑھا جاتا ہے۔ تمام حاضرین باوضونہایت متانت وسکون وخضوع وخشوع سے سرنگوں بیٹھ کر بڑی محبت سے سنتے ہیں۔ بعدہ سماع (جس میں حضور سرور کائنات ﷺ کے محامد اور اولیاء کرام کے اوصاف اور محبت الٰہی کے بھڑکانے والے کلمات ہوتے ہیں) ہوتا ہے اور پھر کلام الٰہی سے مثل سابق ختم کیا جاتا ہے۔ اب بتلایئے کہ اس سماع میں کون سا اضلال واستہزاو استخفاف دین اسلام وکلام الٰہی ہے اور حرمت کہاں کی۔

ثالثاً میں پوچھتا ہوں کہ جس غنا و معازف کو بارگاہ نبوی میں یا مجالس صحابہ وتابعین میں عمل میں لایا گیا ہے وہ اس آیت کے مدلول میں داخل ہیں یا نہ۔ بصورت اوّل یہ تمام حضرات (خاک بدہن دشمناں) مرتکب حرام کے ٹھہرے نعوذ باللہ من ذالک وبصورت ثانی تقریب تام نہیں۔ کیونکہ مدعا تو یہ تھا کہ جملہ معازف وغنا سب حرام ہیں اور دلیل سے یہ ثابت ہوا کہ بعض حلال و بعض حرام ہیں فکیف یثبت منہ المطلوب

قال اخرج البخاری فی الادب المفرد و البیہقی عن ابن عباس لھو الحدیث ھو الغناوا اشباعہ انتھی واخرج ابن ابی شیبہ باسناد صحیح ان عبداللّٰہ بن سئل عن قولہ تعالٰی ومن الناس من یشتری لھو الحدیث قال الغناء واللّٰہ الذی لا الہ غیرہ انتھی واخرجہ الحاکم والبیہقی ایضاً وقال الحاکم صحیح الاسناد واخرج ابن ابی الدنیا وابن جریر عن شعیب بن یسار قال سالت عکرمۃ عن لھو الحدیث قال ھو الغناء انتھٰی واخرج ابن ابی الدنیا وابن جریر وابن المنذر عن مجاھد ومن الناس من یشتری لھو الحدیث قال ھو الغناء وکل لھو ولعب انتھی واخرج ابن ابی حاتم عن عطاء ومن الناس من یشتری لھو

الحديث قال الغناء والباطل انتهى واخرج ابن ابى حاتم عن الحسن قال نزلت هذه الآية فى الغنا والمزامير انتهى واخرج ابن ابى الدنيا عن ابراهيم ومن الناس من يشترى لهو الحديث قال الغناء انتهٰى واخرج البغوى عن سعيد بن جبير قال لهو الحديث الغناء والمزامير والمعازف انتهى○

اقول اوّلاً توان آثار کے اسناد میں مقال ہے جس کی تشریح کی گنجائش نہیں ہے۔ ثانیاً جس طرح لہوالحدیث کی تفسیر بعض صحابہ غنا کے ساتھ کرتے ہیں اسی طرح بعض صحابہ اُس کے اور معانی بھی لیتے ہیں۔ صرف ایک ہی معنی پر جزم کر کے استدلال کرنا جناب ہی کے شایان شان ہے۔

ثالثاً ہم تسلیم کرتے ہیں کہ لہوالحدیث کا معنی غنا بلکہ معازف ہی سہی۔ تاہم اس سے جناب کا مدعا ثابت نہیں ہونے کا۔ کیونکہ غایت مافی الباب ان آثار سے یہی ثابت ہوگا کہ لہوالحدیث سے مراد غنا اور معازف ہیں۔ تو جب لہوالحدیث کی حرمت مقید بقیو د ثلاثہ ہے جیسا کہ مذکور ہوا تو اُن کی عموم حرمت کہاں سے لائیں گے۔ بلکہ آیت شریفہ و آثار صرف اُسی غنا و معازف کی حرمت ثابت کریں گے جن کی اباحت کا کوئی بھی اہل اسلام قائل نہیں ہے اور جس کی اباحت کے قائل ہیں اس کو نہ آیت نے ہلایا اور نہ آثار نے۔

تکمیل چونکہ فاضل معاصر نے حرمت غنا کو صحابہ کرام و تابعین باحسان کی طرف نسبت کیا ہے لہٰذا مناسب نظر آتا ہے کہ صحابہ کبار کا معمول ذکر کیا جائے۔ تا کہ قارئین کرام کو حقیقت حال کھل جائے اور فاضل معاصر کے مغالطہ سے بچ جائیں۔

وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

شیخ محدث دہلوی نے مدارج میں کہا ہے کہ اباحت سماع اکابر صحابہ سے منقول ہے جن میں چند کس عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور جم غفیر تابعین و تبع تابعین و اتباع تبع و علماء محدثین و فضلائے دین جو کہ اہل زہد و تقویٰ و عبادت تھے اور ان کی حکایات و روایات کافی طور منقول ہیں اور امام غزالی نے

کہا ہے کہ ابو طالب مکی نے اباحت سماع کو ایک جماعت سے نقل کیا ہے اور کہا کہ صحابہ کبار سے عبداللہ بن جعفر وعبداللہ بن زبیر ومغیرہ بن شعبہ وامیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سماع کو مباح جان کر سنا اور کہا کہ اسی طرح کیا بہت سلف صالحین سے صحابہ اور تابعین باحسان نے اور کہا کہ ہمیشہ سنا کرتے تھے سماع کو حجازیوں سے مکہ معظمہ میں ان ایام میں جو کہ تمام سال میں افضل ہیں۔ وہ ایام معدودات ہیں۔ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عبادت وذکر کا حکم فرمایا ہے۔ وہ ایام تشریق ہیں انتہی مختصراً۔ مدارج میں ہے کہ سعید بن مسیب جو کہ افضل التابعین ہیں اور ورع وتقویٰ میں ضرب المثل ہیں غناء کو سنتے اور اس سے محظوظ ہوتے تھے اور اسی طرح سالم بن عبداللہ بن عمر اور قاضی شریح بھی لونڈیوں سے راگ سنا کرتے تھے۔ باوجود کبر سن اور جلالت قدر کے۔ اسی طرح سعید بن جبیر جو کہ اعاظم تابعین سے ہیں لونڈی سے سنا جو راگ گاتی اور دف بجاتی تھی۔ اسی طرح عبدالمالک بن جریج جو کہ علماء حفاظ اور فقہاء عباد سے ہیں اور ان کی عدالت وجلالت پر اجماع ہے وہ بھی راگ سنا کرتے تھے۔ بلکہ راگ کے واقف بھی تھے اور ابراہیم بن سعد جو کہ اپنے زمانہ میں فقہ کے امام تھے طلباء کو سبق حدیث نہ دیتے جہاں تک غنا نہ سنتے۔ بلکہ رشید کی مجلس میں اباحت سماع کا فتویٰ بھی دے دیا اور احیاء العلوم میں ہے کہ قاضی ابومروان کی لونڈیاں مغنیہ تھیں۔ اور اسی طرح عطاء بن ابی رباح کی بھی دو لونڈیاں مغنیہ تھیں اور ابوالحسن بن سالم کو کسی نے کہا کہ آپ سماع کا کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ حالانکہ جنید بغدادی وسری سقطی و ذوالنون مصری بھی سنتے تھے۔ اُس نے کہا کہ میں کس طرح انکار کر سکتا ہوں حالانکہ عبداللہ بن جعفر جو مجھ سے بہتر تھے انہوں نے سنا ہے اور اجازت بھی دی۔ بلکہ میں تو صرف اُسی غنا کا انکار کرتا ہوں جس میں لہو ولعب ہو اور ابن مجاہد جس دعوت میں سماع نہ ہوتا تو اس کی اجابت ہرگز نہ فرماتے۔ بلکہ خود رسول مقبول ﷺ نے حسان بن ثابت کو منبر پر چڑھا کر اُس کے اشعار جن کو اُسنے جو کفار میں بنایا تھا اُس سے سنتے اور فرماتے اللھم ایدہ بروح القدس (الکل من المدارج والاحیاء مع الالتقاط)

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم وتابعین وتبع تابعین ومحدثین وعلماء دین سے سماع کا

سننا اور اس کی اجازت دینی عام مشہور ہے اور کتب صحیحہ میں مذکور ہے۔ یہ تو صرف چند روایات بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں۔

اگر تمام کی احصاء کی جائے تو رسالہ کے حجم بڑھ جانے سے ملال طبع ناظرین کرام کا باعث ہو جائے گا۔ لہذا اسی پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔ فاضل معاصر نے ہاتھ پاؤں تو بہت مارے۔ ماسواء چند روایات کے جن میں لہو حدیث کی تفسیر غناء سے کی گئی ہے کچھ بھی نہ بن سکا اور اس تفسیر میں اس کو حاصل بھی کچھ نہ ہوا۔ حضرت خواجہ حافظ فرماتے ہیں۔

خیال زلف چنتن نہ کار خامان ست

کہ ند سلسلہ فتن طریق غیاری ست

قال غناء کا لہو الحدیث سے مراد ہونا جو کہ مدلول ان کا ہے چونکہ بکثرت طرق سے ثابت ہوا لہذا اقوی ہو گیا۔

اقول ہاں ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر جناب کو اس میں کیا فائدہ۔

قال اور آیت مجملہ مذکورہ کے لئے مفسر ہوگا کیونکہ مفسر آیت کو ظنی کا ہونا کافی ہے قطعی ہونا ضروری نہیں۔ **اقول** ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً و اما قل تکفیہ الا شاك

قال قال الامام البخاری فی کتاب الاشربة من صحیحہ و قال ھشام بن عمار حدثنا صدقة بن خالد قال حدثنا عبدالرحمٰن یزید بن جابر قال حدثنا عطیہ بن قیس الکلابی حدثنی عبدالرحمٰن بن غنم الشعری قال حدثنی ابو عامر او ابو مالك الشعری واللہ ما کذبنی سمع النبی صلی اللہ علیہ و سلم یقول لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحرو الحریر و الخمر و لمعازف و لینزان اقوام الی جنب علم یروح علیھم بارحة لھم یا تیھم یعنی الفقیر الحاجة فیقولون ارجع الینا غدا فیبتھم اللہ و یضع العلم و یمسخ اخرن قردة و خنازیر الی یوم القیمہ انتہی معنی اس حدیث مرفوع کہ یہ ہیں کہ البتہ میری امت سے وہ اقوام ہوں گے کہ حلال کریں گے زنا کو اور ریشمی کپڑے کو اور شراب کو اور آلات ملاہی کو اد

البتہ اتریں گے اقوام پہلو میں پہاڑ کے کہ شب کریں گے ان پر مویشی ان کے۔ آئے گا ان کے پاس کوئی محتاج کسی حاجت سے پس کہیں گے کہ کل لوٹ کر آنا ہمارے پاس پس ہلاک کر دے گا اُن کو اللہ تعالیٰ رات میں اور کہہ دے گا پہاڑ کو اُن پر کہ دب کر مر جائیں گے اور مسخ کرتا رہے گا اوروں کو جو ہلاک نہیں ہوئے۔ بندر اور سور کی طرف قیامت تک اس حدیث میں لفظ معازف کی چونکہ معرف بلام استغراق واقع ہوئی ہے اور اُس کے حلال کرنے والوں پر وعید آ گئی ہے۔ لہٰذا تمام معازف یعنی آلات ملاہی خواہ دف اور طنبور کی قسم ہو یا کوئی اور قسم حرام ہوں گے صرف وہ آلہ لہو جس کی رُخصت حدیث میں بسبب عوارض مخصوصہ کے آ گئی ہے۔ علت اس کی بعد محقق اسی عارضی کے بطور رُخصت ہوگی نہ بطور عزیست۔ لہٰذا وہی آلہ اگر اُس عارض کے ساتھ نہ ہو تو اپنی حرمت سابقہ پر بطور عزیمت قائم رہے گا۔

اقول اوّلاً تو یہ حدیث منقطع ہے۔ جیسا کہ نقادفن نے اس کی تصریح کی ہے۔ ثانیاً معازف کو معرف بلام استغراق قرار دینا ایک نیا طرز تضحیک اطفال ہے بچند وجوہ اوّل یہ کہ ان کے باقی رفقائے ثلاثہ یعنی حر و حریر و خمر جو اُس کے معطوف ہیں اور معرف باللام بھی ہیں ان پر کون سا لام ہے۔ استغراقیہ ہے یا غیر استغراقیہ۔ بصورت اول لازم آوے گا کہ جمیع افراد کا اشیاء ثلاثہ کے مقام اُمت پر حرام ہو جائیں۔ حالانکہ واقع میں اس طرح نہیں۔ کیونکہ حریر مثلاً عورتوں پر تو علی الاطلاق حلال ہے اور مردوں پر بھی بعض مواقع میں حلال ہے۔ مثلاً جہاد کے وقت بلکہ اگر کسی کے کپڑے کا حلم ریشم کا ہو وہ بھی بقدر چار انگشت حلال ہے اور جس کپڑے کا صرف تانا ریشم کا ہو اور بانا سوت وغیرہ کا ہو تو وہ بھی حلال ہے اور مچھر دانی وغیرہ بھی ریشم کی حلال ہے وغیرہ وغیرہ۔ بہت ریشم کی چیزیں مردوں پر بھی حلال ہیں بصورت ثانی نظم الکلام کے قواعد کا خلاف لازم آئے گا۔ جو افصح العرب والعجم کے شان سے بعید ہے۔ دوئم یہ کہ یہ قول اس کا تب صحیح مانا جا سکتا ہے۔ جب پہلے اس امر کو ثابت کر دیں کہ جو لام صیغہ جمع پر داخل ہو ہمیشہ استغراقیہ ہوا کرتا ہے۔ والامر لیس کذلک کما لا یخفی علی من تمارس بالایات القرانیۃ والاحادیث النبویۃ والمحاورات العربیۃ

سوم یہ کہ لام استغراقیہ کے کہنے سے ایک صعوبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس سے عموم وشمول جمیع افراد معازف کہنے پڑے۔ بعدہ دف وغیرہ کو استثناء کرنا پڑا۔ جس کی تکلیفات خود جناب کو کرنی پڑی۔ اگر لام استغراقیہ نہ کہتے تو ایسی تکلیفوں کے منہ میں نہ آتے۔

ع اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی۔

چہارم یہ کہ بفرض تسلیم کرنے لام استغراقیہ کے بھی مثبت مدعا نہیں۔ کیونکہ اس استغراق نے تو جمیع افراد معازف کو گھیرا۔ الا دوسری احادیث صحیحہ نے بعض معازف کو اس حکم سے مستثناء کر دیا۔ تو یہ عام مخصوص البعض ہوا جو مفید ظن ہوتا ہے۔ پہلے بھی خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی تھا۔ اب ظن در ظن آ گیا جو مقام استدلال میں قابل کار نہ رہی۔ یہ تمام جوابات الزامی تھے جواب تحقیقی یہ ہے کہ اگر المعازف کا لام استغراقیہ مانا جائے تو اس عبارت حدیث کا یہ معنے ہوگا کہ ایسے اقوام ہوں گے جو تمام معازف کو حلال سمجھیں گے۔ وہ مستحق وعید ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام معازف کو حلال نہ جاننا چاہتے تو اس وعید سے بچنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تمام معازف کو حرام جانے۔ دوسرے یہ کہ بعض کو حلال اور بعض کو حرام جانے۔ ہم تمام معازف کو کب حلال جانتے ہیں۔ بلکہ جو معازف مجالس صلحاء میں مستعمل ہوں صرف انہیں حلال جانتے ہیں۔ باقی جو محافل فساق میں مستعمل ہوں ان کو ہم بھی حرام جانتے ہیں۔ تو اس حدیث شریف نے فاضل معاصر کے مدعا کا اثبات تو ہرگز نہ کیا۔ کیونکہ اُن کا دعوے تو یہ تھا کہ تمام معازف حرام ہیں۔ البتہ ہمارے مدعا کا اثبات بخوبی کر دیا۔ ہمیں فاضل معاصر کا ممنون احسان رہنا چاہیے:

اگر خدا بسبب سازد از تفضّل خویش

ز دست دشمن بدخواہ می رسد امداد

حاصل جواب تحقیقی یہ ہے کہ حدیث شریف میں جو لفظ یستحلون المعازف مثلاً ہے۔ اب اگر اس لام کو جو المعازف پر ہے استغراقیہ مانا بھی جائے جیسا کہ فاضل معاصر نے کہا ہے تو یہ معنی ہوگا کہ ایسے اقوام ہوں گے جو تمام معازف کو حلال جانیں گے وہ مستحق وعید ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہوا

کہ تمام معازف حلال نہیں خواہ تمام حرام ہوں یا بعض حلال اور بعض حرام لیکن خارج سے معلوم ہے کہ تمام معازف تو حرام ہرگز نہیں۔ کیونکہ بعض معازف کی تو خود سرور عالم ﷺ وصحابہ کبار و تابعین رضی اللہ عنہم نے اجازت فرمادی ہے۔ مثلاً دف وعود وغیرہ جیسا کہ سابقاً شرعاً مذکور ہوا۔ تو بعض کا حرام ہونا متیقن ہوا۔ وہ بعض وہی ہے جس کی حرمت قرآن شریف میں بنابر بعض روایات کے ہے۔ اب لام استغراقیہ نے جناب کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ کیونکہ رفع ایجاب کلی سلب کلی کو مستلزم نہیں ہوتا۔ بلکہ سلب جزئی کو مستلزم ہوتا ہے مثلاً لیس کل حیوان انساناً کا مفہوم صریح تو رفع ایجاب کلی ہے۔ الا اُس کو سلب جزئی لازم ہے۔ اس واسطے کہ رفع ایجاب کلی کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ سلب کلی یا سلب جزئی اور دونوں صورتوں میں سلب جزوی لازم ہے وہی لازم ہوگی۔ پس سلب جزئی ضروریات مفہوم ولوازم رفع کلی سے ہے۔ غرض کہ حدیث شریف نے بھی جمیع انواع معازف کی حرمت کو ثابت نہ کیا۔ اگرچہ معازف کو معرف بلام استغراقیہ بھی مانا گیا اور واقعی حدیث شریف کو ایسی تعمیم شایاں بھی نہیں۔ کیونکہ خود حضور ﷺ نے بعض معازف کو سنا اور قرآن شریف نے بھی اس حرمت کو قیود ثلاثہ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ لام عہدی ہے۔ اس کا اشارہ ان معازف کی طرف ہے جو حرام ہیں۔ افسوس کہ فاضل معاصر نے بہت کچھ سر مارا اور بے جا تاویلیں کیں۔ مگر ویسے ہی خالی کے خالی رہ گئے۔

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

ہاں اگر اس حدیث شریف میں لفظ حرمت معازف کا ہوتا۔ جس سے نسبت ایجابی بنا کر لام استغراقیہ سے کلیت حاصل کر کے ایجاب کلی بنا لیتے تو البتہ جناب کی مطلب براری ہو جاتی۔ گو اس میں فعل رسول اکرم ﷺ وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تخصیص آیت کریمہ کا تخالف آ ہی جاتا۔ مگر جناب جیسے آدمی کو کیا پروا۔ سب کچھ چلا جائے مگر بات نہ جائے۔ معازف کا لفظ دیکھ کر اُس کے استغراق میں آ گئے لیکن اس کا سیاق نہ دیکھا:

راز درونِ پردہ زمستان دوست پرس

کایں حال نیست قاہ

قال مثلاً حلت دف کی بعوارض عید ونکاح وغیرہ کے پر ثابت ہوئی ہے۔ لہٰذا جب یہ عوارض پائے جائیں گے تو فرمان بطریق رُخصت ہوگا اور نہ پائے جانے کی تقدیر پر دف حرام بطریق عزیمت رہے گا۔ اقول:

نہ پائمال کرو دل کے ہاتھ مہندی کو

کسی کا خون کرے گی حنا سنو تو سہی

اوّلاً تو بیان نہ کوئی عزیمت ہے نہ رُخصت کیونکہ عزیمت اُن احکام کا نام ہے جو پہلے وارد ہوں اور رُخصت وہ جو بعوارض اعذار بعد میں شرعاً صادر ہوں۔ اب چونکہ دف کی حرمت میں کوئی نص شرعی وارد ہرگز نہیں ہوئی۔ تو پھر عوارض معذور کی وجہ سے اُس کی رُخصت لینے کی ضرورت کیا ہے اور اگر کہیں کہ جمیع انواع معازف میں دف بھی داخل ہے اور اُن کی حرمت سے دف کی حرمت بھی آ گئی۔ میں کہتا ہوں کہ جمیع انواع معازف کی حرمت تو پہلے ثابت کریں۔ یہ تو نہ قرآن شریف سے ثابت ہوتی اور نہ حدیث شریف سے جیسا کہ پہلے یہ متحقق ہو گیا ہے۔ اب اعادہ کی حاجت نہیں اور اگر بحسب زعم خود عموم نص بنا کر اس میں دف کو داخل کر کے حرام بنا دیں اور پھر احادیث سے اس کی تخصیص کریں تو اس سے جناب کو دوگونہ سستی آ جائے گی۔ ایک تو بوجہ عام مخصوص البعض ہونے کے عام کی قطعیت رُخصت دوسرے دف ہمیشہ کے لیے حلال ہو گئی۔ ثانیاً دف کی احادیث میں تو جناب نے عزیمت و رُخصت سے جان چھڑا لی۔ مگر عود وغیرہ جن کو بڑے جلیل صحابہ و تابعین و تبع تابعین نے سنا ہے اور ان کی حلت کا فتویٰ بھی دے دیا۔ جس کی تفصیل سابقاً مذکور ہوئی اس کا جواب کس عزیمت و رُخصت میں لائیں گے۔

قال اور باقی رہا اعتراض انقطاع کا حدیث پر جیسا کہ حافظ ابن حزم ظاہری اور اُن کے اتباع نے کیا۔ منشا اس کا تساہل و تشدد واقع ہوا ہے۔ ترویج مذہب فاسد یعنی تحلیل غنا و معازف

ہیں اور حدیث فی نفسہ صحیح ہے متصل الاسانید بطریق متعددہ ہے قال ابن الصلاح فی مقدمته ولا التفات الیٰ ابی محمد بن حزم الظاهری الحافظ فی رد ما اخرجه البخاری من حدیث ابی عامر وابی مالک الاشعری عن رسول الله ﷺ لیکونن فی امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف (الحدیث) من جهة ان البخاری اورده قائلا قال هشام بن عمار وساقه باسناده فزعم ابن حزم انه منقطع فیما بین البخاری وهشام وجعله جوابا عن الاحتجاج به علی تحریم معازف واخطأ فی ذالك من وجوه والحدیث صحیح معروف الاتصال بشرط الصحیح انتهی وقال ابن حجر المکی فی الزواجر عن اقتراف الکبائر صح من طرق صحیحة لا مطعن فیها وصححه جماعة اٰخرون من الائمة کما قاله بعض الحفاظ ومن عجیب لتساهل ابن حزم واتباعه لهواه انه بلغ من التعصب الیٰ ان حکم علیٰ هذا الحدیث وکل ما وارد فی الباب الوضع وهو کذب صراح منه فلا یحل لاحد التعویل علیه فی شئ من ذالك انتهی ملتقطا وقال السخاوی فی فتح المغیث حکم بعدم اتصاله بل وما اکتفی حتی صرح لا جل تقریر مذهبه الفاسد فی اباحة الملاهی بوضعه مع کل ما فی الباب واخطاء فقد صححه ابن حبان وغیره من الائمة ووقع لی من حدیث عشرة من اصحاب هشام عنه بل ولم ینفرد به کل من هشام وصدقه ابن جابر انتهی ملتقطا وقال الاستاذ العلام ادخله الله تعالیٰ فی دارالسلام فی ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی وقول ابن حزم انه لا یصح فی هذا الباب شئ خطأ فان الحدیث المذکور معروف الاتصال بشرط الصحیح عند ائمة الحدیث انتهی جبکہ معترضین حفاظ نے حدیث مذکور کی تصحیح کر دی تو جتنے اعتراض ماسوا انقطاع کے مثل تضعیف صدقہ کی اور اضطرابات لفظیہ اور معنویہ کے اس پر کیے گئے وہ بھی دفع ہو گئے۔ کیونکہ حدیث درجہ صحت کو اس وقت پہنچتی ہے کہ جب اس قسم کے علل قادحہ سے خالی ہو۔

اقول چونکہ اس حدیث کا مفاد نہ فاضل معاصر کو مفید اور نہ ہمیں مضر بلکہ ہمیں مفید جیسا کہ

پہلے مذکور ہوا۔لہٰذا اس کی جرح تعدیل سے بحث کرنی فضول سمجھ کر اس کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ ورنہ قاعدہ اصول حدیث الجرح اذا کان مفسر مقدم علی التعدیل کے رو سے اس حدیث کی فاضل کے جوابات سے ضعف سے جان نہیں چھوٹتی۔

قال علاوہ اس تصحیح کے شواہد حدیث کے جامع ترمذی وغیرہ میں موجود ہیں کہ جن سے تقویت اس کی من حیث اثبات مدعا کے بخوبی ہوتی ہے۔

اقول اس حدیث کی سند میں علی بن یزید ہے اور اس کو محمد بن اسماعیل بخاری نے ضعیف کہا ہے۔

قال یہ شواہد اگرچہ اپنے ثبوت میں فی نفسہا ضعیف ہیں۔

اقول اچھا ہوا کہ جناب نے اپنے منہ سے اپنے دلائل کو ضعیف کہہ دیا۔

قال مگر حدیث مذکور سے کاسب قوۃ ضرور ہیں۔

اقول جب حدیث بنا بر تصریح نقاد الفن کے منقطع ہوئی اور منقطع اقسام مردود سے ہوئی اور شواہد بھی ضعیف ہوئے جس کو خود جناب پہلے تسلیم کر بیٹھے ہیں۔تو قوت کہاں سے لا کر دے گی۔

قال پس شواہد اور حدیث ہر ایک سے دوسرے کی تقویت ہوگی۔فرق اس قدر ہوگا کہ شواہد سے تقویت حدیث کی من حیث ظہور مرام و اثبات مدعا کے ہوگی اور حدیث سے تقویت شواہد کی من حیث اُن کے ثبوت کے ہوگی۔

اقول حدیث ضعیف بحسب تصریح اصولیین مقام استدلال میں یعنی اثبات حرام و حلال میں ہرگز کارگر نہیں ہوتی۔البتہ فضائل اعمال میں کام دے سکتی ہے اور حدیث منقطع جو اقسام مردود سے ہے وہ بھی قابل عمل نہیں ہوتی۔اب نہ وہ حدیث جس کو امام بخاری نے روایت کیا قابل کار اور نہ وہ احادیث قابل عمل جن کو ترمذی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔تو ایک نے دوسرے کو کیا مدد دی۔ علاوہ ازیں یہ احادیث ہمارے مدعا کے برخلاف نہ ہونے کی وجہ ہم چنداں بحث کرنی مناسب نہیں جانتے۔گو قبل ازیں حرمت سماع کے بارہ میں محرمین نے بہت کچھ تگ و پو کیا اور نہ بنتے

دلائل کو پیش کر کے پھر اُن کی اُلٹ پلٹ تاویلیں کر کے اپنا مدعا اپنے زعم میں ثابت کر دیا لیکن جو چال فاضل معاصر چلے ہیں کالغریق یتشبث بکل حشیش شاید ایسی چال پہلے سے کوئی بھی نہ چلا ہو۔ چنانچہ خود آخر رسالہ میں انصافاً اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے میں اُمید کرتا ہوں کہ محرمین کہ جن کے پاس سوائے چند سادہ تقریروں کے کوئی ذخیرہ دلائل موجود نہیں تھا۔ اب اُن کے پاس انبار وجوہات خواہ خلاف واقعہ کیوں نہ ہوں تیار ہو گیا ہے۔

مزار شہیدوں پہ قاتل یہ بولا
یہ سب گھر ہمارے بسائے ہوئے ہیں

قال اور یہ شواہد و حدیث صرف اتنی ہی قوت پر محصور نہیں بلکہ یہ ہر عصر میں جمہور محدثین و فقہا کے معمول بہا ہونے کے سبب سے قوۃ میں حد تواتر عملی کو پہنچ گئے۔ لہٰذا ہر ایک بوجہ متواتر العمل ہونے کے قطعی ہوگا۔ گو فی نفسہ اس درجہ کا نہ ہو۔

اقول کلا و حاشا بلکہ ہر عصر میں محدثین و فقہاء کا دستور العمل اباحت سماع پر رہا ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

قولہ تواتر عملی آہ اقول اہل حرمین شریفین کا اتفاق اور جلیل القدر صحابہ اور علماء مجتہدین و مقلدین کا عملدرار اور اس کے برخلاف ہونے سے تواتر عملی کیا ہوا۔

قال اسی وجہ سے مقام اثبات حرمت میں اسی قسم کی احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ حال آنکہ مثبت حرمت ضعیف کیا بلکہ ظنی بھی نہیں ہوتا۔ اقول یہی تو جناب کی زبردستی ہے کہ خود جانتے بھی ہیں کہ اثبات حرمت کے لیے دلائل تو یہ کا ہونا ضروری ہے پھر بھی دیدہ و دانستہ روایات ضعیفہ اپنے مدعا کے اثبات کے لیے پیش کرتے ہیں:

نیست جر مش ز بانگ بے ہنگام
چہ کند بینوا ہمیں وارد

قال اور شاہد اس تواتر عملی اور تحقق قطعیت اور ثبوت حرمت پر محدثین اور فقہاء کی عبارات

کثیرہ ہیں۔اقول ہر ایک عبارت کی توضیح وجواب ساتھ ہی سنتے چلئے:

حدیث قال اقول است درد سر مطرب

بیا بہ زیر و بم آسائیم بچنگ و رباب

قال فی شرح السنۃ للبغوی اتفقوا علیٰ تحریم المزامیر والملاهی

اقول اس عبارت سے جناب نے کیا سمجھا۔اگر جمیع انواع مزامیر و ملاہی سمجھے ہیں تو یہ مزامیر جناب کے نزدیک بھی مباح ہیں۔وہ بھی اس حرمت میں آ گئے جس سے صحیح احادیث کا مقابلہ کرنا پڑا اور اگر بعض سمجھے ہیں تو جناب کے مدعا کا برخلاف بلکہ ہمارے مدعا کا اثبات ہو گیا۔ کیونکہ بعض مزامیر جو بغرض لہو ولعب یا مجالس فساق میں بجائے جائیں تو ہم بھی حرام کہتے ہیں۔

قال وفی المهذب ویحرم استعمال الآلات المطربة من غیر غناء کالعود و الطنبورہ الکوبۃ والطبل والمزمار اقول یہ عبارت جناب کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔کیونکہ اس کا مفاد یہ ہے کہ صرف مزامیر بجائے جائیں۔طور سخن وغیرہ ہرگز نہ بولا جائے۔اس میں تو بحث بھی نہیں۔بلکہ بحث اس میں ہے کہ راگ کے ساتھ اگر مزامیر بجا کر اہل حال کو محظوظ کیا جائے کیا یہ حلال ہے یا حرام۔ظاہر اس عبارت کا اس امر کو مقتضی ہے کہ مزامیر اگر گانے کے ساتھ بجائے جائیں تو جائز ہے۔کیونکہ حرمت مزامیر کو من غیر غنا کے ساتھ مقید کر دیا ہے تو اس کا مفہوم ضرور معتبر ہوگا۔میں حیران ہوں کہ ایسی عبارتوں کو جو نہ منطوق مثبت مدعا ہو اور نہ مفہوم بلکہ مخالف ہو رسالہ میں درج کرنے سے کیا فائدہ اور زیادہ تعجب اس عبارت کے ترجمہ پر ہے جو جناب کے شان سے تو بعید ہے۔شاید کسی شاگرد رشید نے یہ ترجمہ کر کے اپنے استاذ کو بدنام کر دیا ہو۔

قال وفی الغنیۃ فان حضر منکر کالطبل والمزمار والعود والساهی والرباب والمعازف والطنابیر والسین والشابۃ والجمع ان درك یلعب بہ الترك لا یجلس هناك لان جمیع ذالك محرم

اقول اس عبارت میں جس قدر آلات شمار کیے ہیں اُن میں بعض تو ایسے ہیں جن کو صحابہ کبار

اور علماء نامدار نے بھی سنا۔ اب اُن سب کو حرام کہہ دینا یا تو اس وجہ سے ہے کہ بغرض لہو ولعب مستعمل ہوں یا اس وجہ سے کہ مجالس فسق میں بجائے جائیں۔ ورنہ جس چیز کو صحابہ کرام استعمال کریں اس کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔

قال وفی مدخل بن الحاج واما العود والطنبور وسائر الملاهی محرم ومستمعه فاسق

اقول ہاں بشرطیکہ بغرض فاسد ہوں والا نہ۔

قال وفی شرح للنظومة والانکحة التی تعقد فی مجالس لملاهی والمزامیر تکون مختلفاً فیها بوجهین احدهما بفسق الولی لانه الذی احضر الملا هی والمعازف وامرهم بذالك واعطی للغنین علی ذالك الاجرة الثانی ان الحاضرین صار وافسقة لاستماعهم ذالك فلم یبق الولی ولیاً ولا الحاضرون شهود عنده فلا یتعقد عند الشافعی النکاح ولیحترز عن ذالك

اقول ان ملاہی اور مزامیر میں دف داخل ہے یا نہ اگر داخل ہے تو حدیث الفصل بین الحلال والحرام الدف والصوت اس کی بیخ کنی کر دے گی اور اگر داخل نہیں ہے تو جس تاویل سے جناب اس کو اس عبارت کے عموم سے خارج یا مستثنا کریں گے ہم بھی اسی تاویل سے بعض مزامیر مروجہ کو نکال لیں گے۔ جس سے جناب تکتے رہیں گے اور مدعا ہاتھ سے چلا جائے گا۔

قال وفی حاشیة درالمختار للطحطاوی وفی الذخیرة الرقص کبیرة وفی البزازة حرمه بالاجماع وافتی جلال الملة والدین الکرمانی بان مستحله کافر

اقول اب جناب رقص میں آ گئے۔ اس عبارت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جمیع انواع رقص حرام ہیں۔ بلکہ وہی رقص حرام ہوگا جو بغرض فاسد ہو۔

تحقیق المرام فی هذا المقام یه کہ رقص اضطراب اور حرکات غیر عادیہ کا نام ہے یہ دو قسم پر ہے۔ مذموم ومحمود رقص مذموم کی چند صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ مجلس فساق میں سماع یا غیر سماع

میں اوباش کھیل کود کریں۔ جس کو ہماری پنجابی میں جھمبر کہتے ہیں۔ اس سے ان کی غرض لہو ولعب ہی ہوتی ہے اور اس میں حرکات موزونہ ہوتے ہیں۔

دوسری یہ کہ رقص پیشہ لوگ عام ازیں کہ مرد ہوں یا عورتیں تماشا بنا کر حاضرین کو خوش کریں۔ اس سے ان کی غرض حصول دنیا ہوتی ہے۔

تیسری یہ کہ مجلس سماع میں کوئی عامی آدمی جس کو درد دل کا احساس تو ہرگز نہیں الا بمراد نمائش رقص کر کے لوگوں کو دکھائے۔ اس کا مقصد ریا ہوتا ہے۔ یہ تمام صورتیں رقص مذموم کی ہیں۔ ایسا رقص شرعاً حرام ہے۔ یہی رقص محمل اُن تمام روایات کا ہے جن میں حرمت بلکہ بعض روایات میں تو کفر بھی مذکور ہے اور زیادہ مذموم وہ رقص ہے کہ ہمارے زمانہ میں شادی وغیرہ کے موقعہ میں عام طور پر عورتیں جمع ہو کر جھمر مارتی ہیں۔ ان کے درمیان میں مغنی مرد ڈھولک بجاتا ہے اور ان کے اردگرد مردوں کی صفیں ہوتی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالك القباحة ان تمام صور کی حرمت میں تو کوئی بھی اہل اسلام شک نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کے مقاصد فاسد ہیں اور اغراض کاسد والامور بمقاصدھا اور رقص محمودہ ہے۔ جو کسی اہل حال پر بسبب سماع سخن لطیف وجد وارد ہوا اور اُس کے ضبط سے مغلوب ہو جائے جس سے بے اختیار ہو کر اضطراب وحرکات غیر عادیہ اُس سے صادر ہوں۔ یہ رقص نہایت ہی محمود ہے۔ اس کا انکار تو حیوانات غیر ناطقہ بھی نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ انسان اونٹ کا رقص کرے کہ جو بوقت سماع حداد کے تمام عجم وعرب میں مشہور ومعروف ہے۔ مولانا مولوی سعدی شیرازی نے گلستان میں اسی مضمون کی ایک حکایت لکھی۔ اس کا یہاں نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حکایت وقتے در سفر حجاز طائفہ جوانان صاحب دل ہمراہ ما بودند۔ ہمدم وہم قدم وقتہا زمزمہ بکردندے۔ و بیتے محققانہ بر گفتندے۔ و عارفے بر سبیل منکر حال درویشاں بود و بے خبر از درد ایشاں۔ تا برسیدیم بخیل بنی ہلال کودک سیاہ از حی عرب بدر آمد۔ آوازے بر آورد کہ مرغ از ہوا آورد واشتر عابد را دیدم کہ برقص اندر آمد و عابد را بینداخت وراہ بیاباں گرفت و برفت۔ گفتم اے

شیخ درحیوانے اثر کرد و ترا ہچناں تفاوت نمی کند

دانی چہ گفت مرا آں بلبل سحری
تو خود چہ آدمی کز عشق بے خبری
اشتر بشعر عرب در حالتست و طرب
گر ذوق نیست ترا اکثر طبع جانوری
عند ھبوب الناشرات علی الحمی
یمیل غصون البان لا الحجر الصلا
بذکرش ہر چہ بینی در خروش است
ولے داند دریں معنے کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانے ست
کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانے ست
جہاں پر سماع است و مستی و شور
ولیکن چہ بیند در آئینہ کور

ان حالات کی وقعت اسی شخص کو ہوتی ہے جس کو درد دل کا کچھ احساس یا اثر ہو بے درد کا کام نہیں کہ ایسی باتیں سمجھے:

گفتن از زنبور بے حاصل بود
بایکے در عمر خود ناخوردہ نیش

تکمیل چونکہ رقص کے دوران میں وجد کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ لہٰذا بہت مناسب ہے کہ قارئین کرام کی آ گاہی کے واسطے اس کی تفصیل بھی کی جائے۔

جاننا چاہیے کہ سماع کے دو مقام ہیں (اوّل) الفاظ مسموعہ کا فہم جس کے باعتبار اختلاف احوال سامعین چار حالتیں ہیں:

حالت اولیٰ یہ کہ سامع سوائے تلذذ خوش الحانی کے اور کچھ نہ جانتا ہو

کہ صاحب سیر المشائخ نے لکھا ہے کہ جب حضرت شیخ ابو اسحاق شامی چشتی سماع میں ہوتے تمام حاضرین مجلس وجد کرنے لگتے اور در و دیوار سب جنبش اور حرکت کرنے لگتے اور جو کوئی آپ کی مجلس سماع میں حاضر ہوتا۔ پھر وہ ہرگز گناہ کے گرد نہ ہوتا اور آپ اہل دول اور امیروں کو مجلس میں حاضر نہیں ہونے دیتے تھے۔ اگر کسی کو غرض ہوتی اوّل دنیا سے ہاتھ دھوتا بعد مجلس پاک حضرت شیخ ابو اسحاق میں حاضر ہوتا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اہل دنیا کو آپ مجلس سماع میں کیوں نہیں آنے دیتے۔ آپ نے کہا اہل سماع تمام اہل لطافت ہیں اور اہل دنیا سب اہل کثافت، لطافت اور کثافت میں ضد اصلی ہے الضدان لایجتمعان اھل لطافت سب طالب خدا ہوتے ہیں اور اہل کثافت سب طالب دنیا ہیں۔ طالبان خدا و طالبان دنیا کے درمیان مناسبت نہیں کہ آپس میں جمع ہوں۔ آپ نے کہا کہ سماع کے واسطے اخوان شرط ہے۔ اُس دم سب کے دل حق کی طرف متوجہ ہوں اور طالب دیدار دوست کے ہوں اگر ایک کا دل سماع میں متفرق ہو سب کا دل متفرق ہو جاتا ہے الفقراء کنفس واحد سر اس بات کا ہے۔ پس اہل دنیا کہ طالب دنیا ہیں اہل سماع کے لائق نہیں کہ اُن کو مجلس میں حاضر کرے۔ کیونکہ اس وقت اہل سماع سماع میں ہوتے ہیں اور سماع میں اسرار الٰہی ظاہر ہوتے ہیں اور دل اہل سماع کا آئینہ کی طرح مصفا ہو جاتا ہے اور عکس پذیر ہوتا ہے اور اہل سماع روشن ضمیر ہو جاتے ہیں۔ اُس وقت اگر اہل دنیا حاضر ہوئے کہ وہ دوستدار دنیا ہے صورت دنیا مردار کی اہل دنیا کی دل پر منقش ہے۔ حضوری دل اہل دنیا سماع کے وقت کا شوش ہے۔ اس سبب سے اہل سماع اہل دنیا کو مجلس میں نہ آنے دیں تو فراغ خاطر سے سماع نہیں علیٰ ہذا القیاس بہت اولیاء کرام و صفیائے عظام اس مجلس سماع میں بہرہ ور و کامیاب ہوئے۔ بلکہ بہتوں نے اس وجد میں اپنی جان دے کر وصال محبوب حاصل کر لیا۔ جیسا کہ خواجہ قطب عالم بختیار اوشی کاکی رحمۃ اللہ علیہ اس وصیت کے سننے سے واصل بحق ہوئے:

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

احیاء العلوم میں ہے کہ سیّد الطائفہ جنید بغدادی اور سری سقطی و ذوالنون مصری سماع سنتے تھے۔ایک شخص شیخ جنید بغدادی کی رفاقت میں تھا جب سماع سنتا تو چیخ مارتا تھا۔ایک دن شیخ جنید نے اس کو فرمایا کہ اگر تم نے پھر چیخ ماری تو میں تجھے اپنی رفاقت سے ہٹا دوں گا۔ بعدہ جس مجلس میں بیٹھتے تو وہ اپنے وجود کو ضبط کر لیتا۔ یہاں تک کہ اس کا سینہ پھٹ گیا اور واصل بحق ہوا۔علی ہذا القیاس اس وجد کے اضطراب میں ہزاروں اہل اللہ کی جانیں مقصد اعلیٰ کو پہنچیں۔حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں:

عجب از کشتہ نباشد بدر خیمہ دوست

عجب از زندہ کہ چوں جاں بدرم آورد سلیم

امام غزالی نے کہا ہے کہ وجد دو قسم ہے۔اوّل یہ کہ اس کا اثر حواس ظاہرہ پر ہو اور حالت مستمعان پر تغیر آ جائے۔جیسا کہ شوق یا غم یا خوشی یا قبض یا بسط وغیرہ کے آثار جوارح میں نمودار ہوں۔مثلاً رقص یا تصفیق یا جزع فزع و گریہ زاری وغیرہ حرکات غیر عادیہ صادر ہو جائیں۔یہ رقص چونکہ وجد کا اثر مرتب ہے۔لہٰذا یہ حق ہے اس کو حرام یا باطل کہنا سراسر جہالت و ضلالت ہے۔بلکہ بعض رقص ایسے بھی ہیں جو کہ اس وجد کے سوا ہیں اور وہ بھی شرعاً جائز ہیں۔حضور سیّد الکونین ﷺ کے زمان اقدس میں مسجد نبوی میں حبشیوں کا رقص کرنا اور بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضور کریم ﷺ نے اپنے پہلو کے ساتھ کھڑا کر اُن کا تماشا دکھانا جیسا کہ صحیح احادیث میں موجود ہے اس کی اول دلیل ہے۔علاوہ بریں احیاء العلوم میں ہے کہ خود صحابہ کبار رضی اللہ عنہم سے بوقت فرحت و سرور کے رقص کرنا منقول ہے۔جب امیر حمزہ کی لڑکی کی پرورش میں حضرت علی و جعفر و زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم نے تنازعہ کیا تو آپ ایک ایک لفظ ہر ایک کو فرماتے گئے اور وہ اس لفظ کی خوشی میں آ کر رقص کرنے لگے۔یہ بھی رقص کی دلیل ہے۔جس کی تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ

میں حیران ہوں کہ فاضل معاصر کس جرأت سے رقص کی حرمت کے قائل الا ان یراد من الرقص ھو القسم الاوّل ولاشك فی قباحته ثانی یہ کہ اُس وجد کا اثر حواس باطنہ ہی پر متصور ہو۔ یعنی مطالب علیا کو پہنچ کر مکاشفات و مشاہدات محبوب حقیقی کی لذت میں محظوظ ہو جائیں اور جوارح پر بالکل کوئی بھی اثر نہ ہو۔ یہ نہایت کمالیت کا درجہ ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول کنا کذالك کما انتم الیوم کا اسی طرف اشارہ ہے۔ امام غزالی نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو اضطراب جوارح وجد میں ہو اُس کو ساکن سے زیادہ وجد میں گمان نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ کبھی ساکن کا وجد متحرک کے وجد سے زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ جنید سے ابتدا حال میں بہت حرکات واضطرابات وجد میں صادر ہوتی تھیں۔ پھر بعد میں وہ حالات وحرکات نہ رہے۔ کسی نے آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ فرمایا کہ دل متحرک ہے اور جوارح ساکن اور ابوالحسن محمد بن احمد کہتے ہیں کہ میں نے سہل بن عبداللہ سے ساٹھ سال صحبت کی۔ کبھی ان کو ذکر اور قرآن شریف کے سننے میں تغیر نہیں آیا تھا۔ آخر عمر میں ایک دن یہ آیت فالیوم لا یوخذ منکم فدیۃ سن کر کانپنے لگے اور گرنے کے قریب ہو گئے۔ جب اپنی حالت افاقہ پر آئے تو میں نے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے کہا کہ اب میں ضعیف ہو گیا ہوں اس لیے تغیر آ گیا ہے۔ الحمدللہ علی احسانہ کہ میرے قبلہ وکعبہ سیدی وسندی ماہر انوار شریعت واقف اسرار طریقت مخزن رموز حقیقت سیّد السالکین امام العارفین غوث زمان قطب عالم حامی الاسلام والمسلمین شیخی مرشدی مولائی حضرت خواجہ حافظ غازی حاجی محمد ضیاء الملۃ والدین مسند آرائے سیال شریف قدس اللہ تعالیٰ اسرارہ العزیزہ کو بھی یہی منصب حاصل ہے۔ یعنی حضور کو بھی بوقت سماع کبھی جوارح میں تغیر نہیں آیا اور نہ کبھی حرکت غیر عادیہ یا اضطراب ظاہری وجود مسعود سے سرزد ہوئیں۔

مت تڑپنا دیکھیو خنجر تلے اے صید دل
عشق کے مقتل میں دست و پا ہلانا منع ہے

صرف حضور کی چشمان مبارک سے وجد کے علامات معلوم ہوتے ہیں جو نہایت سرخ و لعل

ہو جاتی ہیں:

چہ گویمت کہ ز سوز دروں چہ می بینم
ز چشم پرس حکایت کہ من نیم غماز

الحاصل سماع، وجد اور رقص حق ہیں۔ اُن کا انکار صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کو اس نعمت عظمیٰ سے محرومی ہے۔ زیادہ تر شقی وہ شخص ہے جو علاوہ کفار کے اولیاء اللہ کے حالات پر طعن کی زبان دراز کرتا ہے:

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

اور یہ نہیں جانتے کہ ان بزرگان پر طعن کرنا خداوند تعالیٰ کے غضب کا سزاوار بنتا ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

گنج قاروں کہ فرد میرد داز قعر ہنوز
خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشان است

اس کی وجہ علامہ شامی لکھتے ہیں فیه دلیل لسادا تنا الصوفیة الذین یفسدون بسماعها امور اهم اعلم بها فلا یبادر المعترض بالانکار کیلا یحرم برکتهم فانهم السادات الاخیار ایدنا الله تعالٰی مجداداتهم واعاد علینا من صالح دعواتهم وبرکاتهم انتهی مع ترجمہ اور حافظ شیرازی فرماتے ہیں:

اے دل آنجا بادب باش کہ سلطان و ملوک
ہمہ در بندگی حضرت درویشان است

قال وفی الدر المختار ومن یستحل الرقص قالوا بکفره ولا سیما بالدف یلهو ویزمر

اقول اس رقص سے رقص مذموم مراد ہے جس کی تفصیل عنقریب گزری اور سیاق عبارت بھی

اسی کا مقتضی ہے اور علامہ شامی نے اس کی شرح میں پوری تحقیق کر کے فیصلہ کر دیا ہے کہ جو رقص یا وجد محمود ہے وہ شرعاً جائز ہے جیسا کہ عنقریب ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

قال وفی ردالمحتار قوله ومن يستحل الرقص ،المراد به التمائل والخفض والرفع بحركات موزونة كما يفعله من ينتسب الى التصوف

اقول لیجیے علامہ شامی نے میری سابقہ تقریر کی حرف بحرف تصدیق کر دی ہے۔ کیونکہ رقص اضطراری میں حرکات وسکنات وخفض موزونہ نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ تمام اوصاف رقص اختیاری یعنی مذموم کے ہیں۔

قال وقد نقل فی البزازية عن القرطبی اجماع الائمة على حرمة الغناء وضرب القضيب والرقص

اقول فاضل معاصر نے اس عبارت کے نقل کرنے میں اپنی ایمانداری کی قلعی کھول دی اور دیانت داری کا شیرازہ بکھیر دیا جو ردالمختار ہمارے پنجاب میں مطبع میمنہ مصر سے چھپ کر آئی ہے اس میں تو بجائے (حرمة الغنا) کے حرمة هذا الغنا ہے لیکن جناب نے ہذیۃ اپنے مدعا کے برخلاف جان کر چھوڑ دیا اور مطلق غنا کی حرمت ذکر کر دی واقعی جناب کا مطلب تو اطلاق ہی سے نکلنا تھا۔ وہ ہذیۃ کو کب پسند کرتے۔ اعتبار جائے تو چلا جائے لیکن بات کیوں جائے۔ اب میں کہتا ہوں کہ جو غنا اور ضرب القضيب اور رقص مخصوص مذکور ہیں ان کی حرمت پر اجماع کا ہونا قابل تسلیم ہے۔ کیونکہ یہ سماع مجالس فساق یار یاکاران کا ہے اور اس کی مذمت وقباحت بار ہا مذکور ہوئی لیکن اس سے علی الاطلاق حرمت ثابت نہیں ہوتی جس سے فاضل معاصر کامیاب ہوتے اور خوشی کے گیت گاتے۔

قال رأيت فتوى شيخ الاسلام جلال الملة والدين الكرمانی ان متحلل هذا الرقص كافر وتمامه فی الوهبانية

اقول اس عبارت سے بھی مطلق رقص کی حرمت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ رقص کو مخصوص

بالا شارہ کر کے وہی رقص مراد لیا جو پہلے مذکور ہوا جو شرعاً مذموم ہے نہ مطلق رقص۔ علاوہ بریں ہمارے ملک پنجاب کی شامی میں تو تمامہ فی شرح الوہبانیہ ہے اور جناب فی الوہبانیہ لکھتے ہیں۔ شاید ہندوستان جنت نشان کی شامی میں اسی طرح ہو جس طرح جناب لکھتے ہیں:

قال وایضاً فیه وقال شارح زاد وفی الجوهرة وما یفعله متصوفة زماننا حرام لا یجوزا لقصد والجلوس الیه ومن قبلهم لم یفعل ذالک

اقول وباللہ التوفیق

واعظ کہ دی نصیحت میکرد عاشقاں
امروز مست دیدم تقوے بباد دادہ

فاضل معاصر نے اپنے رسالہ کے آخر میں جہاں وجوہات معاملین سماع کی تردید کرتے ہیں فرماتے ہیں۔ ثامن یہ کہ تحلیل بعض معازف میں بعض اکابر علماء کے قول کو نقل کر کے سکوت کرتے ہیں اور ان کے قول محرم کو پیش نہیں کرتے۔ انتہی افسوس کہ اس مقام میں خود جناب نے یہی سلوک کیا۔ کیونکہ ردالمختار کی عبارت جہاں تک تو جناب کو اپنے مطلب کے مفید نظر آئی اس کو نقل کر لیا اور جب قول محقق تصفیہ کن آ گیا۔ جس کو جناب نے اپنے مطلب کے برخلاف سمجھا تو اس کو بالکل ترک کر دیا۔ اب اگر اس کا نام ایمانداری ہے تو جناب محللین کو اس کا الزام لگا کر عیب کیوں جانتے ہیں اور اگر اس کا نام خیانت ہے تو اس میں جناب کا نمبر اول نکلا۔ بہر حال یہ چال مذموم ہے۔ یا ایها الذین امنوا لم تقولون ما لا تفعلون کبر مقتاً عند اللّٰہ ان تقولوا ما لا تفعلون اب ہم اس عبارت ردالمختار کو بتمام نقل کر کے پیش کرتے ہیں جس سے قارئین کرام کو روشن ہو جائے گا کہ فاضل معاصر نے کس قدر ایمانداری سے کام لیا ہے:

قوله (ومن یستحل الرقص قالوا بکفره) المراد به التمائل و الخفض والرفع بحرکات موزونة کما یفعله من ینتسب الی التصوف وقد نقل فی البزازیة عن القرطبی اجماع الائمة علی حرمة هذا الغناء وضرب القضیب والرقص قال ورایت فتوی شیخ

الاسلام جلاله الملة والدين الكرمانی ان مستحل هذا الرقص کافر وتمامه فی شرح الوهبانية ونقل فی نور العين عن التمهيد انه فاسق لا کافر ثم قال التحقيق القاطع للنزاع فی امر الرقص والسماع يستدعی تفصيلا ذکره فی عوارف المعارف واحياء العلوم وخلاصة ما اجاب به العلامة النحرير ابن کمال باشا بقوله

ترجمہ کا خلاصہ: یعنی رقص سے مراد ٹیڑھا ہونا اور نیچا اونچا ہونا حرکات موزونہ کے ساتھ جیسا کہ وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے آپ کو صوفی کہلاتے ہیں اور بزازیہ میں قرطبی سے اس غنا اور قضیب کے مارنے اور رقص پر اجماع اماموں کا منقول کیا ہے۔ کہا میں نے دیکھا ہے شیخ الاسلام جلال الملۃ والدین کرمانی کا فتویٰ کہ اس رقص کے حلال جاننے والا کافر ہے اور تمام اس عبارت کا شرح ورہبانیہ میں ہے اور نور العین میں تمہید سے منقول ہے کہ فاسق ہے کافر نہیں۔ پھر کہا کہ تحقیق نزاع کے قطع کرنے والی رقص اور سماع کے بارہ میں تو تفصیل کو تقاضا کرتی ہے جو کہ عوارف المعارف اور احیاء العلوم میں مذکور ہے اور خلاصہ اس کا وہ ہے جو شیخ الاسلام ابن کمال باشا نے ذکر کیا ہے۔

مَا فِی التَّوَاجُدِاِنْ حَقَّقْتَ مِنْ حَرَجَ وَلَا التَّمَائِلُ اِنْ اَخْلَصْتَ مِنْ بَاسٍ فَقُمْتَ تَسْعٰی عَلٰی رِجْلٍ فَحَقٌّ لِمَنْ دَعَاہُ مَوْلَاہُ اَنْ یَّسْعٰی عَلَی الرَّاْسِ الرخصة فی ما ذکر من الا وضاع عند الذکر والسماع للعارفين الصارفين اوقات هم الٰی احسن الاعمال السالکين المالکين لضبط انفسهم عن قبائح الاحوال فهم لا يستمعون الا من الالة ولا يشتاقون الا له ان ذکروه فاجوا وان شکروه باحوا وان وجدوه صاحوا وان شهدوه استرحوا وان سرحوا فی حضرة قربة حوا واذا غلب عليهم الوجد بغلباته وشربوا من موارد اراداته فمنهم من طرقة طوارق الهيبة فخر وذاب ومنهم من برقت له بوارق اللطف فتحرك وطاب ومنهم من طلع عليه الحب من مطلع القرب فسکرو غاب۔ هذا ما عن لی فی الجواب والله تعالٰی العلم بالصواب

وَمَنْ يَّكُ وَجْدُهٗ وَجْدًا صَحِيْحًا فَلَمْ يَحْتَجْ اِلٰى قَوْلِ الْمُغَنِّيْ لَهٗ مِنْ ذَاتِهٖ طَرْبٌ قَدِيْمٌ وَسُكْرٌ دَائِمٌ مِنْ غَيْرِ دَنٍّ

شعر کا ترجمہ: وجد اگر محقق اور سچا ہو تو اس میں کوئی جرح نہیں اور تمائل یعنی نیچا اونچا ہونا اگر خالص ہو (ریا وغیرہ نہ ہو) تو اس میں بھی کوئی خوف نہیں یعنی جائز ہے پس تو کھڑا ہو کر دوڑتا ہے پاؤں پر اور جس شخص کو اپنا مولیٰ پکارے اور بلائے اس کو سر پر دوڑنا حق ہے ان اوصاف مذکورہ میں رُخصت ہے وقت ذکر اور سماع کے اُن عارفوں کے لیے جنہوں نے اپنے اوقات کو نیک عملوں پر خرچ کیا۔ سالک ہیں اور برے اعمال سے اپنے نفسوں کو ضبط کرنے کے مالک ہیں پس وہ نہیں سنتے مگر اللہ تعالیٰ سے اور نہیں شوق رکھتے مگر اسی کے واسطے اگر ذکر کرتے ہیں نیا حب کرتے ہیں اور شکر کرتے ہیں تو باحہ کرتے ہیں اور اگر اس کو پالیتے تو فریاد کرتے ہیں تو اگر مشاہدہ کرتے ہیں تو آرام پاتے ہیں اور جب اُس کے حضور میں آئیں تیرتے ہیں اور جب ان پر وجد غلبہ کرے اور اس کے ارادہ کے موارد سے پائیں بعض ان میں ہیبت میں آکر گر جاتے ہیں اور بعض لطف محسوس ہو کر حرکت کرتے اور بعض جب منہ دکھاتا ہے تو مست ہو کر غائب ہو جاتے ہیں یہ وہ ہے جو مجھے جواب کی سوجھی۔ واللہ اعلم بالصواب

اور جس شخص کا وجد صحیح ہو تو مغنی کی قوالی کی طرف محتاج نہیں ہوتا۔ اسی کے واسطے اللہ تعالیٰ کی ذات سے طرب قدیم ہے اور مستی دائم سوائے اس دن کے۔

سبحان اللہ علامہ شامی نے تواجد اور تمائل کا خوب فیصلہ کر دیا ہے اور سماع حق کو بھی باحسن الوجوہ حلال کر دیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اس نزاع کے قطع کرنے والا مذاکرہ تو احیاء العلوم و عوارف المعارف میں ہے لیکن خلاصہ اور حاصل اس کا یہی ہے جو اَب ذکر کیا گیا ہے۔ ناظرین کرام! اس عبارت کو دیکھ کر اندازہ لگایا ہوگا کہ فاضل معاصر نے اس عبارت کے ترک کرنے میں کس قدر خیانت ورزی کی ہے لیکن وہ بیچارے تو حرمت سماع میں ایسے محو ہو گئے ہیں جو حلال کی طرف اُن کی آنکھ بھی نہیں پھرتی۔ سچ ہے حبك الشئ يعمی ويصم

قال وایضا فیہ اس میں ایک اور خیانت ہے۔ کیونکہ اس عبارت کے ماقبل وہ روایات ہیں جو اباحت سماع پر صریحاً دال ہیں ہم اُن کو ناظرین کرام کے پیش کرتے ہیں:

اقول وفی شہادات الفتح القدیر بعد کلام عرفنا من ھذا ان التغنی المحرم ما کان فی اللفظ ما لا یحل کصفۃ الذکور والمرأۃ للعینۃ الحیۃ ووصف الخمر المھیج الیھا والحانات والھجاء لمسلم او ذمی اذا اراد المتکلم ھجاء ہ لا اذا اراد انشادہ للاستشہاد بہ او لیعلم فصاحتہ وبلاغتہ او کان فیہ وصف امرءۃ لیست کذالک او الزھریات المتضمنتہ وصف الریاحین والازھار والمیاہ فلا وجہ یمنعہ علی ھذا نعم اذا قبل ذالک علی الملاھی متنع وان کان مواعظ وحکماً للالات نفسھا لا کذالک التغنی اہ ملخصاً وتمامہ فیہ فراجعہ وفی للتقی وعن النبی ﷺ انہ کرہ رفع الصوت عند قرأۃ القران والجنازۃ والزحف والتذکیر فما ظنك بہ عند الغناء الذی یسمونہ وجد او محبتہ فانہ مکروہ لا اصل لہ فی الدین قا الشارح زادہ الخ

یعنی فتح القدیر میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ غنا حرام وہ ہے جو نا جائز الفاظ میں ہے جیسا کہ کئی مرد یا عورت معینہ زندہ کی وصف یا شراب کی ایسی تعریف کی جائے جس سے اس کی طرف شوق پیدا ہو اور راگنی اور مسلم یا ذمی کی شکایت ہو اور جب اشعار کا پڑھنا بغرض استشہاد کے ہو یا بغرض اظہار فصاحت و بلاغت ہو یا اس میں عورت کی وصف تو ہے مگر نہ اس طرح جس طرح مذکور ہوا یا زہریات جس میں بوٹیوں اور پھولوں اور پانیوں کے اوصاف ہوں تو جائز ہے۔ اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ ہاں اگر یہ بغرض ملاہی ہوں تو ناجائز ہوگا۔ اگرچہ وعظ و حکمت ہو آلات کے لیے نہ غنا کے لیے اور ملتقی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکروہ جانا آواز کا بلند کرنا وقت تلاوت قرآن کے اور جنازہ کے اور زحف اور تذکیر کے پس کیا گمان ہے تیرا ایسے وقت غنا کے جسے وجد اور محبت کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ مکروہ ہے اس کا دین میں کوئی اصل نہیں۔

اب ناظرین کرام کو اس بات کا خوب اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جناب نے صرف ایک کتاب کی

روایات نقل کرنے میں کس قدر خیانتیں کی ہیں۔ یہ بطور مشت نمونہ خروار ہے۔ تمام روایات منقولہ کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔ تمام کا احصاد باعث طوال وملال ہے۔

قال وما نقل انه علیه السلام سمع الشعر لم یدل علی اباحة السماع

اقول یا تو حضور کریم ﷺ کے شعر سننے کا انکار کر دیں تو ہم اس کا جواب دیں گے اور اگر انکار نہ کریں تو اباحۃ سماع کا ضرور قائل ہونا پڑے گا۔ کیونکہ حضور کے افعال و اقوال عین شرع ہیں۔ اگر آپ کے سننے سے اباحت ثابت نہ ہوئی۔ تو کیا کسی دوسرے شخص سے ثابت ہوگی۔

قال یجوز حمله علی الشعر المباح المشتمل علی الحکمة والوعظ

اقول ہماری بحث بھی صرف اشعار مباحہ میں ہے جو اشعار محرمہ ہیں اُن کی حرمت میں تو کوئی شک نہیں کرتا۔ فاضل معاصر کو اس عبارت نے کیا فائدہ دیا ہوگا جو اپنے رسالہ میں لکھ بیٹھے ہیں۔ یہ اُس کے مدعا کے برخلاف ہے۔ کیونکہ ہم کہہ سکتے ہیں الشعر المباح سمعه النبی ﷺ وکلما سمعه النبی ﷺ فهو لیس بحرام اس کا نتیجہ یہ ہے کہ الشعر المباح لیس بحرام جس سے ہمارا مدعا ثابت ہو گیا اور جناب کا دعویٰ باطل ہو گیا۔

قال وحدیث تواجده علیه السلام لم یصح

اقول بلکہ اس میں کلام تو طویل ہے مگر غیر ضروری سمجھ کر متروک ہوئی۔

قال وایضاً فیه فی التاتار خانیه عن العیون ان کان السماع سماع القران والموعظة یجوز وان کان سماع غناء فهو حرام باجماع العلماء

اقول اس عبارت سے فاضل معاصر نے کیا سمجھا۔ اگر جمیع انواع غنا حرام سمجھے تو سیّد الکونین ﷺ وصحابہ کبار وفقہاء ومحدثین کے اقوال وافعال اس کا معارضہ کریں گے اور اگر بعض غنا حرام سمجھا تو اس سے آپ کا مدعا پورا نہ ہو سکے گا۔

قال وایضا فیه والحاصل انه لا رخصة فی السماع فی زماننا لان الجنیدؒ تاب عن السماع فی زمانه

اقول اولاً تو جناب نے نقل عبارت میں پھر خیانت کیا ہے۔ کیونکہ پہلے قول اور اس قول کے درمیان میں جو روایات محللہ تھیں ان کو ترک کر دیا اور صرف روایات محرمہ نقل کر لیے وہ عبارت یہ ہے ومن اباحه من الصوفية فلمن تخلى عن اللهو وتحلى بالتقوى واحتاج الى ذالك احتياج المريض الى الدواء وله شرائط ستة (۱) ان لا يكون فيهم امرد (۲) وان تكون جماعتهم من جنسهم (۳) وان تكون نية القوال الاخلاص لا اخذ الاجروا لطعام (۴) وان لا يجتمعوا لاجل طعام او فتوح (۵) وان لا يقوموا الا مغلوبين (۶) وان لا يظهروا وجدا الا صادقين ترجمہ اور جس نے صوفیہ میں سے سماع کو مباح جانا وہ اُس شخص کے واسطے ہے کہ لہو ولعب سے خالی ہو اور تقویٰ اور اخلاص سے موصوف ہو اور سماع کی طرف ایسا محتاج ہو جیسا کہ مریض دوائی کی طرف محتاج ہوتا ہے اور اس کے لیے چھ شرطیں ہیں۔ اوّل یہ کہ اُن میں حسین نابالغ لڑکا نہ ہو۔ دوئم یہ کہ تمام جماعت ایک ہی جنس کی ہو یعنی (تمام حاضرین میں سے نقشبندیہ نہ ہو) سوئم یہ کہ قوال کی نیت اخلاص کی ہو مزدوری یا کھانے کی وجہ نہ ہو۔ چہارم یہ کہ اجتماع جماعت بغرض طعام یا آمدنی کے نہ ہو۔ پنجم یہ کہ سوائے مغلوبیت کے کھڑے نہ ہوں۔ ششم یہ کہ وجد صادق کا اظہار کریں۔

ثانیاً جنید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہرگز سماع سے توبہ نہیں کی۔ اور نہ اس کو اس سے توبہ کرنی مناسب تھی کیونکہ خود ان کا مقولہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس طائفہ پر تین موقعہ میں نازل ہوتی ہے ان میں ایک موقعہ سماع بھی ہے جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ایسا جلیل القدر ولی رحمت کے نزول سے تائب ہو جائے یا معاذ اللہ جھوٹ بولے۔ اگر سماع ان کے نزدیک گناہ ہوتا تو اتنی مدت گناہ میں مبتلا ہونا اس کو ولایت کے درجہ میں نہ چھوڑتا۔ بلکہ ان کا اس سماع کو ترک کر دینا اس وجہ سے تھا کہ ایسے منصب کو پہنچ گئے جہاں سماع کی حاجت نہ رہی کیونکہ سماع اہلِ حق کے واسطے سیڑھی ہوتی ہے جس کے ذریعہ مناسب علیا کو پہنچتے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ جب کسی مقام عالی پر چڑھنا مقصود ہو۔ تو سیڑھی کی ضرورت ہوتی ہے اور جب چڑھ گیا تو سیڑھی کو ہٹا لیا جاتا ہے۔ یا بوجہ

نہ ملنے اخوان الطریقت متحد الجنس کے جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے۔ وبعضهم نقل عنهم ترك السماع و يظن انه كرهه و كان سبب تركه استغناء ه عن السماع بماذكرناه و بعضهم كان من الزهاد ولم يكن له حظ روحاني في السماع ولا كان هو من اهل اللهو فتركه لئلا يكون مشغولا بما لا يعنيه و بعضهم تركوا الفقد الاخوان قيل لبعضهم لم لا تسمع فقال مِمَّن و مَعَ مَن انتهى ترجمہ: اور بعض سے منقول ہے کہ سماع کو ترک کردیا اور گمان کیا جاتا ہے کہ شاید انہوں نے اس کو مکروہ جانا حالانکہ ان کے ترک کرنے کا سبب یا تو سماع کی حاجت نہ رہنی ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور بعض زاہد تھے اور ان کو روحانی خظ نہیں تھا۔ اور نہ صاحب لہو تھے سماع کو ترک کردیا۔ تاکہ بے فائدہ چیز کے ساتھ مصروف نہ ہوں اور بعض نے بوجہ مفقود ہونے ہم جنس کے سماع کو ترک کردیا۔ بعض اولیاء کو کہا گیا ہے کہ سماع کیوں نہیں سنتے کہا کس سے اور کس کے ساتھ۔

قال و في الهندية و من التيمية سئل الحلوانى عمن سمّواانفسهم بالصوفية فاختصو بنوع لبسة واشتغلو ا بالهووالرقص وادعوا لانفسهم منزلةا فقال افتروا على الله كذبا

اقول یہ عبارت ہمارے مدعا کی ہرگز مزاحم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو صوفی کہلاتا پھرے اور ایسا لباس پہنے جس سے وہ صوفی کہلانے کا مستحق بنا رہے اور لہو ورقص کے ساتھ مشغول ہو اور اپنے منزلت کا دعویٰ کرے وہ ہمارے نزدیک بھی برائی ہوگی فان الله لا يقبل عمل المرائين ایسے شخص کی حرمت تو اتفاقی ہے۔

قال قال السماع و القول و الترقص الذى يفعله المتصوفه فى زماننا حرام لا يجوز القصد اليه و الجلوس عليه وهو الغنا ولمز امير سواء

اقول اس عبارت کے مابعد اس رقص اور سماع کی تفصیل کردی گئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو رقص اور سماع اہلِ حق کا ہے اس کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور اہل باطل اور فساق کا

ہے وہ ہرگز جائز نہیں عبارت یہ ہے

و جوّز اهل التصوف و احتجوا بفعل المشائخ من قبلهم قال وعندي ان مايفعلو نه غير ما يفعله هٰؤلاء فان في زمانهم ربما ينشد واحد شعرافيه معنى يوافق احوالهم فيوا فقه ومن كان له قلب رقيق اذاسمع كلمته تواقفه على مر هو فيه ربما يغشىٰ علىٰ عقله فيقوم من غير اختيار و تخرج حركات منه من غير اختيارہ و ذالك مما لا يستبعد ان يكون جائز امما لا يو ٔخذيه ولا يظن في ا لمشائخ انهم فعلوا مثل ما يفعل اهل زماننا من اهل الفسق و المباحين و الذين لا علم لهم با حكام الشرع و انما يتمسك با فعال اهل الدين كذافي جواهر الفتاوى و سئل ابو يوسف عند الدف انكر هه في غير العرس بان تضرب المراة في غير فسق للصبى قال لا اكره واما الذى يجىء منه اللعب الفاحش للغناء فاني اكره كذا في محمد السرخسي ولا باس بضرب الدف يوم العيد كذافي خزانة للمتقين اس عبارت سے امور ذیلہ حاصل ہوئے الاول اہلِ حال کے لیے سماع اور رقص کا جائز ہونا والثانی جہال اور فساق کے لیے سماع اور رقص کا ناجائز ہونا والثالث شادی وغیرہ کے ماسوابھی دف کا بجانا حلال ہونا بشرطیکہ نیت فاسد نہ ہو والربع مجلس لعب فاحش میں غنا کا مکروہ ہونا والخامس عید کے دن دف کا بجانا اور سننا مباح ہونا۔ اب بتایئے کہ فتاویٰ ہندیہ نے فاضل معاصر کے دعویٰ کا اثبات کیا کہ ہمارے مدعا کا فاضل معاصر تو حرمت سماع علی الاطلاق کے قائل ہیں۔ اس کے دعوے کی تو بالکل بیخ کنی کر دی۔ البتہ ہمارا چونکہ مدعاء ہی تفصیلی تھا۔ یعنی بغرض صالح اگر استعمال کیا جائے تو مباح ہے اور اگر بغرض فاسد ہو تو حرام تو اس کی تصدیق بھی کر دی۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

نہیں کہ رقص کناں میرود بنالہ تک

کسے کہ اذن ندا دے باستماع سماع

عجب تو یہ ہے کہ فاضل معاصر نے سیاق عبادت فتاوے ہندیہ کو ایسا توڑا کہ پہلی روایات جو

میں نے اب کہی ہیں اپنے مدعا کے برخلاف سمجھ کر چھوڑ دیا اور بیچ میں صرف ایک فقرہ اپنے خیال کے مطابق سمجھ کر نقل کر لیا۔ اور اس کے بعد جو روایات ان کے مخالف تھیں ان کو بھی ترک کر دیا جن کا خلاصہ یہ ہے کہ غنا مجرد میں اختلاف ہے۔ شیخ الاسلام تو اس کو مطلقاً حرام کہتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر اس سے نظم القوافی حاصل کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ اگر اکیلا ہو اور دفع وحشت کے لیے کوئی غزل گائی جائے تو جائز ہے امام شمس امامہ سرخسی بھی اسی طرف مائل ہیں۔ اور اگر اشعار حکمت یہاں عبرت یا نقاہت آمیز ہوں تو مکروہ نہیں۔ اور اشعار مباحہ پڑھنے مکروہ نہیں۔ اور گر ان میں کسی عورت زندہ میعنہ کے اوصاف ہوں تو مکروہ ہے۔ اور اگر عورت مردہ کے ہوں مکروہ نہیں۔ اور اگر عورت غیر معینہ کے اوصاف گائے جائیں تو ہم مکروہ نہیں۔ اور جن اشعار میں فسق یا شراب یا لڑکوں کا ذکر ہو تو ان کا گانا مکروہ ہے۔ لڑکے اور عورت کا ایک ہی حکم ہے۔ اور اشعار کے پڑھنے کی کراہت کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کے پڑھنے سے قرآن شریف اور ذکرِ الٰہی سے محروم ہو جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ جب اس سے علمِ تفسیر اور حدیث کو امداد ملے۔ انتہیٰ ملخصاً مترجمہ: فاضل معاصر کی حرمت علی الاطلاق کہاں گئی۔

قال و فی مدخل ابن الحاج و قد ذکر ان بعض الناس عمل فتوی و کأن ذالك فی سنه ۱٦٦ احدی و ستین و ستمأة و مشی بھا علی اربع مذاھب و لفظھا سوال ما تقول سادة الفقھا ء دائمة الذین و علما ء المسلمین و فقھم اللہ تعالی لطاعة و امالھم علیٰ مرضا تہٖ فی جماعته من المسلمین ورد والیٰ بلد فقصد وا الی المسجد و شر عوا یصفقون و یھنون و یر قصون تأرة بالکف و تأرة بالد فوف والشابة ھل یجوذ ذالك فی المساجد شرعاً افتونا ماجو دین یر حکم اللہ تعالیٰ الجواب فقالت الشافعة السماع لھو مکروہ یشبه الباطل به ترد شھادة واللہ اعلم

اقول شافعیہ کے جواب میں ان کے امام کی تصریح پیش کی جاتی ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوت میں کہا ہے۔ واما امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گفتہ است غزالی کہ تحریم غنا

مذہب او نیست وتتبع کردم چندیں کتب از مصنفات دے راندیدم اور انصے بتحریم وے واستاد ابو منصور بغدادی گفتہ کہ مذہب وے اباحت سماع است بقول والحان چون بشنو د مرد از مرد یا از جاریہ خود یا امرۃ کہ حلال است نظر بوے یا بشنو د در خانہ خود یا خانہ اصدقاء خود دنشنو د آں در میان راہ و بنا شد سماع مقترن بچیدے از منکرات وضائع نکند بسبب آں اوقات نماز را۔ وروایت کردہ است ابو منصور بغدادی از یونس بن عبد الاعلیٰ کہ شافعی استصحاب کردمرا بسوی مجلس کہ در دے قینہ بود کہ تغنی میکرد چوں فارغ شد قینہ گفت شافعی آیا خوش کردی تو ایم را گفتم نہ گفت اگر راست میگوئی نیست ترا حس صحیح یعنی خوش اشتن غنا علامت سلامت طبع است و ناخوش داشتن آں نشان احوجاج طبعیت ونقصان حس از ینجا معلوم ہے شود کہ دلیلی شرعی بر حرمت وکراہت آں نیست۔ اگر آں بودے خوش واشتن طبع آں را چہ فائدہ کودے۔ ورتاثیر نغمہ در طبائع ہیچکس سخن نیست کہ در حیوانات موجود است چہ جائے آدمیاں ومنقول است کہ الغناء لھو مکروہ یشبہ الباطل وگفتہ اند کہ تواند کہ مراد بمکروہ آن باشد کہ ترک آن اولی است کہ اطلاق او بایں معنی آمدہ است وغزالی گفتہ کہ دلالت نیست میں را بر حرمت وکراہت بلکہ اگر باطل نیز گفتے دلالت نبودے زیرا نکہ معنی باطل فائدہ بنا شد دروے است ازیں الفاظ کہ دلالت وارد بر تغلیظ بر غنا ئیکہ مقترن است بفحش یا منکر۔ پس تحریم از جہت عارض باشد نہ از جہت معنی کہ در ذات غنا است و بالجملہ بتحقیق صحیح شدہ است از قول وفعل شافعی چیزیکہ صریح است در اباحت ونیست نص در تحریم واز یونس بن عبد الاعلیٰ امروی است کہ پرسیدم شافعی را از اباحت اہلِ مدینہ سماع را گفت کہ نے دانم کسے را از اہلِ حجاز کہ سماع را مکروہ داشتہ باشکد مگر از اوصاف عارجہ وے انتہی ملخصا۔ اس تحقیق نے مجیب کے جواب کی خوب تردید کردی کیونکہ یونس بن عبد الاعلیٰ جو کہ خاص شاگرد و مصاحب امام شافعی کے ہیں اور امام غزالی بحرِ ذخائر ہین جو کہ اپنے مذہب کے اصول وفروع سے بخوبی واقف ہیں بڑی جرأت سے اپنے امام کا عندیہ کھول کر سنا دیا ان کے مقابلہ میں کون دم مار سکتا ہے۔ ہاں اگر اس سے مجیب کی غرض صرف نقل قول امام ہے تو اس کا معنی آپ نے سن لیا ہے۔ اور اگر تحریم ہے تو وہ غلط ہے واللہ

اعلم

قال و قالت المالكية یجب علی ولا ۃ الا مرزجرھم وں د عھم واخرا جھم عن لمساجد حتی یتو بوا ویر جعوا واللہ اعلم

اقول مالکیہ کے جواب میں امام مالک کا قول اور فعل پیش کیے جاتے ہیں جن سے مجیب کا صدق وکذب معلوم ہو جائے گا۔ مدارج النبوۃ میں ہے درسیدہ شداز مالک از سماع گفت دریافتم اہلِ علم رادر بلا وخود کہ منکر نیستند آں رادنمے شنیدازاں وگفت کہ منکر نمے شود آں راگمر عامی یا جاہل یا عراقی غلیظ بطبع وہمچنیں نقل کردہ است ازوے عدلی وحکایت کردہ است اباحت راازدے وامام قشیری واستاد ابومنصور وقفال وغیر ایشان وآنچہ نقل کردہ شدہ است از مالک رحمۃ اللہ علیہ کہ گفت نمے شنوند آں۔ رامگر فاسقاں محمول است برغنائیکہ مقترن است بوے منکر جمعاً بین القول والفصل وسیدنداز وے رازہیم بن سعد از احوال مالک پس گفت خبردارند مرا کہ دعوتے بود دربنی یربوع و باقوم دفوف بود دعودنا کہ تغنی میکردند ولعب می نمودنداں وبود با مالک دف مربعہ کہ می زد آں راد تغنی می نمود انتہی ملخصاً۔ اس تقریر نے مجیب کی قلعی کھول دی اور امام مالک کے افعال واقوال کو بخوبی بیان کر دیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ حرمت غناء علی الاطلاق نہ اس کا قول اور مذہب جس نے اس کیطرف نسبت کیسا بہتان باندھا۔ واللہ اعلم

قال و قالت الحنابلة فاعل ذالك لا یصلی خلفه ولا یقبل شهادته ولا یقبل حکمه ان کان حاکماً وان عقد النکاح علی یده فهو فاسد والله اعلم

اقول ان حنابلہ کے اپنے ہی مذہب کی تقریر بھی ذرا سن لیجئے پھر اس جواب کے صدق و کذب کا اندازہ لگا لیجئے گا۔ محدث دہلوی مدارج النبوت میں لکھتے ہیں واما امام احمد بن حنبل صحیح شدہ است روایت کہ وے شنیداست غنا راتر د پسر خودش کہ نام دے صالح است روایت از ابوالعباس قرعالی کہ میگفت شنیدم صالح بن احمد بن حنبل را کہ می گفت بودم من دوست میداشتم سماع راو بود پدر من کہ ناخوش میداشت آں راپس کردم ابن جنادہ را کہ باشد تردمن شبے۔ پس

باشید تر دمین تا دنستم کہ خواب کرد پدر من پس شروع کرد ابن جنادہ در تغنی پس شنیدم آواز پائے را بر بام پس بر آدم بالائے بام و دیدم پدر خود را بالائے بام کہ مے شنود غنائے را و دامن در زیر بغل او ست و دے می خرامد بالائے بام گویا کہ رقص میکند و مثل ایں قسہ از عبداللہ بن احمد بن حنبل نیز منقول است و ایں دلالت دارو برابا حت سماع تر ددو دے رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ و آنچہ منقول است از دے مخالف ایں محمول است بر غناء مذموم مقترن بخش ومنکرات ۔ و روایت کردہ شدہ است از احمد کہ و ے شنید قوال را تر دد پرش صالح و انکار نکرد ۔ پس گفت پسر دے اے پدر آیا نبودی تو کہ انکار می کردی و مکروہ می داشتی تو آں را گفت پسر و ے اے پدر اند کہ استعمال میکلند با دے منکر را انتہی ۔ ان روایات نے تمام حالات امام الحنابلہ کے کھول دیئے ۔ پر کسی مقلد حنبلی کی کیا طاقت کہ علی الاطلاق سماع کو حرام بلکہ اسی تغلیظ کہ اس کو توبہ پر مجبور کیا جائے ۔ اور ان کو مساجد سے نکال دیا جائے ۔ ان کو چاہیے کہ پہلے اپنے ہم مذہب کو اور اس کے لڑکوں کو مسجد سے نکال دیں کیونکہ وہ تو سنتے رہتے ہیں ۔

قال وقالت الحنفية الحصيرة التي ترقص فيها لا يصلىٰ عليها حتى تغسل والارض التي ترقص عليها لا يصلى عليها حتىٰ يحضر ترابها و يرمى واللہ اعلم

اقول اور ان مشددین حنفیت کے اپنے امام اعظم رحمتہ علیہ کا معاملہ پیش کیا جاتا ہے جس سے واضح ہو جائے گا کہ اس مشدد نے کس قدر گستاخی سے کام لیا ہے ۔ مدارج النبوت میں ہے ۔ حکایت است از صاحب تذکرہ کہ پرسیدہ شد از امام ابوحنیفہ و سفیان ثوری از غناء ۔ پس گفتند ہر دہ کہ نیست غناء از کبائر و نہ از اسود صغائر و نقل کردہ اند کہ امام ابوحنیفہ را ہمسایہ بود کہ ہر شب بوے خاست و تغنی میکر دو امام گوش میداشت تغنی او را و نشنید شبے آواز وے ۔ گفتند کہ بیروں بر آمدہ بود دے امشب ۔ پس گرفتند و در زماں کردند او را پس پوشید امام عمامہ خود را بر وقت تر د امیر و شفاعت کرد او را و خلاص گرانید و پرسید امیر کہ نام او چیست گفتند عمر ۔ پس بر آورد از زماں ہر کہ را عمر نام بود ۔ و گفت امام بآں مرد کہ باز گرد بآنچہ میکردی ہر شب و چوں گوش داشت امام ابوحنیفہ او و نہی نکرد او ر

ادلالت کرد براباحت تغنی تر دد ے۔ واستماع د ے ہر شب آں ورع وتقویٰ کہ و ے داشت حمل منی تواں گرد مگر براباحت۔ پس آنچہ دارد شدہ از سے پرخلاف آں حمل کردہ شود برغناء مقترن بفواحش از برائے جمع میاں قول وفعل د ے۔ وحال آنکہ گرفتہ نشد است تحریم مگر از مقتضائے فعل و ے۔ راز نص قول د ے چنانکہ رفت بولیمہ کہ در وے غناء بود و مانند آں وحکایت کردہ است ابن قیتبہ کہ ذکر کردہ شد تر دابی یوسف مسئلہ غناء پس ذکر کردہ قصہ جابر وابوحنیفہ راو حکایت کردہ شدہ است از امام ابویوسف کہ بسا کہ حاضری شد مجلس رشید د ے بود در وے غنا پس ے شنید و ے گر یست انتہی۔ اب ان روایات نے تمام شقوق جواب کی تردید وتکذیب کردی فاضل معاصر نے اپنے رسالہ میں ایسے فضول مباحث کو درج کرنے میں فائدہ حاصل کیا۔

باتو ار ہر طرفے صدسخن آرم میاں

ہر جو ابیکہ دہی باز در آئم بہ سوال

اور رقص کی تحقیق وتفصیل پہلے مذکور ہوئی کہ دو قسم ہے مذموم ومحمود۔ خواہ کوئی قسم بھی نہ ہو اس سے چٹائی مسجد کی ناپاک ہوتی ہے اور نہ ہی مسجد۔ کیونکہ احناف کے نزدیک جب مشرک مسجد میں داخل ہوکر چٹائی پر قدم رکھے۔ تو اس سے نہ چٹائی کا دھونا فرض ہو جاتا ہے اور نہ مسجد کا فرش اٹھانا۔ نامعلوم رقص کرنے سے کیوں یہ تمام ناپاک ہورہے ہیں۔ کیا رقص شرک سے بھی بدتر ہے وقد قال اللہ تعالیٰ ان المشرکین نجس (سورۃ التوبہ) اس مجیب کی جرأت وبے باکی پر افسوس ہے۔ کہ ایسے کلمات غلیظ بے سند بول کر فاضل معاصر جیسے عالی مزاج آدمی کو خوش تو کر دیا۔ لیکن اپنی عاقبت کا خیال نہ کیا۔

قال و قد قال الشیخ الا مام ابو عبد اللہ القرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ فی تفسیر ہ حین تکلم علیٰ قصۃ السامری فی سورۃ طٰہٰ سئل الا مام ابو بکر الطوطوسی رحمۃ اللہ علیہ السوال ما یقول سیدنا الفقیہ فی مذھب الصوفیۃ حرمن اللہ مذھبہ انہ اجتمع جماعۃ من الرجال یکثرون من زکراللہ تعالیٰ و ذکر محمد ﷺ ثم انھم یو

قعون اشعار امع الطقطقة بالقصيب علیٰ شیء من الا دیم و یقوم بعضہم و یر قص و یتو اجد حتی یخر مغشیاء علیہ و یحضرون شیئا یا کلونہ ھل الحضور معھم جائز ام لا افتو نا یر حکم اللہ تعالیٰ و ھذا القول الذی یذکرون:

یاشیخ کف عن الذنوب
قبل التفرق و الذلل
واعمل لفسك صالحا
مادا م ینفعک العمل

الجواب فاجاب بقولہ یر حکم اللہ مذھب ھو لا ء بطالۃ و جہالۃ و ضلالۃ و ما سلام الا کتاب اللہ و سنۃ رسولہ صلے اللہ علیہ و سلم و اما الرقص و التواجد فاول من احدثہ اصحاب السامری لما اتخذ لھم عجبلا جسد ا لہ خوار قاموا یر قصون الیہ فھودین الکفار و عباد العجل و اما القضیب فاول من احدثہ الزنا د قۃ للیتستغلو بہ المسلمین عن کتاب اللہ و انما کان النبی ﷺ مع اصحابہ کانما علی روسھم الطیر من الوقار فینبغی للسلطان و نوابہ ان یمنعھم من الحضور فی المساجد وغیر ھا و لا یحل لا حد یؤ من باللہ و الیومہ الا خران یحضر معھم ولا یعینھم علی باطلھم ھذا مذھب مالک و ابی حنیفۃ و الشافعی واحمد بن حنبل وغیر ھم من ائمتہ المسلمین و باللہ التوفیق

اقول واعتصم بحبل اللہ المتین یہ جواب غلط اور مخالف کتاب اللہ وسنۃ الرسول ﷺ معمولات ائمہ اربعہ وسلف صالحین ہے بچند وجوہ الاول سوال میں جو پہلا فقرہ درج ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مرد جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کا اور رسول ﷺ کا بہت ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کو مجیب نے بطالت و جہالت وضلالت قرار دیا ہے۔ العیاذ باللہ حالانکہ خداوند کریم کا ارشاد ہے فاذکر ونی اذکر کم ○ (سورۃ الاحزاب) یعنی تم میرا ذکر کیا کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور ثابت بنانی نے کہا کہ

جب مجھے اللہ تعالیٰ یاد کرتا ہے مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔ حاضرین نے کہا کہ آپ کو کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ جب میں اللہ تعالیٰ کو یاد کروں وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ وقال اللہ تعالیٰ اذکر واللہ ذکر اً کثیرا یعنی اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔ ولا یذکرون اللہ الا قلیلا یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا وقال تعالیٰ الذین یذکرون اللہ قیا ما و قعود ا و علیٰ جنوبھم (سورۃ العمران) یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اور حضور سرورِ کائنات ﷺ کا ارشاد ہے لذکر اللہ عزوجل بالعذاۃوالعشی افضل من حطبہ السیوف فی سبیل اللہ ومن اعضا للاسماً یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر صبح اور شام بہتر ہے اللہ کے راستہ میں تلواروں کے چلانے اور بہت مال خرچ کرنے سے اور حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب مجھے میرا بندہ اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو جی میں یاد کرتا ہوں اور جو جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے اچھی جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ اور حدیث شریف میں ہے جس مجلس میں لوگ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس مجلس کو فرشتے اپنے پروں سے ڈھانک لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پر محیط ہوتی ہے اور خداوندا اپنے فرشتوں میں ان کا ذکر کرتا ہے۔ اور نیز حدیث شریف میں جو لوگ جماعت بن کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں جس سے ان کی غرض صرف رضامندی ہونے کی ہو۔ تو ان کو آسمان سے منادی آواز کرتا ہے کہ چلو تمہارے گناہ سب صاف کیے گئے ہیں۔ اور تمہارے گناہ نیکیوں کے ساتھ بدلائے گئے ہیں۔ ان تمام احادیث کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں ذکر کیا ہے۔ ان احادیث و آیات سے ذکر کی فضیلت بخوبی ثابت ہوگئی۔ تو جس شخص نے ذکرِ اللہ کو بطالت و جہالت و ضلالت کہا ہے۔ اس کے منہ میں خاک کا لقمہ دینا چاہیے۔

ہر آنکہ لب زرخ یار و زلف اور برسبت
بدہن او ہمہ خاک جہاں سایہ ریخت

والثانی دوسرا فقرہ یعنی اشعار کا پڑھنا اگر ان میں مضامین حکمت اور وعظ اور ترغیب وترہیب کا ہو تو ان کا پڑھنا مسنون ہے اور سننا بھی حضورِ کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اشعار کے مضامین اگر اچھے ہوں تو وہ بھی اچھے ہیں۔ اور اگر ان کے مضامین قبیح ہوں تو وہ بھی قبیح ہوتے ہیں الحدیث رواہ دارقطنی۔ اور خود حضور کا اشعار پڑھنا اور صحابہ سے سننا پہلے مذکور ہو چکا ہے بلکہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ آپ امیہ بن صلب کے اشعار سننے میں ایسے محظوظ ہوتے تھے کہ جب ایک شعر سنتے تو فرماتے اور کہو۔ پھر جب دوسرا سنتے تو فرماتے اور کہو حتی کہ سو بیت آپ نے سنے اور آپ نے لبید کے اس بیت کی تحسین فرمائی۔

ان فضل اللہ غیم ہاطل

الا کل شیء ماخلا اللہ باطل

اس سے ثابت ہوا کہ اشعار کا پڑھنا اور سننا بطالت ہے نہ جہالت نہ ضلالت ہے۔ بلکہ اس کو بطالت اور جہالت اور ضلالت کہنا خود بطالت اور جہالت وضلالت ہے والثالث تیسرا فقرہ یعنی کسی چوب کو کسی چرمی چیز پر مار کر طقطقہ حاصل کرنا میں کہتا ہوں کہ یہ صورت دف یا اس کی مثال کی ہے۔ اور دف وغیرہ کا بجانا مواقع سرور میں مباح ہے جیسا کہ ابحاث سابقہ میں اس کی تفصیل گزری ہے اس کے بطالت و جہالت وضلالت ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی والرابع چوتھا فقرہ یعنی بعض لوگ اٹھ کر رقص اور وجد کر کے بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں۔ کیا یہ فعل جب خالص ہو تو ناجائز ہے۔ کلا وحاشا آپ نے شاید احیاء العلوم اور شامی وغیرہ کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے رقص اور وجد کے بارہ میں کیا لکھا ہے۔ اور عوارف المعارف میں اس کی کس قدر تحقیق کر کے ثابت کر دیا ہے کہ نہ رقص علی الاطلاق حرام ہے اور نہ سماع جناب سید الکونین ﷺ کے عہد اقدس میں آپ کے سامنے یہ سب کچھ ہوا۔ سماع کی تحقیق پہلے مذکور ہوئی اور رقص جو حبشیوں نے آپ کی مسجد میں کیا۔ اور آپ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اپنے کندھے سے ڈھانک کر دکھلاتے رہے کیا یہ رقص کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتے؟ وجد اور رقص فجار کے اشعار نہیں بلکہ

اہلِ اسرار کے آثار ہیں۔ کیونکہ ہر فعل پر کوئی نہ کوئی اثر مرتب ہوا کرتا ہے جس کے لیے اس فعل کا صدور ہونا ہے اور سماع کا اثر مرتب یہی وجد ہے۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں کہا ہے کہ وجد اثر اور ثمرہ سماع کا ہے جو کہ وہ وارد حق جدید ہے سماع کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جس کو صاحب سماع اپنے جی میں محسوس کر لیتا ہے۔ کبھی اس کو ہضم کر جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا کوئی اثر جوارح میں ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کا نام وجد الکملاء ہے۔ اور کبھی ہضم نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے آثار جوارح میں ظاہر ہو جاتے ہیں مثلاً حرکات منیفہ اور اضطرابات غیر عادیہ اس کا نام وجد العرفاء ہے۔ اور ان حرکات کا نام رقص ہے۔ پس جس شخص نے سماع کیا اور وجد نہ کیا۔ اس کی مثال گدھا کی ہے جو کتابیں پیٹھ پر اٹھاتا ہے۔ اور اس وجد کا منکر سوائے کالانعام بل ہم اضل سبیل کے سوا کوئی بھی نہیں کیونکہ حیوان بھی کبھی سماع سے خوش ہو کر وجد اور رقص میں آجاتا ہے۔ جیسا کہ اونٹ جو کہ حدی کے آواز سے وجد اور رقص کرتا ہے۔ یہاں تک کہ بھاری بوجھ کو برداشت کر کے ٹھنڈی رات کی مسافت طویلہ قطع کر جاتا ہے۔ یہ تو حیوانات کا حال ہے۔ اور انسان کا حال یہ ہے کہ اس نے مدت میں مشاہدہ محبوب کو مکاشفہ مرغرب میں واصل ہو جاتا ہے اور بہت سے اولیاء اللہ نے اس حالت میں وصال حقیقی حاصل کر لیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس میں جن وانس واطیور سب جانور جمع ہو کر لحن داؤدی سنتے تھے اور محظوظ ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ چار سو جنازہ ان کی مجلس سے اٹھایا جاتا تھا انتہیٰ۔ ناظرین کو اس امر کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ایسے وجد کو بطالت، ضلالت یا جہالت کہنا کس قدر نامناسب ہے۔

والخامس پانچواں فقرہ جس کا حاصل یہ ہے کہ طعام حاضر کر کے کھاتے ہیں۔ حالانکہ قری الضعیف سنت مؤکدہ متوارثہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں موجود ہے۔ اس کو بطالت وضلالت و جہالت قرار دینا انصاف سے کوسوں دور ہے۔ **السادس** چھٹا فقرہ جس کا مطلب یہ ہے کہ بادسنا ایسی مجالس کو مساجد میں نہ ہونے دے حالانکہ خداوند تعالیٰ کا خاص ارشاد ہے ومن اظلم ممن منع مساجدالله ان یذکر فیہا اسمہ وسعی فی خرابہا اولئك ما کان لہم ان

یدکوھا الا خائفین۔

السابع ساتواں فقرہ یعنی مومن کو اس مجلس میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ایسی مجالس کے بارہ میں ارشاد ہے ھم قوم لا یشقی جلیسھم تو جس نے اس کی شمولیت کا حصہ لیا اس کو ثواب اور اجر بہرہ ور اور جو محروم ہوا وہ محروم ہوا۔ **الثامن** اور آخری فقرہ جس کو نقل کرتے وقت فاضل معاصر بڑے خوشی کے نعرے لگاتے ہوں گے جس کا حاصل یہ ہے کہ حرمت سماع، وجد و رقص امام مالک و امام ابو حنیفہ و احمد بن حنبل کا مذہب ہے حالانکہ اس کی تردید سابق سوال کے جواب میں بالتفصیل گزری اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

والجواب الصحیح لھذا السوال یہ ہے کہ یہ مجلس مجالس الخیر سے ہے۔ اور اس میں شامل ہونا موجب نزول رحمت و برکت ہے۔ ایسی مجلس میں حاضر ہو کر بزرگان دین سے فیوض حاصل کرنا جائز بلکہ مستحسن ہے اور باعث اجر و مغفرت ہے قال النبی ﷺ المجلس الصالح یکفر عن المؤمن الفی الف خطیئة من مجالس السو کذافی الاحیاء پس جس کا جی چاہے حاضر ہو کر ثواب حاصل کرے۔ اور جس کا جی نہ چاہے تو گھر میں بیٹھ کر اس فیض سے محروم رہے۔ مگر بہر حال اولیاء اللہ کے احوال پر اعتراض اور انکار نہ کرے۔ ورنہ غضب الٰہی کا مستحق ہو جائے گا۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد
ہر آنکس دم زند ریشش بسوزد

تکملہ

فاضل معاصر نے اپنے زعم میں اس حرمت سماع علی الاطلاق کو ہر چہار مذہب کے ائمہ کی طرف نسبت کر کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ اور ائمہ اربعہ اہلِ مذاہب کے افعال واقوال کی تشریح پہلے مذکور ہوئی۔ اب ان کے محقق مقلدین کے اقوال بھی ذرا سن لیجئے۔ جس سے معلوم ہو جائے گا۔ کہ یہ دعوی بالکل غلط ہونے کی وجہ سے نا قابلِ سماع ہے۔

بانو از ہر طرفے صد سخن آرم بیاں

ہر جوابیکہ دہی باز در ایم بسوال

مدارج النبوت میں ہے کہ داؤد طائی فقیہ حنفی شاگرد امام اعظم صاحب جو نہایت جلیل القدر امام تھے۔ اور بوجہ کبر سن کے کوز پشت ہو گئے تھے۔ جب سماع سنا کرتے تو ان کی پیٹھ سیدھی ہو جاتی تھی۔ اور فقیہ ناصر الدین ابو بکر اسکندری اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اگر سماع شرائط کے ساتھ اپنے محل میں اسکے اہل سے سنا جائے تو درست ہے اور یہی مختار ہے۔ حنابلہ میں سے ابو بکر صاحب جامع اور ان کے شاگرد عبد العزیز کا اور صاحب مستوعب نے اس کو ان کی جماعت سے نقل کیا ہے۔ اور صالح وعبد اللہ پسران امام احمد سے بھی سماع کا سننا سابقاً منقول ہوا۔ اور ظاہر یہ سے حافظ ابو الفضل مقدسی وغیرہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔ اور محمد بن حزم نے بھی اپنے مصنفات میں اس کو ذکر کیا ہے۔ بلکہ اس نے اس بارہ میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ نیز ابنِ طاہر نے بھی ایک رسالہ اباحت سماع میں تصنیف کیا۔ جس میں صحابہ وتابعین کا اجماع اباحت سماع پر ثابت کیا۔ اور اسانید موثوقہ سے موثق کیا۔ اور شیخ تاج الدین عبد الرحمٰن فرادی ومفتی دمشق اور ابنِ قتیبہ نے اباحت سماع پر اجماع اہلِ حرمین کا نقل کیا ہے۔ اور ابنِ طاہر نے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ کہ جب اہل مدینہ کا کسی امر پر اجماع ہو۔ تو اس کو سنت جاننا چاہیے اور ابو یعلی حنبلی نے روایت کیا ہے کہ یوسف بن ماجشون اور اس کا بھائی سماع کی رخصت دیتے تھے۔ اور

امام یحیٰ بن معین نے جو کہ اعاظم ائمہ حدیث سے تھے ذکر کیا ہے کہ یوسف بن ماجشون کی مجلس میں حاضر ہوئے ہمیں حدیث سناتے تھے اور دوسرے مکان میں اس کی لونڈیاں مزامیر بجا رہی تھیں۔اور عبدالعزیز بن ماجشون جو کہ اہلِ مدینہ کے مفتی تھے۔صحیحین وغیرہ میں اس کی روایات احادیث بکثرت ہیں وہ بھی عود کے سننے میں رخصت دیتے تھے۔اور درالمختار شامی، عالمگیری ،ہدایہ، فتح القدیر مبسوط وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے چونکہ فقہاء حنفیہ کے اقوال سابقاً بہت مذکور ہو چکے ہیں۔لہذا اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

یا رب چہ نغمہ کزربا بیکہ خون خصم

بانعرہ ہائے قلقش اندر گلو بہ بست

قال یہ عبارات قطعاً دلالت کرتے ہیں احادیث حرمت ملاہی کے جمہور علماء کے نزدیک علی التواتر معمول بہا ہونے پر

اقول

بہ تیشہ کس نخر اشد زروئے خارا گل

چنانکہ بانگ درشتِ تو میخر اشد دل

علمائے کرام ہر چہار مذہب خواہ مجتہدین ہوں یا مقلدین کے افعال واقوال بالتفصیل مذکور ہوئے۔افسوس کہ فاضل معاصر کی ہمدردی کسی سے بھی نہ ہوئی۔اور نہ ہی احادیث نے اس کا ساتھ دیا۔اور نہ ہی صحابہ کبار واتباع ابرار نے اس بے چارہ کی حال پرسی کی

بروز تنگدستی آشنا بیگانہ میگردد

صراحی چوں شود خالی جدا پیمانہ میگر دد

نہایت تعجب ہے کہ کس شیوہ سے اس حرمت سماع علی الاطلاق کو علی التواتر معمول بہا ہونے کا دعویٰ وناز کرتے ہیں۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

قال لہذا یہ احادیث بسبب اس عمل تواتر جمہور کے قطعی ہوگا۔

اقول دونوں طرف تواتر عملی ہے۔ سماع مذموم کی حرمت اور سماع محمود کی اباحت پر لیکن جناب کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ جبکہ وہ اباحت کے قائل ہی نہیں۔ قال اسی وجہ سے اکثر عبارات میں حکم حرمت کا کیا گیا۔ اور بعض میں جو حکم کراہت کا کیا گیا سو بوجہ فرق کرنے کے ہے تواتر عملی اور تواتر نقلی ہیں کہ ثانی موجب قطعیت اور اولیٰ نہیں بلکہ قریب اس کے اقول

غریبی گرت ماست پیش آورد
دو پیمانہ آب است و یک چمچہ دوغ

جناب کی تاویل ایسی ہے جیسے کوئی اپنے کان کو سر کے اوپر الٹا کر ہاتھ لگاتا ہے حرمت اور کراہت والی روایات کی تاویل تو ہوئی۔ لیکن جن روایات میں اباحت صریحہ واقعہ ہوا اس کو کس کونہ میں رکھا گیا صحیح تاویل یہ ہے جس سے تمام روایات کی تطبیق آجائے کہ باعتبار اختلاف احوال سماع کے احکام بھی متفرق ہوئے یعنی سماع اگر عوارض ذمیمہ سے خالی ہے تو مباح اور اگر عوارض مذمومہ خفیفہ سے ملحق ہے تو مکروہ اور اگر عوارض غلیظہ آگئے تو حرام لان التطبیق اولیٰ من التلفیق و الوفاق اولیٰ من النفاق

قال بہرحال مرتکب آلات ملاہی فاسق و آثم ضرور ہوگا۔

اقول یہی الفاظ ہیں جو جناب کو موردِ عتاب و مستحق عقاب بنا رہے ہیں۔ مولانا سعدی فرماتے ہیں

چو آہنگ بربط شود مستقیم
کے از دست مطرب خورد گوشمال

آلات ملاہی سے جناب کی کیا مراد ہے۔ اگر تمام انواع مراد ہیں جیسا کہ جناب کا دعویٰ

ہے خواہ کسی غرض صالح سے استعمال کیے جائیں یا فاسد سے تو یہ سفید کذب وافترا ہے۔ کیونکہ بعض آلات کو بعض اغراض صالحہ کی وجہ سے تو خود جناب شفیع المذنبین ﷺ نے بھی سنا۔ اور صحابہ کرام و تابعین عظام کے معمول بہا رہے جیسا کہ ابحاث سابقہ میں اس کی تحقیق گذری ہے۔ تو یہ بزرگان دین وہادیان اسلام (خاک بدہن دشمن) فاسق ٹھہرے نعوذ باللہ من هذه العقيدة الفاسدة اور اگر بعض آلات مراد ہیں تو جناب کا مطلب کافور ہوگیا۔ بلکہ ہمارا مدعا ثابت ہوگیا۔ کیونکہ جو آلات بغرض فاسد استعمال کیے جائیں ان کو کب حلال کہتا ہے۔

مجال سخن تا نہ بینی زپیش
بہ بیہودہ گفتن مبر قدر خویش

قال اور یہی حال ہے مجرد غناء بمعنی راگ کا بھی کہ اس کے باب میں بھی اس قسم کی عبارات کثرت سے صادر ہوئی ہیں

اقول

چو کردی باکلوخ انداز پیکار
سر خورد رابنا دانی شکستی

جیسا کہ آلات میں تفصیل گزری ہے راگ میں بھی وہی تفصیل ہے اعادہ کی حاجت نہیں۔ جناب کو کلیات نے تباہ کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ کی عادت ہے کہ جس مضمون کو ذکر کرتے ہیں خواہ ایجابی ہو یا سلبی تو کلیت کی صورت میں ذکر کرتے ہیں جس سے دھوکہ کھا بیٹھتے ہیں۔

تکمیل

ہمیں باب تعزیرات کے کھولنے کی کوئی غرض نہ تھی۔ اور نہ ہی حکم فسق کا کفر کا کسی پر جاری کرنے کی ضرورت۔ مگر چونکہ فاضل معاصر نے اپنے مآل کا حال دیکھ کر پیش دستی کر لی ہے۔ لہذا ہم بھی اس کے جواب ترکی بہ ترکی دینے پر توکل کرتے ہیں۔ فاضل معاصر نے اس رسالہ خیرا لنواہی میں مرتکب سماع کو فاسق و آثم قرار دیا ہے۔ اور دوسرے رسالہ **الاغنا بتحریم الغناء** کے اخیر صفحہ پر لکھا ہے۔ کہ جو شخص نسبت سماع غناء کی رسول اللہ ﷺ کی طرف کرے گا واجب التعزیر ضرور ہوگا۔ کیونکہ اس نے غناء سے معنی راگ ارادہ کیا یا دوسرے معنی۔ تقدیر اول پر کفر اُس پر لازم آئے گا۔ اگر محل تاویل میں نہ واقع ہو۔ اور تقدیر ثانی پر ابہام کفر سے چارہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس زمانہ فسق میں متبادر غناء سے راگ ہوتا ہے۔ بہر حال وہ شخص واجب التعزیر ضرور ہوگا انتہی ص ۱۶

اقول یہ فاضل معاصر کی کمال دور اندیشی ہے۔ کیونکہ جس دعوے کے وہ مرتکب ہوئے ہیں۔ وہ خود کفر تک رسائی رکھتا ہے۔ آپ کو معلوم تھا کہ کوئی اہلِ حق ضرور اس میں اٹھ کر احقاق حق ادا کرے گا۔ مگر اس بے چارہ نے یہ بھی سوچا کہ جب احقاق حق ہو گیا تو کفر یا فسق اور وجوب التعزیر کا کون مستحق رہے گا۔ شاید یہ آپ کے کبر سنی کے مقتضیات ہیں۔ ورنہ یہ ضرور نہیں کہ جس مسئلہ کی تحقیق کی جائے اس کے مخالف کو کفر یا فسق سے منسوب کیا جائے۔ اب ہم اصل مدعا کو چھیڑتے ہیں۔ وجیز الصراط میں ہے جس کا ترجمہ وملخص یہ ہے۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے اپنے رسالہ بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع میں لکھا ہے کہ غناء اور دف کے سماع کے انکار کرنے سے سنت کی مخالفت ہے۔ اور سنت کی مخالفت اگر بوجہ حرام جاننے اس کے ہو تو کفر ہے۔ اور اگر اعراج کی نیت سے ہو تو فسق ہے اور مسلم و بخاری میں ربیع بنتِ معوذ بن عفراء سے مروی ہے کہ ایک دن سرورِ عالم ﷺ میرے گھر تشریف لا کر میرے بستر پر بیٹھ گئے اور میرے

پاس دولڑکیاں تھیں جو دف بجاتی اور شہداء بدر کے محاسن گاتی تھیں۔ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے میں نبی ہے جو کل کی باتیں جانتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس بات کو چھوڑ دو اور جو پہلے گاتی تھیں وہی گایئے۔اس حدیث نے اس امر پر دلالت کردی ہے کہ آنحضور ﷺ نے دف اور غناء اور اشعار کو لونڈیوں سے سنا سوائے حاجت کے۔تو مردوں سے ان کا سننا بطریق اولی جائز ہوگا۔جب حضور ﷺ نے ان لونڈیوں کو محاسن شہداء کے گانے کا حکم فرمایا تو یہ صیغہ امر میں یعنی قولی تھا۔اور امر کبھی وجوب اور کبھی ندب اور کبھی اباحت کے لیے ہوتا ہے۔ان کا امتیاز قرائن سے ہوتا ہے۔اب یہاں جو صیغہ امر حضور ﷺ نے فرمایا یہ بھی احتمال وجوب کا رکھتا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے ان لونڈیوں کو بالمشافہ حکم فرمایا۔اور آپ کان دھر کر اس کے سننے کے شائق تھے ایسے امر کی مخالفت ہرگز ناجائز ہے۔جب حضور کسی سے کوئی چیز طلب فرمائیں اور اسکے جواب کے انتظار میں رہیں تو اسکا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا الھا الذین امنوا استجیبوا لله و اللرسول اذا دعاکم لما یحییکم اور بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے گھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے اور میرے پاس دو لونڈیاں واقعات بعاث کے گیت گاتیں اور دف بجاتی تھیں۔حضرت صدیق نے ان کو روکا۔حضور ﷺ جو ہیں منہ مبارک پر کپڑا اوڑھے ہوئے تھے اس کو کپڑے کو اتار کر فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو اے ابو بکر رضی اللہ عنہ یہ دن عید کا ہے۔اس حدیث کی صراحت نے اس امر کو ثابت کردیا۔کہ غناء اور دف کا سننا اور اس کے انکار کرنے والے کو رد کرنا یہ تمام جائز ہیں قال اللہ تعالیٰ لقد کان لکم فی رسول الله اسوۃ حسنه پس جس شخص نے سماع غناء ودف کو حرام کہا تو گویا اس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حرام کو سنا۔اور حرام کے منع کرنے والے کو روکا۔ایسا اعتقاد بد بنیاد بالاتفاق کفر ہے۔

سوال:

اگر کہا جائے کہ یہ سماع صرف عید کے دن جائز ہے۔سو اس کے ہرگز جائز نہیں۔کیونکہ آپ نے عید کے ساتھ مقید فرمایا۔

جواب:

یہ ہے کہ قاعدہ اصول کا ہے خصوص سبب کا عموم حکم کو روک نہیں سکتا۔ اور حبشیوں کا گانا اور دف بجانا اور کودنا مسجد نبوی میں صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اور خود سرکار دو عالم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو کندھے سے ڈھانک کر دکھانا یہ سب کچھ ثابت ہے۔ اب جو شخص سماع یا رقص کو ناجائز کہے۔ تو گویا اس نے حضور ﷺ کو مرتکب حرام ٹھہرایا۔ نعوذ باللہ من ذالك اور جس کا یہ اعتقاد ہو وہ بلاشبہ کافر ہے۔

سوال:

اگر منکر اعتراض کرے کہ یہ سماع حضورِ کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ مخصوص ہے دوسروں کے واسطے جائز نہیں۔

جواب:

کہ آنحضرت ﷺ شارع ہیں۔ اور شارع کے لیے کسی امر شرعی کا اخفاء جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ ان الذین یکتمون ما انز لنا من البینات و الھدی من بعد مابیناہ للناس فی الکتب او لئك یلعنھم اللہ و یلعنھم اللّٰعنون○ (سورۃ بقرہ) و قال تعالیٰ واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتو الکتب لتبیننه ولا تکتمونه الآیۃ○ (سورۃ العمران) اب اگر رقص وحضور سماع و دف کا بجانا حرام ہوتا۔ تو آپ پر اس آیت کے مقتضاء سے واجب تھا کہ اس کو بیان فرما دیتے۔ کہ یہ صرف ہمارے لیے ہے۔ دوسروں کے لیے نہیں ہے۔ جیسا کہ صوم وصال سے آپ نے لوگوں کو منع فرمایا۔ اور خود بذاتِ اقدس اس کے مرتکب رہے الاخصوصیت بیان فرمادی۔ جب حضور کریم ﷺ بذاتِ اطہر مجلس رقص و سماع غناء و دف میں شامل رہے۔ اور کسی کو اس سے منع بھی نہ فرمایا۔ تو جواز علی الاطلاق عمدہ ترین طریق سے ثابت ہو گیا۔

سوال:

اگر منکر کہے کہ رقص لعب ہے۔ اور لعب حرام ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لا الدود منی ولا انا من الدود اور دود لعب کو کہتے ہیں۔

جواب:

اس کا یہ ہے کہ یہ حدیث لعبِ حرام کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ نرد و قمار وغیرہ کیونکہ بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ میرے گھر کے دروازہ پر تشریف فرماتے اور حبشی تیروں کے ساتھ مسجدِ نبوی میں کھیل کود رہے تھے اور میں ان کی طرف دیکھ رہی تھی جب مسجد نبوی میں حضورِ کریم ﷺ کے سامنے کھیل کود جائز ہوئی تو اس کے سوا دوسری جگہ بطریق اولیٰ جائز ہوگی۔ اور جس نے کہا کہ لعب مطلقاً حرام ہے۔ تو اس نے گویا حضورِ کرم ﷺ کے حرام پر حاضر ہونے کا اعتراف کیا۔ اور جس کا یہ اعتقاد ہو وہ بالا تفاق کافر ہے۔ دربارِ نبوت ﷺ میں ایک عورت انصار یہ حاضر ہو کر عرض کرتی ہے کہ میں نے نذر مانی تھی کہ حضور ﷺ کے روبرو دف بجا دوں گی۔ دربار عالیہ سے ارشاد ہوتا ہے کہ اپنی نذر کو پورا کر یعنی ہمارے سامنے دف بجا۔ وہ عورت حضور ﷺ کے سامنے دف بجا کر یہ شعر گاتی ہے۔

طلع البدر علینا من ثنیۃ الوداع

واجب الشکر علینا مادعیٰ ا للہ الداعی

یہ گانا بجانا حضور ﷺ کے سامنے آپ کے ارشاد سے ہوا۔ اور آپ نے اس کو بذاتِ اقدس سنا۔ اب جو شخص سماع غناء و دف و رقص کو حرام کہے تو اس نے حضور کریم ﷺ کو مرتکب حرام جانا، جس کا یہ عقیدہ ہے وہ بالا تفاق کافر ہے۔ جس شخص نے سماع کو مطلقا حرام کہا۔ تو اس نے شرع میں جس چیز کی نص وارد نہ تھی اس کو حرام کہا۔ کیونکہ نہ کتاب اللہ میں اس کی حرمت وارد ہے اور نہ حدیث شریف میں۔ اور جو چیز شریعت میں حرام نہ ہو اس کو حرام کہنا افتراء علی اللہ ہے اور بالا جماع کفر ہے۔ اور نیز عوام کا سماع اور رقص حبشیوں کے رقص کے مشابہ ہے۔ جو حضورِ کریم ﷺ کے

سامنے ہوا تھا۔ جس کی اباحت میں کوئی خلاف نہیں۔ اور نہ ہی عوام کے رقص و سماع میں خلاف ہے ۔ بلکہ ان کے حرکات و سکنات و بوقت سماع ان کی حرکات کے مشابہ ہوں گے جو بساطین اور باغوں میں ہوا کرتے ہیں۔ جن کی اباحت میں کوئی شک نہیں ویسے یہ بھی۔ اور حدیث شریف میں آیا ہے من تشبہ بقوم فھومنھم اور صاحبان حق مثل بعض صحابہ و اولیاء اللہ مثل جنید رحمتہ اللہ علیہ وغیرہ نے سماع میں حرکات کیں جیسا کہ ان سے منقول ہے اب اگر عامی سماع میں ان کی مشابہت کے لئے حرکت کرے اور ان کی برکت حاصل کرنے کے واسطے تو یہ بھی انہیں سے ہوگا۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ھؤلاء القوم لا یشقی جلیسھم نیز جو شخص رقص و سماع غناء و دف کا منکر ہو وہ اللہ تعالیٰ کا محارب ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ سے لڑنے والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے محاربہ کرنا بالاتفاق کفر ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے من عادی لی ولیا فقد بارزنی فی المحاربۃ اور اولیاء اللہ کا ہونا امت محمدیہ میں یقینی ہے۔ اس میں کسی کو انکار نہیں اور تمام روئے زمین کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جنید بغدادی و شبلی و معروف کرخی و عبداللہ بن شفیق وغیرہ اولیاء اللہ ہیں۔ اور ان کا سماع میں رقص و وجد منقول و معروف ہے پس جس نے سماع و رقص کو علی الاطلاق حرام کہہ دیا یا تو گویا اس نے ان اولیاء اللہ کو مرتکب حرام ٹھہرایا۔ اور جو شخص اولیاء اللہ کو مرتکب حرام کہے تو اس نے ان سے عداوت کی۔ اور جس نے اولیاء اللہ سے عداوت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محاربہ کیا۔ اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محاربہ کیا۔ وہ بلا تفاق کافر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق۔ ان تقاریر اور دلائل اور احادیث سے ثابت ہوا کہ سماع مطلقاً مباح ہے۔ اور اس کا منکر یا تو کافر ہے یا فاسق۔ اور یہ سماع مریدین کے حق میں تاکیدی مستحب ہے۔ اور اولیاء اللہ کے لیے واجب بالنسبۃ الی مقاماتھم۔ کیونکہ یہ لوگ ماسوائے اللہ سے اعراض کرنیوالے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ان کے حق میں ہے یریدون وجھہ انتھی ترجمہ کلام الغزالی و خیر الصراط۔ لیجئے فاضل معاصر نے تحریم سماع علی الاخلاق میں نہایت جانفشانی و سرتوڑ کوشش کی اور پھر محللین پر حکم کفر یا فسق جاری کر کے وجوب التعزیر کی بھی ڈگری دے دی۔

لیکن امام غزالی نے انہیں کے کفر کو مع اضعاف مضاعفہ کے مثل تیغ ہندو برگردن ہندو انہیں کے سر پر رکھ دیا۔ افسوس اس کج فہمی نے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔

وہ چہ فرخندہ شبے باشد و خرم روزے
کہ بفہم تو درآید کہ سماع است حلال

قال و فی الذخیرۃ ان التغنی مع جمیع انواعہ حرام عندنا

اقول اولاً شیخ عبدالحق دہلوی نے مدارج النبوت میں کہا ہے کہ صاحب ذخیرہ از حنفیہ نقل کردہ است از بعض حنفیہ کہ لا باس بہ فی الاعراس و بعضے گفتہ لا باس بہ در اعیاد وسائر اوقات سرور مباحہ و اختیار کردہ است آن را از علماء متقین شیخ الاسلام ابو محمد بن عبدالسلام و صاحب وے شیخ محمد بن دقیق العید انتہی۔ اب ان دونوں عبارتوں میں تطبیق اسطرح ہے کہ تغنی سے وہی مراد ہے جو شرعاً مذموم ہے جو وہ بتمام انواعہ حرام ہے نہ مطلق ثانیاً اگر اس عبارت کو اپنے عموم پر رکھ کر جمیع انواع غناء حرام سمجھے جائیں تو یہ بالکل کذب ہے۔ کیونکہ بعض انواع غناء کو تو ہادیان اسنام نے بھی سنا اس کو حرام کہنا چھوٹا منہ بڑی بات کا مصداق بنتا ہے اب ہم کہتے ہیں کہ بعض الغناء سمعہ النبی ﷺ و اصحابہ و ائمۃ المسلمین فکلما سمعہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ و ائمۃ المسلمین فھو حلال طیب ینتج ان بعض الغناء حلال طیب اما الصغری فلما مر تحقیقہ. بالا حادیث الصحیحۃ والا قاویل ا الصریحۃواما الکبری فلھدایۃ الاسلام فثبت من ھذا البرھان البین الانتاج ان القول بحرمۃ جمع انواع الغناء کذب و لغو،الا ان یفرق بین التغنی و الغناء فان الاول فعل و الثانی انفعال و تعمیم الاول لا یستلزم تعمیم الثانی کما لا یخفی علیٰ من دق النظر فالحاصل ان ھذہ العبادۃ بسیاقھا لا یفید المجیب و اللہ اعلم۔

قال و ایضاً فی فتاوی النسائی استماع صوت الملاھی و الغناء خرام

اقول قد مر تفصیل الملاھی و الغنا غیر مرۃ فلا نعیدہ

قال و ایضاً فیه و قول محمد اللعب و الغناء دلیل علی ان التحریم لا یختص بالمزامیر لا ن الضرب بالقصب و التغنی معه حرام لان ذالك لهو

اقول اس عبارت کا مفاد بھی حرمت غناء ومزامیر جو بغرض لہو ولعب کے ہوں ہے۔ نہ علی الاطلاق جیسا کہ فاضل معاصر نے سمجھا قال و اللهو کله حرام الا ثلثة ملا عبة الرجل مع اهله او تأدیبه بفرسه او منا صلته بقوسه و هذانقل من فتاویٰ العتابی اقول حدیث شریف میں بطال مقام حرام کے ہے۔ اس سے حرمت سماع کی ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ باطل کا معنی بے سود ہے۔ والا جمیع ملاعبات مسوائے ہر سہ مذکورہ کے حرام ہوں۔ مثلاً حیوانات وطیور ومیوہ جات کے ساتھ بھی کھیلنا حرام ہو۔ حالانکہ انکی ملاعبت کی حرمت کا کوئی قائل نہیں ہے جیسا کہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ انس بن مالک کا چھوٹا بھائی بلبلوں کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ ایک دن آپ نے اس کو فرمایا یا ان عمیر ما فعل النعیر علاوہ یہ کہ اگر غنا بغرض لہو ہو۔ تو اس کی حرمت میں ہمارا بھی اتفاق ہے۔

قال و ایضاً فیه و فی المضمرات و فی المنافع اعلم انّ التغنی حرام فی جمیع الا دیان

اقول ادیان سے فاضل مجیب نے کیا سمجھا۔ اگر جمیع ادیان سالفہ وموجودہ مراد ہیں جن میں امم سابقہ بھی داخل ہیں تو یہ صریح خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ ادیان سابقہ میں اس کی حرمت کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ بلکہ بعض پیغمبروں کا یہی معجزہ تھا۔ اور اگر اسی امت مرحومہ کے ادیان مراد ہیں۔ عام ازیں کہ امت اجابت ہو یا دعوت تاہم صحیح نہیں کیونکہ بعض افراد امت اجابت میں یہ عبادت ہے۔ اور اگر صرف امت اجابت کے افراد مراد ہیں۔ تو چونکہ بعض غناء کو جناب سید الکونین ﷺ و سلف صالحین نے سنا ہے۔ لہذا پھر بھی صاف سچ نہیں ہے۔ پھر حال جناب اس عبارت کا سیاق و سباق دیکھ کر خوب سوچ کر جواب دیں۔ اگر جناب راستی پر چلتے اور سنگین دعوے نہ کر بیٹھتے تو اس معمہ میں نہ پھنستے۔

راستی موجب رضائے خدااست
کس ندیدم کہ گم شد ازرہِ راست

قال و ایضاً فیہ الضرب فی القضیب و التغنی حرام لا نہ لہو و لعب

اقول ہاں جب بغرض لہوولعب ہو۔

قال و فی مدخل ابن الحاج قد سئل مالك عمار خص فیہ اھل المدینۃ من الغناء فقال انما یفعلہ عندنا الفساق و نھیٰ عن الغناء واستماعہ اقول ہاں بشرطیکہ بغرض لہوولعب ہو۔والالا۔کیونکہ خودامام مالک سے منقول ہے السماع لا یتکرہ الا الجاھل کما مر و ھذا سماع حق لاینا سب انکارہ ۔

قال واما ابو حنیفہ فانہ یکرہ الغناء و یجعلہ من الذنوب و کل ذالك مذھب اھل الکوفۃ سفیان و حماد و ابراھیم و الشعبی لا اختلاف بینھم فی ذالك ولا نعلم ایضاً من اھل البصرۃ خلافاً فی کراھتہ ذالك و المنع منہ

اقول امام اعظم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا سماع کے بارہ میں قول وفعل پہلے مذکور ہوا۔اور باقی علماء کے اقاویل کے معانی بھی پہلے مذکور ہوئے۔یعنی جوسماع مقترن بفحش ومنکرات ہو۔وہی کراہت یاممانعت کامستحق ہوگا۔

قال واما الشافعی قال فی کتاب القضاء الغناء لھو مکروہ یشبہ الباطل

اقول اس عبارت کی تاویل پہلے مذکور ہوئی۔اعادہ کی حاجت نہیں۔

قال و فی الدر المنتقی شرح الملتقی فی البحر و امذھت حرمتہ مطلقاً فانقطع الا ختلاف

اقول بلکہ مذہب تفصیل ہے جیسا کہ شیخین کے قول وفعل سے ثابت ہے۔

قال بل ظاھر الھدایۃ انہ کبیرۃ ولو لنفسہ وھو قول شیخ الاسلام و کذالسما معہ و حاضرہ انتھی ملخصاً اقول ذراشروح ہدایہ مثلاً فتح القدیر، کفایہ،عنایہ،نہایہ، بنایہ اور درالمختار

ردالمختار طحطاوی اور بحرالرائق نہرالفائق وغیرہ اور فتاویٰ عالمگیریہ قاضی خان والولجیۃ وغیرہ کتب فقہ کوتو دیکھو وہ تو بوقت تنہائی دفع وحشت کے لیے جائز بلا کراہت لکھتے ہیں۔

بلکہ شمس الائمہ سرخسی کا تو یہی مشرب ہے۔

قال و فی النهاية التغنی والتصفيق والطنبور و البر بط و الدف وما اشبه ذالك حرام و معصيبته .

اقول اس عبارت نے تو دف کو جناب کے نزدیک رخصت اور مباح تھی حرام کردیا۔ تو اپنی مخلصی کے واسطے جناب بھی کوئی صورت سوچیں گے۔ جو ہمیں بھی غالباً مفید ہوگی۔ فما ھو جو ابکم فھو جو ابنا و باللہ التوفیق

تاندانی کہ سخن عین صوابست مگو

آنچہ دانی کہ نہ نیکوش جوابست مگو

قال خلاصہ کلام یہ ہے کہ آیت وحدیث اور مذہب جمہور علماء متوافق ہیں تحریم غنا و معازف ہیں۔

اقول ع دروغے را کجا باشد فروغے۔ جعلی مقدمات سے اپنا مدعا ثابت کرنا جناب ہی کا کام ہے۔ ذرا نیاز مند تھوڑے اس عرض کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ جناب کے مشرب میں سماع تو علی الطلاق حرام ہے کیا جھوٹ حلال ہے۔

ریا حلال شمارند و جام بادہ حرام

زہے طریقت ملت زہی مذاہب کیش

آیت اور حدیث اور اقوال فقہا تو غنا اور معازف کو علی الاطلاق حرام نہیں کہتے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ نا معلوم جناب نے ان سے کیا معنی سمجھے جس پر وہ ناز کرتے ہیں۔

قال فرق آیت اور حدیث میں اس قدر ہے کہ آیت محرم غنا صراحتہً ہے اور محرم معازف دلالتہً۔ اور حدیث برعکس اس کے محرم ہے۔

اقول سبحان اللہ ماشاءاللہ اب فاضل مجیب اپنی علمیت کے کرشمے دکھانے پر اترے ہیں۔ جناب نے صراحت کو دلالت کا مقابل بنا کر اپنے مدعا کا اثبات کر دیا لیکن یہ بھی نہ سوچا کہ صراحت اور دلالت کا آپس میں تقابل کیسا ہے۔ اگر بجائے صراحت کے عبارت کہہ دیتے تو البتہ اس خدشہ سے بچ جاتے اچھا جو کچھ ہوا ہو۔ یہ تو معلوم ہو گیا کہ جناب بھی اصول کے ماہرین سے ہیں اللھم الا ان یراد من الصراحۃ والدلالۃ معناً ھما اللغوی لا العرفی اس صورت میں البتہ اعتراض سے تو بچ جائیں گے۔ مگر ان کے مدعا کے اثبات میں نقص آجائے گا۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ ہر ایک لفظ اپنے مفہوم پر دلالت کرتا ہے عام ازیں کہ مطابقی ہو یا تضمنی یا التزامی نہ کسی مغار پر مثلاً جاء زید سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسکا گھوڑا بھی آیا ہو جہاں تک راکباً نہ کہا جاوے۔ تو جس عبارت کا مفاد حرمت غنا ہے وہ حرمت مزامیر پر کب دلالت کر سکتی ہے۔ اور جس کا معنی حرمت مزامیر ہے وہ حرمتِ غنا پر دلالت کرنے سے قاصر ہے۔

قال اور مذاہب و اعمال کے جمہور کے مصرح دونوں کی حرمت کے اور سوید دونوں دلالتوں کے واقع ہوئے ہیں۔

اقول جس غنا اور مزامیر کو آیت حدیث و مذاہب و اعمال جمہور علماء حرام بتاتے تھیں۔ وہ جناب کا مدعا نہیں اور جو جناب کا مدعا ہے اس کو حرام نہیں بتاتے فبینھما بعد المشرقین کما مر تفصیلہ فیما مر مرادا

اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار ہی نہیں

قال غرض کہ حرمت غناء و معازف کی درجہ قطعیت کو پہنچی ہوئی ہے۔

اقول ہاں مگر نہ علی الاطلاق بلکہ وہ غناء اور معازف جو شرعاً مذموم ہیں۔

قال مگر قطعیت اس کی چونکہ نظری ہے بملاحظہ قواعد شرعیہ اور تواتر عملی کے ثابت ہوتی ہے بدیہی نہیں کہ مطابقہ اور بسبب تواتر نقلی کے ثابت ہو۔

اقول جو جناب کا مدعا ہے یعنی حرمت غناء ومعازف علی الاطلاق قطعی کو بجائے خود ظنی بھی نہیں اور نہ اس کے ثبوت میں کوئی قوائد شرعیہ ناطق۔

قال لہذا منکر اس حرمت کا کافر نہ ہوگا۔

اقول

ہے وہ غرور حسن سے بیگانہ وفا

ہر چند اس کے پاس دل حق شناس ہے

قال البتہ فاسق اعلی درجہ کا ہوگا

اقول

زخم بر زخم مت لگا اے شوخ

میں تری اس بدی سے در گذرا

اس حرمت اعلی الاطلاق کا منکر نہ کافر ہے نہ فاسق۔ بلکہ اس حرمت کا قائل کافر ہے جیسا کہ امام غزالی نے اپنے رسالہ بوارق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع میں خوب تحقیق سے تصریح فرمائی ہے۔ دیکھے خدا جس کا جی چاہے۔

قال اور جس نے کفر کا حکم دیا یا تو تہدیداً کیا یا احکام قطعیہ نظریہ وبدیہیہ میں فرق نہ کرنے کے سبب سے کیا۔

اقول جس نے کفر کا حکم دیا یا فسق کا دونوں اس غلطی میں یکساں ہیں۔

قال بہر حال حکم اس کا تحقیقی نہیں ہے کہ آثار اس کے اس پر مرتب ہوں اقول اچھا ہوا کہ جناب نے اپنے دلائل کو غیر تحقیقی یعنی جعلی قرار دیا ہے۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی

گومشت خاک ماہم برباد دادہ باشی

قال ومخالفت محللین کی کسی طرح مضر نہیں۔ کیونکہ مدار ان کی مخالفت کا امور عدیدہ پر ہے۔

جو کہ خارج از قواعد شرعیہ ہیں۔

اقول جب محرمین سے کوئی دلیل قوی حرمت سماع علی الاطلاق پر قائم نہ ہو سکی۔ تو محللین کو دلائل کے قائم کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ کیونکہ جس چیز کی حرمت ثابت نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک چونکہ اصل الاشیاء اباحت ہے۔ لہذا اپنے اصل پر محمول ہو کر مباح ہوگا۔ محللین کا مدار انہی دلائل پر ہے۔

قال اول یہ احادیث اور ارتکابات صحابہ وغیرہ سے حلت غنا کی ثابت کرتے ہیں۔ اور اس پر اجماع کو منعقد کرتے ہیں۔ حالانکہ غنا محاورہ عرب میں چند معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ رفع صوت۔ نصب۔ حداء راگ۔ اور مقامات استعمال لفظ غناء میں کوئی قرینہ ایسا نہیں کہ جس سے تعیین رابع کی ہو۔ بلکہ کثرت وقوع رفعِ صورت ونصب وحدا کا قرن اولیٰ میں فیما بین اہلِ اسلام کے مرجع ہوگا۔ حمل غنا کو ماسوائے راگ پر کیونکہ شہرت معنی کی مرجح ہوتی ہے حمل لفظ کو اسی معنی پر جب تک کہ کوئی قرینہ صارفہ نہ قائم کیا جائے۔ پس محللین کی حجج سے ثبوت حلت ماسوائے راگ کا ہوگا جو متنازعہ نہیں۔ اور جو متنازعہ فیہ ہے۔ وہ ہرگز ثابت نہیں۔

اقول سعدی کا فرمان ہے

یا سخن آرائے چو مردم بہوش

یا بنشیں ہمچو بہائم خموش

جناب من۔ آیت لہو الحدیث کی تفسیر میں جو بعض صحابہ سے قرن اول میں لفظ غنا کا صادر ہوتا ہے۔ جس پر جناب بڑے زور سے ناز کر کر فنا ہو گئے ہیں اس کا معنی بھی راگ نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ دوسرے معانی میں سے جو کہ مشہور ہیں کوئی معنی مراد ہو۔ علیٰ ہذا القیاس بعض احادیث یا آثار رہیں سو شاید اس سے بھی مراد راگ نہ ہو۔ یا کلام فقہائے متقدمین جو غنا کی حرمت کے روایات میں آئی ہیں ان سے مراد بھی راگ نہ ہو۔ پھر تو فیصلہ ہو گیا۔ کہ نہ کوئی نص راگ کی حرمت اور نہ اباحت پر۔ تاہم جناب کو خسارہ کیونکہ ایسے وقت میں اصل اشیاء کو مدِ نظر رکھ کر اباحت ثابت ہو

جائے گی۔ جس سے جناب کا مطلب کافور و مدعا مفرور ہو جائے گا۔

کبوتر یکہ دگر آشیاں نخواہد دید

قضا ہمے بردش بسوئے دانۂ دوام

اگر جناب وہاں قرینہ صارفہ نکال لیں۔ تو ہم بھی ان احادیث محللہ یا اجماع منعقدہ یا اقوال سلف یا اعمال قدماء میں کوئی نہ کوئی قرینہ صارفہ تلاش کر کے ہدیہ مزاج عالی کر دیں گے۔ نہایت تعجب ہے کہ جو لفظ ادلہ محرمہ میں وارد ہو۔ وہ تو بمعنی راگ ہی ہے۔ وہاں قرینہ کی ضرورت ہی نہیں۔ اور اگر وہی لفظ ادلا محللہ میں آ جائے تو راگ کے سواء کسی دوسرے معنیٰ پر محمول ہو جاتا ہے۔

ع ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

قال یہ کہ احادیث سے حلت دف کی ظاہر کر کے معازف کو اس پر قیاس کرتے ہیں۔ حالانکہ حلت دف کی رخصۃً مقام ضرورت میں بعض انہیں احادیث سے ثابت ہے۔

اقول ع سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست۔ جناب من! حلت معازف کو دف کی حلت پر اولا تو قیاس کرنے کی ضرورت کیا ہے جب یہ ثابت ہو گیا۔ کہ جملہ معازف فی نفسہا مباح ہیں۔ ان کی ذات میں نہ کوئی حرمت نہ قباحت۔ الا بوجہ عوارض مذمومہ ملحقہ کے کبھی حرمت آ جاتی ہے۔ جیسا کہ مباحث سابقہ عوارض مذمومہ ملحقہ کے کبھی حرمت آ جاتی ہے۔ جیسا کہ مباحث سابقہ میں اس کی تفصیل گذری۔ ثانیاً اگر قیاس کیا بھی جائے۔ تو یہ قیاس صحیح ہے۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

قال اور امر ضروری مقدر بقدر ضرورت ہوا کرتا ہے۔

اقول، سوائے ان مزامیر کے جو مجالس فسق میں سجائے جائیں۔ دیگر کل اپنی اباحت اصلیہ پر ہوں گے۔ ان پر حرمت آئی ہی نہیں۔ پھر ضرورت کیسی۔ اور مقدر بقدر ضرورت کہاں کا؟

قال لہذا دف ہی کی حلت عموماً ثابت نہیں ہوتی۔ چہ جاء اور معازف کی حلت

اقول دف کی حرمت کی کوئی بھی وجہ معلوم نہیں ہوتی عموم کیا اور خصوص کیا۔ ہاں اگر مجلس

فساق میں بجائی جائے تو بعوارض ذمیمہ حرام ہو جائے گی۔ اس میں سب مزامیر داخل ہیں دف کی کوئی خصوصیت نہیں۔

قال اور بر تقدیر دف کے عموم حلت کے بھی قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ مطرب کا قیاس غیر مطرب پر مع الفارق ہے۔

اقول اولاً آلات مطربہ کا قیاس عود پر مشہرہ کا قیاس دف پر جیسا کہ پہلے مذکور ہوثانیاً مطرب و غیر مطرب کے فرق کا خیال وہ شخص کرتا ہے۔ جس کو حظ روحانی نہیں اور جس کو اس درد کا احساس ہے۔ اس کو اس بات سے کیا غرض

نہ یم داند آشفتہ خاطر نہ زیر
بہ آواز دولاب گرید فقیر
درخت سبزد اند قدر باراں
تو چوبی قدر باراں راچہ دانی

قال ثالث یہ کہ باوجود دعوے کثرت احادیث تحریم معازف کے تصنیف ہر حدیث کی کر کے کسی کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتے۔ حالانکہ کثرتِ احادیث کا اتفاق کسی حکم پر دلالت کرتا ہے وجود اصل پر اس حکم کے۔ پھر یہ احادیث بھی واقع میں کل ضعیف نہیں بلکہ صحیح اور بعض حسن اور اکثر ضعیف ہیں۔ اور ضعیف بھی کل ایسی نہیں کہ جن کا تعدد طرق درجہ حسن کہ نہ پہنچا دے۔ علاوہ اس کے غیر صحیح کا سب قوت ہوتی ہیں صحیح سے۔ پھر جب ان سبھوں کی قبولی کے ساتھ ہر عصر میں تلقی جمہور علماء کی بطور تواتر متعلق ہوگئی۔ اور تعامل ان کا حسبِ مقتضیٰ ان کے علی التواتر ہو گیا۔ تو یہ احادیث سب کی سب درجہ قوت میں حد قطعیت کو پہنچ جائے گی۔ کیونکہ اس جگہ کوئی معارض قوی ایسا نہیں کہ جو مانع قطعیت کو پہنچ جاوٗں گی۔ کیونکہ اس جگہ کوئی معارض قوی ایسا نہیں کہ جو مانع قطعیت ہو۔

اقول:

ہر کہ تامل نکند در جواب
بیشتر آید سخنش تا صواب

جنابِ من! احادیث کی تضعیف کی ضرورت تب پیش آئی۔ جب انکا محمل صحیح نظر نہ آتا۔ مگر چونکہ ہر ایک حدیث کا محمل صحیح موجود ہے۔ جس سے محللین کے مدعا کی صریحاً تائید اور محرمین کے ادعاء کی تردید ہے۔ پھر تصنیف کی ضرورت کون سی۔ ہاں نقادفن نے جو جو موشگافیاں کی ہیں وہ کسی کے کہنے سنے نہیں۔ بلکہ یہ ان کا اپنا فرض منصبی تھا۔ جس سے وہ سبکدوش ہوئے ہیں۔ اور خود جناب جو اکثر احادیث محرمہ کو ضعیف کہے جاتے ہیں۔ بتایئے اس میں ہمارا کیا قصور؟

قال رابع یہ کہ بعض اور بعض اکابر علماء سے اختیار بعض معازف کو اور حضور مجلس غناء مع المز مار کو نقل کر کے تقویت اپنے دعوے کی کرتے ہیں حال آنکہ اس قسمکے وقائع حالیہ بسبب تطرق احتمالات کے مقابل میں ان احادیث متلقی بالقبول کے تقویت ان سے کیسی قابل اعتبار بھی نہیں ہوتی۔

اقول صحابہ وتابعین واکابر علماء دین وفقہاء مجتہدین کے عملدر اند اول دلیل اباحت سماع ہے۔ ان کے افعال بحثیت مقتداء ہونے کے ہمارے اسوہ حسنہ ہیں۔ احادیث کے معانی وموارد ان کو بخوبی معلوم ہونے کی وجہ سے ان کے افعال خلاف ماموربہ پر حمل نہیں کئے جاسکیں گے۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اهتدیتم کا اسی طرف اشارہ ہے۔ علاوہ اس کے تطرق احتمالات تو احادیث قولیہ سے بھی رکتا۔ پھر کیا وہ بھی قابل عمل نہیں۔

قال علاوہ اس کے اگر نقل ان کی درجہ وثوق کو پہنچے تو مقابل میں ان احادیث کے شاذ ٹھہریں گے اور شاذ اقسام مردود کے ہے۔

اقول:

نہ بیند مدعی جز کویشتن را
کہ دارد پردۂ پندار در پیش

جناب تو خواب کی باتیں کررہے ہیں۔ ذرا ہوش میں آکر باتیں کریے۔ شاذ اس حدیث کا نام ہے جس کو فرد واحد برخلاف جماعت کثیرہ سے روایت کرے۔ یہاں تو جماعت کثیرہ صحابہ کرام، تابعین، ائمہ مجتہدین واساتذہ محدیثن اس عمل میں شریک ہیں۔ بلکہ خود سیّد المرسلین ﷺ نے بھی شرف اشتراک بخشا۔ جو کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جن کی صحت کو خود جناب نے بھی تسلیم کرلیا ہے۔ اب بتائیے کہ شاذ کون ہوئے۔ ادلہ محللہ یا محرمہ اس میں مَیں کچھ نہیں کرسکتا۔ اگر ذرہ بھر بھی انصاف اور حق پرستی ہے تو خود فیصلہ کرلیں۔

قال خامس یہ کہ اقوال محرمہ کے بعض کلمات کو ایسے معانی پر محمول کرتے ہیں جس سے سیاق وسباق ومحل وغیرہ ابا کرتا ہے۔

اقول

دکھاتا یوں وہ اپنی چال کے اطوار پھرتی ہیں
بہادر جنگ میں جیسے لیے تلوار پھرتے ہیں

جناب من! اگر اس چال میں کوئی قباحت ہے۔ تو اس میں جناب کا نمبر اول ہے۔ نظائر تو اس کے بہت ہیں۔ مگر بطور نمونہ صرف ایک تطیر ضیافت مزاج عالی کی جاتی ہے۔ غناء کا لفظ جب ادلہ محللین میں آئے تو اس کا معنیٰ راگ ہرگز نہیں۔ بلکہ حدا یا رفع صوت یا نصب ہے۔ اور جب یہی لفظ جناب کے استدلال میں آئے۔ تو اس کا معنیٰ راگ ہی ہے نہ غیر۔ اب بتایئے کہ ایسی چالبازی کسی کے امکان میں ہے۔

قال سادس یہ کہ اقوال وافعال حضرات اکابر ارباب باطن قدس الاسراء ہم کو مؤید حلت گردانتے ہیں۔ حالانکہ ان سے تائید کسی طرح صحیح نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے کہ افعال ان حضرات کے دو حال سے خالی نہیں۔ یا حالت اضطرار ہیں۔ اور بسبب شدت ضرورت دفع مرض تکاسل

کے صدور پاتے ہیں۔ تقدیر اول پر حلت ان کی مثل اور محرمات کے بطریق رخصت شرعیہ کے ہوگی۔ نہ عزیمت شرعیہ کے۔ یہاں تک کہ تائید صحیح ہو۔ اور تقدیر ثانی پر حرمت ان افعال سے مختلف نہیں ہوتی۔ حالانکہ منافع کثیرہ مثل مسرت وقوت وشجاعت وغیرہ کے اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

اقول

نہ در ہر سخن مبحث کرذن رد است

خطا بر بزرگاں گرفتن خطاست

حضرات اکابر ارباب باطن جن کا دوسرا نام اولیاء اللہ ہے۔ چونکہ اخص خواص عباد اللہ اور مقتدایان امت محمدیہ ہیں۔ اگر ان کے اقوال وافعال مؤید اور سند نہیں ہو سکتے۔ تو کیا عوام کالانعام کے افعال واقوال سند بنائیں گے۔ جناب من! اگر جہان میں کسی کا قول وفعل حل وحرمت میں موئد یا سند بن سکتا ہے تو یہی لوگ ہیں۔ جن کے نفوس مقدسہ محبت الٰہی میں ایسے محو ہیں کہ سوا رضا محبوب حقیقی کے نہ چلتے ہیں نہ پھرتے ہیں نہ اٹھتے ہیں نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ ان کے افعال و اقوال ان کے حرکات وسکنات گویا عین شرع ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں

ہر چہ گیرد علتی علت شود

کفر گیرد کاملے ملت شود

قولہ تقدیر اول پر آہ یہ تقریر جناب کی تب قابلِ تسلیم ہوتی۔ جب سماع کی حرمت ثابت ہو جاتی۔ چونکہ اب تک یہ دعوے ثبوت طلب ہے۔ تو اضطرار وشدت ضرورت پر حمل کرنا جناب کے من کے لڈو ہیں۔ **قولہ** اور تقدیر ثانی پر آہ یہ تقریر سراسر تزویر ہے۔ اول تو اولیاء کرام کے افعال و معمولات کو حرام قرار دینا چھوٹا منہ بری بات کا مصداق بننا ہے۔ اولیاء اللہ کو تو صغائر کے ارتکاب سے بھی محترز رہنا ضروری ہے۔ چہ جائے کبائر ومحرمات قطعیہ بلکہ **حسنات الا برار سیئات المقربین قاعدہ مسلمتہ الکل** ہے۔

من نگویم کہ و چہ گفتی و چہ کن
کہ تو خود دانی اگر زیرک و عاقل باشی

دوئم ان اکابر کی اقتداء تو موجب فلاح دارین ہے۔ حضرت امام غزالی رسالہ ھوامق الالماع فی تکفیر من یحرم السماع میں لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص خواہ عامی بھی ہو۔ اقتداء سلف صالحین میں سماع کی حالت میں وجد اور رقص کرے۔ تو یہ بھی انہیں سے محسوب ہوگا۔ بحکم من تشبیہ بقوم فھو منھم الحدیث قال لیکن ان حضرات کو چونکہ تقرب خاص حق تعالیٰ سے ہے۔ اور بحر محبت الٰہی میں غرق ہو رہے ہیں۔ لہذا عدم تخلف حرمت کا حق میں ان کے ضرر پہنچا نہیں سکتا۔ جیسے چند قطرات نجاست آب دہ دردہ کو نجس نہیں بنا سکتے۔

اقول

اے نازنیں پسر چہ تو مذہب گرفتۂ
کت خون دیں حلال از شیرِ مادراست

جنابِ من! اگر خواص کو حرام کا ارتکاب ضرر نہیں دیتا۔ تو پھر عوام کو کیا ضرر دے گا

ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

انبیاء کرام علیہم اسلام جن سے کوئی لغزش ہوئی۔ وہ تو اس سے قیامت تک ہراساں ولرزاں ہیں اور اولیاء کرام جو ان کے مناصب سے ہزاروں درجہ کم ہیں۔ یہ ہر روز بلکہ ہر ایک دن میں کئی دفعہ حرام قطعی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اس کو ہمیشہ کے لیے اپنا دستور العمل بنا رکھیں۔ اور ان کا دہ دردہ ویسا پاک کا پاک رہے۔ کیا ان کا دَہ دردَہ انبیاء کے دَہ دردَہ سے زیادہ ہے۔ افسوس ایسی ردی تاویلوں سے اپنا مدعا ثابت کرتے ہیں۔ جو نادان سے نادان لڑکے بھی اس کردار کو موجب عار جانتے ہیں۔

بر بساط نکتہ داناں خود فروشی شرط نیست
یا سخن دانستہ گو اے مردِ عاقل یا خموش

قال اور اسی عدم ضرر کی وجہ سے امر حرام بہتوں پر مشتبہ بہ حلال ہو گیا۔

اقول عدم ضرر سے کیا مراد ہے۔ دینی یا دینوی۔ اگر دینی مراد ہے۔ تو غلط کیونکہ حرام قطعی کے اصرار سے تو حصہ دین کا جاتا رہتا ہے۔ اور اگر دینوی مراد ہے تو وہ خارج از بحث ہے۔ خلاصہ یہ کہ حرام کا ارتکاب دینی ضرر تو ضرر پہنچا دیتا ہے۔ جب اکابرِ دین باوجود استماع غناء و مزامیر اپنے دینی منصب سے نہیں گرتے۔ بلکہ روز افزوں ترقی پر رہتے ہیں۔ تو یقین ہوا کہ سماع حرام ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ معراج الکمال ہے۔

قال پھر تشقیق اسی تقدیر پر ہے۔ کہ جب غناء اور اصوات معازف اس عالم شہود میں ان حضرات کو مصور بصور شہود یہ ہو کر مسموع ہوں۔ ورنہ اگر عالمِ غیب میں مصور امثال اذکار ہو کر مسموع ہوں گے۔ تو سراسر حلت کا حکم دیا جائے گا۔ اور رائحہ حرمت کا شائبہ بھی پایا نہیں جائے گا۔ لیکن حکم حرمت کا اس عالم شہود میں ان اصوات پر با اعتبار انہیں صور شہودیہ کے ہوا ہے۔ نہ اور قسم کے صور کے۔ لہٰذا ان کی حرمت سے تائید ان صور شہودیہ کی حلت پر صحیح نہ ہوگی۔

اقول اگر عالم مثالی میں ارتکاب حرام قطعی کا مستوجب عذاب الٰہی نہیں۔ تو صرف غناء کا کیا نام۔ بلکہ دوسرے محرمات بھی اس قاعدہ میں آسکتے ہیں۔ تو اس صورت میں جملہ خواص مرفوع القلم ہو گئے۔ کیونکہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ یہ فعل ان سے عالم مثال ہوا ہے۔ نہ شہودی میں۔ پھر خوف کیا۔ اور زلزلہ کہاں کا۔

قال ہر گاہ کہ افعال ان حضرات کے باختلاف اعتبارات مختلف الاحکام ہوئے۔ اور کسی سے تائید نہ ہوئی۔ تو اقوال بھی ان حضرات کے مطابق ان کے احوال کے ہوں گے۔ موئد مدعا ہرگز نہ ہوں گے۔

اقول اولیاء اللہ کے افعال و اقوال حرکات و سکنات اہلِ اسلام کے لیے اعلیٰ درجہ کی سند ہیں ان کا اقتداء و اتباع ہر امر میں موجب نجات و فلاح دارین ہے۔ جو چیز ان پر حلال ہے۔ وہ تمام اہلِ اسلام پر حلال طیب ہے۔ جب ان کے دم قدم سوائے حکم حاکم حقیقی کے نہیں چلتے۔ جیسا کہ

مولانا روم فرماتے ہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

تو ان کے افعال واقوال کس وجہ سے موید وسند نہیں ہو سکتے۔ حضرت خواجہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

گرت ہواست کہ چوں جم بترغیب رسی

بیاؤ ہمدمِ جامِ جہاں نما ے باش

قال سابع یہ کہ اثبات کراہت یا حرمت میں ان ملاہی کی نسبت جب فساق کی طرف مثلاً کی جاتی ہے۔ تو وصف عنوانی فسق اور سببیّت و مسببیّت سے اس کے اغماض کر کے امور محللہ کو اس نسبت میں شریک کر کے حکم تساوی کا دیتے ہیں۔

اقول تساوی کب اور کس سے جناب نے سنی ہے۔ فساق اور صلحاء کا فرق تو ہر ایک محلل کے مدِ نظر شروع بحث اخیر تک رہتا ہے۔ یہ تو جناب کی چال ہے۔ کہ جو سماع مجالس فساق بوجہ ان کے فسق کے حرام ہو۔ اس کو عام صلحاء وفساق پر بالتساوی حرمت کا حکم لگا دیتے ہیں۔ اپنا گناہ دوسروں کے سر پر تھوپ دینا کیسی چالبازی ہے۔

قال ثامن یہ کہ تحلیل بعض معازف میں بعض اکابر علماء کے قول کو نقل کر کے سکوت کرتے ہیں۔ اور ان کے قول محرم کو پیش نہیں کرتے۔

اقول

مرا بعہد شکن خواندۂ وے ترسم

کہ باتو روز قیامت ہمیں خطاب رود

جناب کو معلوم تو ضرور ہوگا۔ اور یہ بھی ہوگا کہ جس جس کتاب کے حوالے اپنے رسالہ میں دیے ہیں۔ اور روایات نقل کیے ہیں۔ ان کے ماقبل و مابعد میں کتنے روایات محللہ موجود تھیں۔

جن کو جناب نے ترک کر کے اپنے مطلب کے موافق کی روایات نقل کر لی ہیں۔ اگر یہ چال مذموم ہے۔ تو اس میں جناب کا اول نمبر ہے۔ جیسا کہ دوران تحقیق میں عبارات ردالمختار و فتاویٰ ہندیہ وغیرہ کے ضمن میں مذکور ہوئی ہیں۔ اب اپنا کردار دوسروں کے ذمہ لگا دینا عجیب قسم کی چالاکی ہے۔

قال تاسع یہ کہ بعض اکابر سے تحلیل بعض معازف کو مقام احتجاج میں نقل کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ تحلیل فی الواقع یا مقید بضرورۃ شرعیہ ہوگی یا خطاء اجتہادی پر محمول ہوگی۔

اقول جن معازف کی علت بنابر اقوال سلف کے ثابت ہوئی۔ ان کو حلال کہہ دینے میں کون سی حرج ہے۔ جب اصل معازف میں ذاتی حرمت ہی نہیں۔ بلکہ عارضی ہے۔ تو جب عوارض ذمیمہ سے معری ہوئیں۔ تو ان کی تقییدات کی کیا ضرورت اور شخصیات کی کیا وجہ۔ **قولہ** خطاء اجتہادی پر آہ **اقولہ** جناب ہی کے اجتہاد کو خطاء پر محمول کرنا نہایت موزوں ہے۔ اس سے کہ جمہور سلف صالحین و محدثین و فقہا، مجتہدین و اولیاء مہتدین کے اجتہاد کو خطا پر محمول کیا جائے

تو ہم ے نشوی بابنگِ دہل را
رموزِ ہنر سلطاں راچہ دانی

قال وعلی ہذا القیاس بعض امور اور بھی ہیں جو مدار مخالفت محللین واقع ہوئے ہیں۔ اور بعد تحقیق و تدقیق کے خارج قواعد شرعیہ سے ہو جاتے ہیں۔

اقول اگر قواعد شرعیہ انہیں کا نام ہے۔ جن کو جناب نے بُن تن کر حرمت سماع علی الاطلاق کو ان پر مرتب کیا ہے۔ تو ان سے تو جناب کا مدعا ثابت نہ ہوا۔ اور اگر کوئی قواعد ہیں۔ جو جناب کے ذہن عالی میں مرکوز ہیں۔ ابھی میدان قرطاس نہیں نکلے۔ تو ان کی مخالفت یا مطابقت ردادا ستتار میں ہے۔ جب اس میدان میں آئیں گے تو ہم بھی دیکھ لیں گے۔

وہ اپنی خونہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم پر سر گراں کیوں ہو

قال غرضیکہ راگ اور جتنے معازف ہیں۔ سب بطور عزیمت حرام ہیں۔ صرف جن آلات لہو کی رخصت جن عوارض کی وجہ سے احادیث قویہ میں آگئی ہے۔ وہ تو بعد تحقق ان عوارض کے حلال ہو جاتے ہیں ورنہ نہیں۔ اور جن آلات کی رخصت احادیث میں نہیں آئی وہ کسی طرح حلال نہیں ہو سکتے۔

اقول:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من انداز قدت رامی شناسم

قبل ازیں مفصل مذکور ہوا۔ کہ راگ اور معارف فی الاصل مباح ہیں۔ اور بحیثیت استعمال اس کی دو صورتیں ہیں۔ حلال، حرام، حلال میں مباح و مستحب وغیرہ سب داخل ہیں۔ اور اسی طرح حرام میں مکروہ بھی داخل ہے۔ یہ جملہ فی الاصل مباح تھے۔ الا بوجہ عوارض ذمیمہ کے بعض مواقع میں حرام ہو جاتی ہیں۔ اب جو حلال ہیں اباحت اصلیہ پر اور جو حرام ہیں وہ بوجہ لحوق عوارض ذمیمہ کے۔ آیت شریفہ بحسب تفسیر بعض صحابہ میں بھی یہی تفصیل ہے کمامرّ۔ اور خود سرورِ عالم ﷺ کا فرمان واجب الاذعان اور صحابہ و تابعین و اتباع تبع و محدثین و ائمہ مجتہدین کے اقوال و اعمال اس کے شواہد عادلہ ہیں۔ عزیمت اور رخصت رخصت۔ فاضل معاصر کے دل میں حرمت ایسی جذب ہوئی کہ اس بے چارہ کے سوائے حرمت کے اور کچھ بھی نہیں سوجھتا۔ جہاں دیکھتے ہیں وہاں ان کو حرمت ہی نظر آتی ہے۔ اباحت اور حلت خواہ کیسی ہی دلائل قویہ اور براہین جلیہ سے کیوں نہ ثابت ہو۔ مگر اس طرف ان کی آنکھ بھی نہیں پھرتی۔ سچ ہے حبك الشيء يعمي و يعصم۔

در و دیوار من آئینہ شد از کثرت شوق

ہر کجا می نگرم روئے شامی بینم

افسوس کہ اپنے استاذ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالحی لکھنوی کے فرمان کو بھی پس پشت کر دیا۔ جیسا کہ مجموعۃ الفتاوی جلد دوم استفتا نمبر ۱۴۵ کے اخیر میں لکھتے ہیں۔ کہ قول فیصل اس باب

میں جو موکد بالا حادیث ہے یہی ہے۔ کہ نفس غناء عموماً ممنوع نہیں۔ بلکہ اس میں حرمت یا کراہت بوجہ عوارض خارجیہ کے عارض ہوتی ہے۔ انتہی۔

قال اور تقریبات محللین کی بسبب فساد ان کے مبنی کے بالکل فاسد میں قابلِ سماع نہیں۔

اقول خواجہ حافظ فرماتے ہیں

قلندرانِ حقیقت بہ نیم جو نخرند

قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

محللین کے دلائل تو سلف صالحین کے افعال واقوال ہیں۔ بلکہ احادیث صحیحہ جن کی صحت کو جناب بھی تسلیم کر بیٹھے ہیں۔ ان پر ان کی تقریریں مبنی ہیں۔ اگر یہ فاسد ہیں۔ تو تمہاری صلاح کو ہمارا اسلام

قال بلکہ بوجہ فساد مبنی کے اور قواعد شرعیہ سے خروج کرنے کے بعض نے دعوے انعقاد اجماع کا حرمت پر کیا۔

اقول یہ اجماع ذو وجہین ہے یعنی حلت سماع پر بھی اجماع اور حرمت پر بھی۔ لیکن چونکہ علت اور حرمت کے مصادیق الگ الگ ہیں۔ اس لیے یہ ایک اجماع ذو وجہین ہوگا۔ فاضل معاصر اس حقیقت سے نا معلومی کی وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ بعض نے انعقاد اجماع کا دعوے حرمت پر کیا۔

قال کیونکہ مسئلہ غناو معازف میں جبکہ محللین نے باوجود ان کے قلت کے پابندی قواعد کی نہیں کی۔ تو مخالفت ان کی اجماع محرمین میں کہ جو با قاعدہ باوجود کثرت مجمعین کے ہوا ہے ضرر نہ پہنچائے گی۔

اقول بناء الفاسد علی الفاسد اسی کا نام ہے۔ جس کو فاضل معاصر عمل میں لا رہے ہیں۔ اول تو محللین کی قلت کبھی کسی زمانہ میں ہوئی نہیں۔ جبکہ خیر القرون میں اس کا عام رواج رہا ہے پھر پابندی قواعد شرعیہ کی اگر ان لوگوں سے نہیں ہوئی۔ تو پھر کرے گا کون۔ دوئم یہ کہ جب ان دونوں مسائل یعنی حلت وحرمت سماع کے موارد علیحدہ علیحدہ ہوئے تو پھر ان میں تقابل کیسا۔ لہذا نہ وہ

اجماع اس اجماع کا مزاحم اور نہ یہ اس کا بلکہ یہ ایک ہی اجماع ہے۔ جس کی دو جہتیں ہیں۔

قال اس لیے اجماع مسئلہ میں اجماع ان اہلِ حل وعقد کا معتبر ہے۔ کہ جو اس مسئلہ میں پابند قواعد ہیں۔

اقول لن یصلح العطار ما افسدہ الدھر فاضل معاصر کی کلام کے بنانے کی بہت کوشش کی گئی۔ اور اس کے اجماع کو صحیح اجماع مانا گیا۔ مگر اس کی اندرونی آتش سوائے مجالدہ کے نہیں روکتی۔

قال اس وجہ سے مخالفت خوارج وروافض ومعتزلہ کی اجماع اہلِ سنت والجماعت میں مضر نہیں ہوتی۔

اقول:

مر مر اباور نے آید زروئے اعتقاد
ایں چنیں بک کردن ودین پیمبر داشتن

ایسے ایسے اکابر دین ومعتقد ایان مسلمین کو روافض وغیرہ سے تشبیہ دینا یہ جناب جیسے گستاخ اور بے باک آدمی کا کام ہے۔

قال خلاصہ کلام اس مقام میں یہ ہے کہ حرمت غناء ومعازف باقتضاء قواعد کے اور اتفاق جمہور محدثین وفقہاء کے حق اور صواب ہے۔ اور حلت اس کی باطل اور خطاء۔

اقول:

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

دن روشن کی طرح حق ظاہر ہے۔ اور کبھی کسی کے اخفاء سے مخفی ہونے کا نہیں کہ جس کام کو خود جناب سید الکونین ﷺ نے بذاتِ اقدس کیا ہو۔ اور اس کے کرنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا ہو۔ اور صحابہ کبار نے بھی اس کی عملدرآمد رکھی ہو۔ بعد ازاں ہر قرن میں اس کا رواج عام رہا ہو۔ اور

صوفیائے کرام کا خاص معمول بہ بلکہ معراج الکمال ہو۔اور محدثین نے اس کو بڑے زور سے روا رکھا ہو۔اور تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین ہر چہار مذہب وفقہائے مقلدین ہر چہار مذہب نے بھی اس کو روا رکھا ہو۔اب بتائیے کہ یہ حق ہے کہ یا خطاء اور ایسے حق حقیقی کو باطل قرار دینے والا کون ہوگا۔اور شرعاً اس کا کیا حکم ہے۔

ع عاقلاں دانند ایں از من سپر من

گفتگو آئین درویشی بنود
ورنہ باتو ماجرا ہاداشتم

چونکہ رسالہ مردودہ ختم ہوگیا ہے۔اور قارئین کرام کے ملال طبعی کا لحاظ ہے اس لیے مضمون کو ختم کرنا مناسب نظر آتا ہے۔ورنہ اگر تمام تقاریر اس مسئلہ کے متعلق بالتفصیل لکھی جائیں۔تو ایک کتاب بسیط بن جائے گی۔لیکن اہلِ انصاف کے لیے یہی قدر کافی ہے۔زیادہ زیادہ

در بند آں مباش کہ مضمون نمانده است
صد سال مے تواں سخن زلفِ یار گفت

خاتمہ فی آدابِ السماع

جاننا چاہیے کہ سماع ایک معظم اور مکرم چیز ہے۔اس کو معمولی اور فضول ہرگز نہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ مثل باقی ارکان دین کے اس کی شرائط وآداب کا لحاظ ضرور ہونا چاہیے شرائط بھی چھ ہیں۔اور آداب بھی چھ۔شرائط تو پیچھے مذکور ہوئیں۔اب آداب کا ذکر کیا جاتا ہے۔ذرا غور سے سنیے۔

الاول احیاء العلوم میں امام غزالی نے فرمایا کہ حضرت شیخ ممشاد علود ینوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کی۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا اس سماع کو آپ برا جانتے ہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔کہ اہم اس کو ہرگز برا نہیں جانتے۔لیکن ان کو کہہ دو کہ اس کا شروع بھی کلامِ الہیٰ سے کیا کریں۔اور اس کا ختم بھی قرآن شریف سے کیا کریں۔خلاصہ یہ کہ باوضو پاک جگہ میں بیٹھ کر اول آخر قرآن پڑھ کر سماع کیا جائے۔

الثانی رعایت زمان ومکان واخوان شیخ الطریقت جنید بغدادی نے کہا کہ سماع تین چیزوں کی طرف محتاج ہوتا ہے۔اگر ان کی رعایت نہ کی جائے تو سماع فضول اور بے اثر ہے۔زمان، مکان، اخوان، زمان یہ کہ ایسے وقت میں سماع کرے۔جس میں دل کو کلی فراغت ہو نہ کھانے کا وقت ہو نہ نماز کا۔اور خصوصیت اور اضطرابِ قلب بھی نہ ہو۔اور مکان یہ کہ ایسا رستہ عام نہ ہو۔جس میں لوگوں کی آمد ورفت ہو۔اور مکان موزں ہو۔اور اخوان یہ کہ کوئی خبر جنس منکرِ احوال اول، اور وہاں موجود نہ ہو۔اور سب کے سب ہم جنس وہم خیال ہوں۔ورنہ تشویشِ قلب گرمی کو سرد نہ ہونے دیں اور اسی طرح اگر کسی طائفہ کی عادت مقرر ہو جائے کہ سماع میں جب کوئی اپنی دستار اتار دے یا کپڑا اپھاڑ دے۔اور باقی بھی اس کی متابعت کرتے ہوں۔تو یہ بھی متقضائے حسنِ معاشرت مستحسن ہوگا۔اس میں کوئی ممانعت نہیں لکل قرم رسم الکامسنبتط من احیاء العلوم فقط.

التماس

جناب مؤلف رسالہ خیر النواھی کی خدمت میں بادب گزارش ہے کہ براہ راست نوازش تعصب کو دور کر کے اس رسالہ کو بنظرِ انصاف دیکھیں۔ اور ناراضگی و رنجش کو دل میں ہرگز جگہ نہ دیں۔ کیونکہ ہر ایک امر میں خصوصاً امور دینیہ میں حق پرستی احسن الامور ہے۔ اور اگر کوئی لفظ منصب عالی کے نامناسب نکلا ہو۔ تو معافی دیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است باتو میگویم
تو خواہ از غنم بند گیر و خواہ جمال

اب میں اپنے خالقِ حقیقی جل جلالہ کا خالص دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جس کی عنایت ِعامہ نے مجھ جیسے ناچیز بندگان کو ایسے بارِ گراں کے اٹھانے کی طاقت دے کر بخیر و عافیت منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔

من شکر چوں کنم کہ ہمہ نعمت توام
نعمت چگو نہ شکر کند بازبان خویش

اور اپنے پیر دستگیر روشن ضمیر غوث زمان قبلۂ عالم مزین السجادہ سیال شریف مدظلہ العالی کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں۔ جن کی امداد ظاہری و باطنی نے میری دستگیری فرما کر ایسے بحرِ عمیق سے فائز المراد ساحل مقصود پر واصل فرمایا

ازاں زماں کہ برایں آستاں نہادم رو
فراز مسند جمشید تکیہ گاہِ من است

سبحان رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین و الحمدللہ رب العلمین

حَرَّرَہٗ اَلْمِسکِینُ احمدُ الدِین بِیَدِہٖ وَقَلَمِہٖ

رسالۂ میلاد

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

نحمدہ ونصلی علیٰ حبیبہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ میلاد شریف کس طریقہ پر جائز ہے اور کس طریقہ پر ناجائز ہے۔

الجواب بعون الملھم للصواب

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از لطف رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

باسمہ عزاسمہ میلاد مقدس یعنی حضور پاک صاحب لولاک ﷺ کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کرنا ہر طریق اور ہر رنگ میں جائز بلکہ مستحسن وباعث برکات ہے۔

ذکر حبیب شعبہ وصل حبیب ہے
تصدیق اس کی عاشق صادق سے پوچھئے

خواہ یہ تذکرہ بحالت انفرادی ہو یا اجتماعی پھر عام اس بات کے کہ یہ اجتماع اتفاقی ہو یا بالتداعی وخواہ بتعیین تاریخ ہو یا نہ غرض بہر کیف و بہر طریق جائز بلکہ احسن ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا طریقہ نہیں جس کو شریعت غرا ناجائز قرار دے۔

دیکھئے قرآن شریف میں جیسا کہ احکام شریعت کا مکمل ذکر ہے اسی طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے میلاد شریف بھی مذکور ہیں مثلاً آدم علیہ السلام کا میلاد کس شان وشوکت سے مذکور ہوا اور جن کو یہ معاملہ ناگوار گزرا ان کا اس کے آگے ناصیہ نیاز زمین پر رگڑا دیا اور ان میں سے جس نے اس نیاز وتعظیم محبوب الٰہی سے انکار واستکبار کیا اس کو لعنتی وابدی جہنمی قرار دیا۔ علیٰ ہذا القیاس ابراہیم وموسیٰ ویحییٰ وغیرہم صلوات اللہ علیہم وسلامہ کے میلاد مقدس کس جاہ وجلال سے

مذکور ہوئے بلکہ یہ تمام فی الحقیقت اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو حضور پاک ﷺ کی میلاد شریف کے مبادی تھے۔ جیسا کہ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے پارہ تلك الرسل میں کہا ہے: ان الملائکه اُمِرُوْا بالسجود لاجل ان نور محمدٍ علیه السلام فی جبهة آدمo یعنی بے شک فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے سجدہ کا حکم اس لیے ہوا تھا کہ سرور عالم ﷺ کا نور اس کی پیشانی میں تھا۔

اور خود حضور پاک ﷺ کے میلاد مقدس کا قرآن شریف کے متعدد جگہ میں ذکر ہوا۔ مثلاً
لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ التوبہ، ۱۲۸)

قَدْ جَاءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ (سورۃ المائدہ، ۱۵) وغیرہ وغیرہ۔ تو جس طرح احکام شریعت مندرجہ کلام الٰہی کے تذکرہ کرنے کے لیے کوئی طریقہ مخصوص نہیں خواہ انفرادی حالت میں دو تین مسلمان بیٹھ کر احکام شریعت کا ذکر کریں یا بحالت اجتماعی اور خواہ اجتماع اتفاقیہ ہو جائے یا تاریخ مقرر کر کے علماء ربانی و دیگر عوام و خواص مسلمانان کو دعوت دے کر بلایا جائے اور اس مجلس میں وعظ احکام شریعت ہو تو جائز و مستحسن و مروج ہے کسی کو ایسے مجالس و محافل کا انکار نہیں ہوتا۔ اسی طرح میلاد مقدس مندرجہ کلام الٰہی کی تفصیل و تشریح کے لیے بھی کوئی طریقہ خاص نہیں جس طریقے سے ذکر حبیب الٰہی ہو سکے اس پر کسی کو انکار کی گنجائش نہیں لیکن حسد اور عناد مرض بھی لاعلاج ہیں۔

بمیرتا ربہ ہی ای حسود کایں رنجیت
کہ جز بمرگ تو از دست تو نخواہد رفت

جس چیز کا ذکر قرآن شریف میں بار بار آیا ہو اس کے جواز یا عدم جواز کے طریقہ سے سوال کرنا اگر حماقت نہیں تو جہالت ضرور ہے۔

عبداللہ سائل نے سوال کی تقریر میں غلطی کی کہ میلاد شریف کے جائز و ناجائز طریقہ سے

سوال کیا اگر اس نے سوال کرنا تھا تو اس طرح کرتا۔ کیا فرماتے علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ میلاد شریف کی مجلس میں شامل ہونا کس شخص کو جائز ہے اور کس شخص کو ناجائز ہے۔ البتہ یہ سوال معقول تھا تو اس کے جواب میں چنداں صعوبت کا سامنا نہ ہوتا۔ صرف مختصر جواب کافی تھا (ایسی مجلس پاک میں شامل ہونا حلالیوں کو حلال اور حرامیوں کو حرام) یہ وہ مختصر مگر جامع جواب ہے جو حضرت غوث زمان وقطب دوران حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ نے حلت وحرمت سماع کے سوال کے جواب میں ایک سائل کو فرمایا تھا۔ اس فقرہ جامعہ کا مفاد یہ ہے کہ جس شخص کو حضور انور ﷺ سے محبت کا کمال ہے اور آپ کے اوصاف سننے کا ہر وقت مشتاق رہتا ہے من احب شیئاً اکثر ذکرہ اور آپ کے فضائل وکمالات سننے سے اس کا دل مالا مال ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کے حق میں اس پاک مجلس میں شامل ہونا تریاک کا درجہ رکھتا ہے اور جو شخص آپ کے فضائل وکمالات سننا نہ چاہے یا سننے سے اس کا دل نفرت وانکار میں رہے تو ایسے شخص کو اس مقدس محفل میں شامل ہونا زہر قاتل ہے۔ ایسے شخص کو اس پاک مجلس میں بٹھا کر حضور پاک صاحب لولاک کے مناقب وفضائل سنانا گویا فرعون کو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور نمرود کو ابراہیم علیہ السلام کے تولد کی بشارت دینا ہے۔ اسی بنا پر میرا طریقہ ہے کہ جب ہی مجلس میلاد مقدس منعقد کرتا ہوں تو افتتاح سے پہلے اعلان دے دیتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ کے فضائل وکمالات مذکور ہوں گے جس شخص کو آپ کے کمالات خداداد سننے سے فرحت حاصل ہو وہ بیٹھ کر سنے اور جس کو ناگوار وناپسند ہوں وہ اس پاک مجلس سے نکل جائے چنانچہ اس اعلان کے سنتے ہی کئی ایک آدمی نکل جاتے ہیں۔

اب اصل مدعا یعنی ذکر میلاد النبی ﷺ کے مزید ثبوت کے لیے آیات ذیلہ ملاحظہ ہوں۔ قال اللّٰہ تعالیٰ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (سورۃ ال عمران، ۱۰۳) اس آیت میں منعم حقیقی اپنی نعمتوں کے ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے یعنی یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضور پاک ﷺ کی ولادت باسعادت اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سے اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ (سورۃ آل عمران، ۱۶۴)

اس آیت سے آپ کا وجود مسعود نعمت اللہ ہونا ثابت ہو گیا اور نیز آپ کے اسماء مبارک نعمت اللہ بھی ہے جیسا کہ قسطلانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور دلائل الخیرات جو کہ تمام سلاسل اولیاء میں مروج ہے اور اس میں بھی ہے مزید فرمایا:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (سورۃ الضحیٰ ،۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا تذکرہ کیا کرو

وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ○ (سورۃ النحل ،۱۱۴) یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو تو اس کی نعمت کا شکر کرو۔ ان دونوں آیتوں میں رب العالمین جل جلالہ اپنے نعمتوں کے تذکرہ کرنے کا ارشاد فرماتا ہے اور شکر کرنا بھی مرادف التذکرہ ہے جیسا کہ سرور عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

التحدث بنعمة الله شكر وتركه كفر رواه محي السنه فى المعالم مع اسناده

یعنی نعمت الٰہی کا تذکرہ کرنا شکر ہے اور اس کے تذکرہ کو چھوڑ دینا کفران نعمت ہے۔ وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللّٰهِ (سورۃ ابراہیم،۵) یعنی یاد دلا ان کو دن اللہ تعالیٰ کے۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ دنوں سے مراد واقعات عظیمہ ہیں جو اُن دنوں میں واقع ہوئے ہیں۔

پھر اہل ایمان کو دیکھنا چاہیے کہ آپ کے ظہور سے بڑھ کر کون سا واقعہ ہے جس میں ایوان کسریٰ کا شق ہونا اور اصنام کا سر کے بل گرنا اور فارس کا آتش کدہ بجھ جانا اور آسمان سے تاروں کا نیچے جھک آنا اور کعبۃ اللہ کا جھک کر شکر الٰہی بجالانا ایسے ایسے بہت سے واقعات کو شامل ہے۔ میلاد شریف کے تذکرہ میں ان تمام واقعات عجیبہ کا تذکرہ ہو جاتا ہے۔ ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ محبوب رب العالمین کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

چونکہ سیّد الاولین والآخرین ﷺ کی ولادت باسعادت ۱۲ ربیع الاوّل بنابراشہر روایات کے ہوئی ہے بروز دوشنبہ بالاتفاق اس لیے اس تاریخ کو عید منانا اور خوشی کرنا ہر مسلمان کا شعار ہے۔ یہ وہ دن ہے جس میں شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سید الاولین والاخرین امام الانبیاء والمرسلین افضل الخلائق اجمعین عالم غیب سے شاہد شہود میں تشریف لاکر زمین وزمینیان آسمان وآسمانیان بلکہ من تحت الثریٰ الی قاب قوسین او ادنی کو برکات وفیوضات سے مالا مال فرمادیا۔ الحق اگر عید ہے تو یہی ہے اگر دن سعید ہے تو یہی۔ اگر فرحت ومسرت کا روز ہے تو یہی ہے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ واللہ نہ اس دن کے ساتھ کوئی دن مقابلہ کرسکتا ہے اور نہ اس کی رات کے ساتھ کوئی رات موازنہ کرسکتی ہے۔ قرآن شریف میں لیلۃ القدر کی فضیلت مذکور ہے۔ مگر اس رات پر ہزار لیلۃ القدر قربان۔ حضرت محقق محدث مولانا عبدالحق دہلوی ماثبت بالسنہ ص ۳۴ میں لکھتے ہیں:

ثم اذا قلنا انه ولد ليلًا فتلك الليلة افضل من ليلة القدر بلا شبهةٍ

یعنی اگر آپ رات کو پیدا ہوئے تو یہ رات لیلۃ القدر سے بلاشک افضل ہوگی اور اس دن پر ہزار عید تصدق۔ اس بارہ میں حضرت حاجی صاحب جو مولانا رشید احمد صاحب کے پیر طریقت ہیں کیا خوب کہا:

عیدگاہ ما غریباں کوئی تو
انبساط عید دیدن روئے تو
صد ہلال عید قربانت کنم
ای ہلال عید ما ابروئے تو

اور اس رات بابرکات کے لیلۃ القدر سے افضل ہونے کے وجوہات میں حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخوان طریقت یعنی آپ کے پیر بھائی حضرت محقق ومدقق ومحدث دہلوی ماثبت بالسنۃ کے ص ۳۴ لکھتے ہیں:

لان ليلة المولد ليلة ظهوره ﷺ وليلة القدر معطاة له وما شرف بظهور

الذات المشرف من اجله اشرف مما شرف بسبب ما اعطاه ولان ليلة القدر شرف بنزول الملئكة فيها وليلة المولد شرف بظهوره صلی اللہ علیہ وسلم ولان ليلة القدر وقع التفضل فيها على امة محمد صلی اللہ علیہ وسلم وليلة المولد الشريف وقع التفضيل فيها على سائر الموجودات الخ

اور آپ سے سوال کیا گیا دوشنبہ کے دن روزہ رکھنے کا تو آپ نے فرمایا کہ اسی دن میں میری ولادت ہوئی اور نبوت بھی عطا ہوئی۔ ذاك يوم ولدت فيه ہ انن لت علی فيه النبوة رواه مسلم وما ثبت بالسنة

اب اس مبارک دن میں خوشی کے ثبوت میں وہ آیت شریفہ پیش کی جاتی ہے جو سورۃ یونس میں ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (سورۃ یونس، ۵۷)

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوا فرحت و سرور کرنا ساتھ فضل و رحمت خداوندی کے اور اس میں شک نہیں کہ رسول خدا ﷺ خدا کی رحمت بھی ہیں اور فضل بھی۔ آپ کا رحمت ہونا اس آیت سے ثابت وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (سورۃ الانبیاء، ۱۰۷) یعنی ہم نے آپ کو تمام جہانوں کی رحمت کے لیے بھیجا ہے اور آپ کا فضل ہونا اور نیز رحمت ہونے کے ثبوت میں حسب تصریح علامہ ماوردی یہ آیت کافی ہے:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا (سورۃ النساء، ۸۳)

یوں اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل و رحمت تو تم شیطان کے تابع ہو جاتے۔

جب آپ کا وجود مسعود رحمت بھی ہوا اور فضل بھی اور بارگاہ ایزدی سے رحمت اور فضل پر خوشی کرنے کا تاکیدی ارشاد صادر ہوا تو ثابت ہوا کہ آپ کی ولادت باسعادت پر خوشی کرنا ضروری ہے۔

اب اس خوشی کے نتائج میں سے وہ واقعہ ہے جس کو علماء سیر و اخبار بروایات نقل کرتے ہیں

کہ جس دن حضور پاک ﷺ عالم دنیا پر تشریف آور ہوئے تو ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت باسعادت کی بشارت دی تو ابولہب نے خوشی میں آ کر اسے آزاد کر دیا اور آزاد کرتے وقت دونوں انگلیوں سبابہ و وسطیٰ سے اشارہ کیا۔ جب وہ فوت ہوا تو خواب میں کسی نے دیکھا اور احوال پوچھا تو اس نے کہا کہ آگ میں ہوں مگر دوشنبہ کے دن بوجہ خوشی کرنے ولادت باسعادت سرور عالم ﷺ کے وہ عذاب تخفیف ہو جاتا ہے اور ان دونوں انگلیوں سے پانی نکلتا ہے جن کو میں چوستا ہوں اس واقعہ کو محدث دہلوی نے ما ثبت بالسنۃ کے ص ۳۴ میں لکھا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:

قال ابن جری فاذا کان هذا ابولهب الکافر الذی نزل القران بذمه جوزي فی النار بفرحه لیلة مولد النبی صلی الله علیه وسلم فما حال المسلم من امته یسر بمولده ویبذل ماتصل الیه قدرته فی محبته صلی الله علیه وسلم لعمری انما کان جزائه من الله الکریم ان یدخل بفضله العمیم جنات النعیم

ابن جری نے کہا ہے کہ جب ابولہب کا یہ حال ہے جس کی مذمت میں قرآن شریف اُترا جو آگ میں بھی آپ کی دلالت کی خوشی کرنے سے جزا دیا جاتا ہے۔ تو آپ کے اُمتی مسلمان کا کیا کہنا جو آپ کے میلاد مقدس کی خوشی کرے اور حسب طاقت خرچ کرے آپ کی محبت میں مجھے اپنی قسم ہے کہ اس کو اللہ ہی جزا دے گا م یہ کہ اپنے فضل و کرم سے اسے جنات النعیم میں داخل کرے گا۔ یہ ہے حضور اقدس ﷺ کی میلاد مقدس پر خوشی کرنے کا نتیجہ رزقنا اللّٰه تعالٰی دائما ابداً

اب اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ ولادت باسعادت تو ایک دفعہ ہو چکی اور اس پر خوشی کا اظہار بھی اپنے وقت میں جس نے کیا کر چکا لیکن اس تاریخ کو ہمیشہ کے لیے مقرر کرنے اور خوشی کا سامان مہیا کرنے اور اس دن کو ہر سال میں عید منانے کا کیا ثبوت ہے۔

اس کا جواب (اوّلاً) ہمارے سے مت پوچھو اگر پوچھنا ہے تو رئیس المنکرین امام

المخالفین مولوی اشرف علی تھانوی سے پوچھئے۔ کیونکہ باوجود اشد منکر ہونے کے اس نے ایک رسالہ لکھا ہے نام اس کا السرور بظہور النور رکھا اور اس کا لقب ارشاد العباد فی عید المیلاد رکھا اور اس کے مطلع میں سورہ یونس آیت ۵۷ جو پہلے مذکور ہو چکی قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ لکھی اور ان دونوں امروں کو یعنی فرحت اور عید دن میلاد کو ثابت کر دیا۔ ہمیں یہاں تقریب کے تقرر کرنے کوئی ضرورت نہیں۔

(ثانیاً) شرع شریف میں یہ مضمون پایا گیا ہے جس روز کسی نعمت عظمیٰ کا ظہور ہو ہر سال اسی روز خوشی کیا کریں۔ قرآن شریف میں اس تعیینیوم کی مثال یہ ہے کہ جب حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے لیے آسمان سے مائدہ اُترے تب عیسیٰ علیہ السلام نے جناب الٰہی میں باخلاص تمام عرض کیا اللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (سورۃ المائدۃ،۱۱۴) امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں یا اللہ اتار ایک خوان کھانے کا آسمان سے کہ ہو جائے وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید یعنی جس دن وہ مائدہ اُترے اس کو ہم عید بنالیں اور ہمارے بعد جو پیدا ہوں وہ بھی اس کو عید بنائیں اس دن کی تعظیم جاری رہے۔ اس سے صاف روشن ہو گیا کہ جس دن کسی نعمت الٰہی کا ظہور ہو اس دن کو ہمیشہ کے لیے عید بنا کر خوشی منانا چاہیے ہم مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی نعمت حضور پاک ﷺ کا وجود مسعود ہے۔ تو ہمیں اس دن کو عید بنانا اور خوشی کا اظہار کرنا از حد ضروری۔ اور اس کا ثبوت قرآن شریف سے ہو گیا۔

(ثالثاً) اس کا ثبوت حدیث شریف میں بھی ہے۔ یہ سند ابن حجر محدث نے مسلم اور بخاری کی حدیث سے نکالی ہے یعنی جس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے یہود کو دیکھا کہ عاشور محرم کو روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو انھوں نے کہا کہ یہ وہ دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کیا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کے شر سے بچالیا تو موسیٰ علیہ السلام نے روزہ شکر کا رکھا اور ہم بھی اس نعمت کے شکر کے لیے روزہ رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا

کہ تمہاری نسبت ہم کو زیادہ مناسبت موسیٰ علیہ السلام کے ہے۔ تب آپ نے بھی اس دن کا روزہ رکھنا شروع کر دیا اور صحابہ کو بھی ارشاد فرمایا۔ یہ حدیث صحیح ہے مسلم اور بخاری میں موجود ہے۔

اب دیکھئے کہ کب فرعون ڈوبا اور کب موسیٰ علیہ السلام نے نجات پائی اور جب سے اب تک اس نعمت کا شکریہ جاری ہے کہ جب وہ عاشور محرم کا آتا ہے ہر سال اہل اسلام اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور رسول اللہ علیہ السلام کا پیدا ہونا تو ایسی بڑی نعمت ہے کہ نزول مائدہ عیسیٰ اور نجاۃ موسیٰ علیہ السلام سے کہیں فائق و افضل و اکمل ہے۔ پس اس دن ہر سال میں آئے تو کیوں نہ فرحت و سرور کیا جائے۔

(رابعاً) حدیث صحیح ہے احب الاعمال الی اللہ ادومها ان اقل یعنی اللہ تعالیٰ کو وہ عمل پسند ہوتا ہے جو ہمیشہ کیا جائے۔ اگرچہ تھوڑا بھی ہو۔ تو یہ دن مبارک اہل اسلام کے لیے عید مقرر ہو چکا اور اس میں فرحت و سرور کا ارشاد صادر ہو گیا تو یہ عمل ہمیشہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔

یہاں ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب عید میلاد ثابت ہو گئی تو خود حضور ﷺ نے اس کو کیوں نہ منایا۔ اس اعتراض کا جواب ابن حاج نے مدخل میں دیا ہے یہ وہ ابن الحاج ہے جس کو منکرین و مخالفین اپنا پیشوا بنائے پھرتے ہیں۔ جس کی نص عبارت یہ ہے:

وان کان النبی ﷺ لم یزد فیه علی غیره من الشهور شیئاً من العبادات وما ذلك الا لرّحمة ﷺ بامة ورفقاً بهم لانه کان یترك العمل خشیة ان یفرض علی امته○

یعنی اگرچہ آپ نے ماہ ربیع الاوّل میں دوسرے مہینوں سے زیادہ عمل نہیں کیا۔ یہ صرف آپ کی رحمت اور مہربانی کرنے اُمت پر کیونکہ آپ بسا اوقات عمل ترک کر دیتے تھے مبادا اُمت پر فرض نہ ہو جائے۔

مخفی نہ رہے کہ میلاد مقدس کی عید تو اسی تاریخ سے مخصوص ہے جس میں آپ کی ولادت باسعادت سے عالم دنیا مشرف ہوا۔ یہ عید صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام مخلوقات علوی و

سفلی جن وانس وحوش وطیور برو بحر سب کو حاوی ہے۔ اگر تسلی نہ ہوتو جنتری دیکھ لیں کہ انگریز باوجود غیر مسلم ہونے کے ہر سال ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد منانے کے لیے تعطیل کر دیتے ہیں جس سے تمام ملازمین واہل کار استراحت وآرام سے دن گزارتے ہیں اور عموماً مسلمان اس دن میں کھانا پکا کر آپ بھی کھاتے ہیں اور مساکین کو بھی کھلاتے ہیں اور خاص الخاص مسلمانان مجلس میلاد مقدس منعقد کر کے فرحت وسرور کا مظاہرہ کرتے ہیں جس سے معاندین کے اجسام کو حسد کی آگ میں جلا کر کوئلہ بنا دیتے ہیں۔ یہ ہیں آثار عید میلاد حضرت مجد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پیر بھائی حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمتہ اللہ علیہ ماثبت بالسنہ میں فرماتے ہیں:

فرحم اللّٰہ امراءً تتخذ لیالی شھر مولدہ المبارک اعیاداً لیکون اشد علۃ علی من فی قلبہ مرض و عناد (ماثبت بالسنۃ ص ۴۳)

آپ کے ولادت مبارک کے مہینے کی راتوں کو عید منایا تاکہ معاند کے لیے سخت علت و وبال ہو اور یہ عید میلاد قدیم الایام سے مسلمانوں میں مروج ہو چکی ہے۔ بڑے بڑے علماء محدثین اس کے قائل بلکہ عامل رہے ہیں اور اس محفل مبارک اور عید منور کو باعث برکات سمجھتے رہے۔ جیسا کہ محدث دہلوی کہتے ہیں:

ولا یزالون اھل الاسلام یحتلفون بشھر مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم ویعملون الولائم ویتصدقون فی لیالیہ بانواع الصدقات ویظھرون السرور ویزیدون فی المبرات ویعتنون بقرئۃ مولد الکریم ویظھر علیھم من برکاتہ کل فضل عمیم (ماثبت بالسنۃ

یعنی ہمیشہ آپ کے مولد مبارک کے مہینہ میں اہل اسلام آتے جاتے ہیں اور دن راتیں میں گوناگوں دعوتیں اور صدقات کرتے اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور بہت نیکیاں کرتے ہیں اور مولد بڑے اہتمام سے پڑھتے ہیں جس کے برکات سے ان پر فضل عظیم ظاہر ہوتا ہے۔

دیکھیے فقرہ لا یزالون اھل اسلام کس قدر پرزور ہے لا یزالون سے دوام اور اہل اسلام سے عموماً مستنبط ہے۔ جس کا مفاد یہ ہوا کہ ہمیشہ تمام اہل اسلام اس محفل مقدس اور عید سعید کے قائل

اور عامل رہے ہیں لیکن محفل مولد شریف کی تخصیص اس طور پر کہ خاص ۱۲ ربیع الاول کے بغیر جائز نہ ہو یہ کسی عالم اہل سنت نے تصریح نہیں کی بلکہ اہل اسلام جب کر سکیں کریں۔ عبارتیں، فتاویٰ متقدمین کی صریح موجود ہیں۔ ملاّ علی قاری نے اپنے رسالہ مورد الروی فی مولد النبی میں لکھا ہے

بل یحسن فی ایام اشھر کلھا ولیالیہ یعنی میلاد مقدس مہینہ کے تمام دنوں اور راتوں میں مستحسن ہے۔ پھر ان جماعہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے۔ لو تمکنت عملت بطول اشھر کل یوم مولداً یعنی اگر مجھ کو مقدور ہوتا مہینہ بھر تک ہر روز میلاد شریف کیا کرتا۔

اور اصل تحقیق اس میں یہ ہے کہ نصوص قرآنی مطلق ہیں

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (سورۃ ال عمران، ۱۰۳)

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (سورۃ یونس، ۵۷)

وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ (سورۃ النحل، ۱۱۴)

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔ (سورۃ الضحی، ۱۱)

پس شکریہ نعمت وجود باجود رحمتہ للعالمین کا ہم پر فرض ہوا اور اسی طرح فرحت کا بھی حکم ہوا کہ رحمت خداوندی پر فرحت و سرور کرو اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شکریہ اور فرحت کو موقت نہیں فرمایا بناءً علیہ آپ کی ولادت کا فرحت و سرور دائمی ہوا۔ اسی واسطے جمیع اہل اسلام بلاد اسلامیہ میں شرقاً و غرباً بارہ مہینہ میں جب کسی سے بن پڑے مولد شریف کرتے ہیں۔ اور علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ فرضیت امر الٰہی کسی فرد میں پائی جانے سے ادا ہو جاتی ہے خواہ کتنا ہی قلیل ہو لیکن قدر مفروض شروع سے زیادہ کرنا تکمیل فرض کیلئے جہاں تک بوجہ شروع ہو سکے مستحب ہے اور مطلوب ہے۔ جب یہ بات ہو چکی تو ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ کے وجود مسعود کا شکریہ دائمی ہے جب ہو سکے اور جس طریقہ سے ہو سکے عمل میں لائے خواہ اطعام طعام یا تقسیم شیرینی در بیاں اہل اسلام خواہ قراۃ و معجزات کا بیان خواہ انشاد مدائح و مناقب سیّد الانس والجان ﷺ بہیات اداب و تعظیم خواہ ان تمام کو جمع کر دے پھر مہینہ ربیع الاول کی ۱۲ کو ہو یا باقی ایام میں سب جائز ہے۔ اس

تقریر سے مطلق کے سب فرد جائز رہے اور اگر کوئی ذکر نعمۃ اللہ بلا قید کرے وہ بھی جائز ہے۔اور جو مقید بقیود اداب مستحسنات جن کا ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ کرے وہ بھی جائز بلکہ مستحسن ہے۔اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بموجب فرمان رب العالمین تو قروہ جس قدر اداب مستحسنہ مجلس ہوں اس قدر برکات و فیوضات زیادہ ہوں گے۔اسی واسطے علماء اسلام نے اس مجلس کی تعظیم و احترام، زیب واحتشام کو زیادہ ملحوظ رکھا۔

اداب عشرہ مذکورہ چونکہ سرور عالم ﷺ کی توقیر واحترام کے وسائل ہیں اور نیز فرحت و سرور مولد کے ذرائع ہیں اور اصل توقیر وفرحت، مامور بہ ومشروع بالنص ہیں لہٰذا ان تمام آداب کا حکم وہی ہوگا جو اصل کا حکم ہے لان للوسائل حکم المقاصد کما فی کتب الاصول۔اور نیز ان میں سے کوئی ایسا امر نہیں جو ممنوع شرعی ہو بلکہ سب کے فی نفسہا کار خیر ہیں اور قرآن شریف میں ہے وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون یعنی نیک کام کیا کرو تا کہ خلاصی پاؤ اور دوسری جگہ میں ہے وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ (سورۃ ال عمران،۱۱۵) یعنی جو نیک کام کرے اس کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔تو آداب مذکورہ کا مجموعی ثبوت ان ہر دو آیات سے ثابت ہو گیا۔

اب اگر انفرادی ثبوت لینا چاہتے ہیں تو سن لیجئے ذکر ولادت یہ تو خود ثابت الاصل ہے۔جس کی تفصیل پہلے ہو چکی فروش واستعمال عطریات وتقسیم شرینی یہ خاطر داری وضیافت مہمانوں کی ہے صحیح مسلم و بخاری کی حدیث ہے من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلیکرم ضیفہ یعنی جس کا اللہ تعالیٰ اور قیامت کے ساتھ ایمان ہے تو گھر آئے کی خاطر داری وتواضع کرے۔فرش زیبا پر ان کو بٹھانا عطر لگانا مہمانوں کی تعظیم واکرام ہے اور شیرینی وغیرہ ان کو کھلانا یہ ضیافت ہے۔ضیافت میں یہ ضرور نہیں کہ پیٹ بھر کر کھلائے بلکہ ماحضر پیش کر دینے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔غرض اس سے تطیب القلوب ہے جس طرح بھی ہو منبر یا چوکی اور اشعار کا ثبوت یہ ہے کہ مسجد نبوی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے ہو کر خود حضور ﷺ کے سامنے اشعار پڑھتے تھے۔یہ حدیث بخاری میں ہے اور آپ اس سے خوش ہو کر دعا دیتے اور فرماتے تھے اللھم ایدہ

بالروح القدس خواص وعوام کو دعوت دے کر بلانا اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تناول ماحضر کے لیے ہو۔ یہ تو خود سنت متوارہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اس لیے بلایا جائے کہ اگر سیرت وصفات سرور عالم ﷺ سنیں یہ بھی سنت ہے۔ حضور پاک ﷺ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کو دعوت دے کر بلاتے اور ارشادات سناتے چونکہ آپ کے ارشادات حدیث ہیں لہٰذا اجتماع بالسماع حدیث مسنون ہوا۔

علاوہ بریں ان تمام آداب مذکورہ کے ثبوت میں یہ آیت شریفہ بھی کافی ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ (سورۃ الاعراف، ۳۲) یعنی آپ فرمادیں کسی نے حرام کردیا اللہ کے رزق کو جو پیدا کیا اپنے بندوں کے واسطے اور ستھری چیزیں کھانے کی۔

یہاں جو ہے ایک قاعدہ مسلمہ عندالصولیین ومفسرین یاد آ گیا وہ یہ ہے کہ آیت کا شان نزول کچھ بھی ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے۔ العبرۃ لعموم الالفاظ لالخلوص السبب یہ قاعدہ تمام آیات پیش کردہ ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے اس کی وجہ علامہ بیضاوی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے: وفیہ دلیل علیٰ ان لا وصل فی المطاعم والماکل والملالین وانواع التجملات الایۃ بناء علیہ یہ سب چیزیں ازروئے قواعد اصول وحسب تصریح مفسرین فحول جائز ومباح ہوئیں۔ کیونکہ فروش بچھانا اور محفل کا سجانا اور عطریات سے لباس بسانا چوکی اور منبرو مسند لگانا یہ سب زینت اللہ میں داخل ہیں اور جو کہ حاضرین کو کھلایا جاتا ہے خواہ مٹھائی ہو یا کھجوریں یا کھانا ان سب کو لفظ طیبات من الرزق شامل ہے اور جو شخص ایسی چیزوں کو حرام کہے اس کے بارے میں احکم الحاکمین کا یہ ارشاد نازل ہوا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۝ (سورۃ المائدہ، ۸۷) یعنی اے ایمان والو! مت حرام ٹھہراؤ ستھری ان چیزوں کو جو حلال کی ہیں اللہ نے تمہارے واسطے اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ نہیں چاہتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو

جب آداب مذکورہ کا جواز فرادی فرادی جائز ہو گیا تو ان کے اجتماع میں کون ساز ہر مل جاتا

ہو جو وہ ناجائز ہو۔ مثلاً روٹی پکائی جاتی ہے اور اس میں آٹا ہوتا ہے اور پانی اور نمک ڈالا جاتا ہے۔ اگر یہ تمام چیزیں حلال ہوں تو روٹی کو کون حرام کہے گا۔ ہاں اگر شرعی ممانعت آجائے تو اسے ممنوع قرار دیا جائے گا۔ بغیر ممانعت شرعی صرف اجتماع مباح سے حرام نہ ہوگی۔

جیسا کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں کہا ہے:

فان افراد المباحات اذا اجتمعت کان ذلک المجموع مباحاً وبما انضم مباح لم یحرم الا اذا تضمن المجموع محظورا لا تضمنه الاحاد انتہیٰ

یعنی اگر مباح افراد جمع ہو جائیں تو ان کا مجموع بھی مباح ہوگا اور ایک مباح کیا تھا دوسرا مباح مل جانے سے حرام نہیں ہوتا جہاں تک ان کا مجموع کسی ممنوع شرعی کا متضمن نہ ہو جو افراد میں وہ ممنوع نہیں تھا۔

بنا علیہ مجتمع ہونے مباحات و مستحسنات سے یہ محفل مقدس ممنوع نہ ہوگی۔

رہا قیام یعنی حضور پاک صاحب لولاک ﷺ کے عین موقعہ ذکر و ولادت باسعادت کے فوراً بیتابانہ و والہانہ کھڑا ہو جانا جس کو مخالفین دیکھ یا سن کر بڑے بگڑتے ہیں چیختے ہیں چلاتے ہیں۔ دھاڑ دہائی مچاتے ہیں۔ کفر و شرک کر کے فتویٰ لگاتے ہیں۔

اگر توقیر محبوب الٰہی کفر ہوتا ۔۔۔ تو اپنا کفر دیتا جا میرا ایمان لیتا جا

خیر ان کے لغویات کو تنقید تو انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں کی جائے گی۔ اب اس کے جواز و استحسان کا ثبوت دیا جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجرد قیام بلا انضمام رکوع و سجود کے کوئی عبادت نہیں جو مخصوص لغات الٰہی ہو جیسا کہ تفسیر عزیزی پارہ الٓمّ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے در حقیقت چیز کہ نماز را از غیر نماز تمیز پیدا کند ہمیں دو فعل رکوع و سجود اند۔ قیام اختصاص بنماز بلکہ بعبادتے ہم ندارد۔ اور کبیری شرح منیہ میں علامہ حلبی نے لکھا ہے والقیام لم یشرع عبادۃ وحدہ ذلک لان السجود غایۃ الخضوع حتی نو سجد لغیر اللّٰہ یکفر بخلاف القیام۔ ان دونوں شہادتوں سے ثابت

ہوا کہ صرف قیام عبادت نہیں جو مخصوص لغاتہ تعالیٰ ہو۔ تو اس کو غیر اللہ کے لیے استعمال کرنے سے کفر ہوگا شرک بھی جائز نہیں نہیں بلکہ مستحب ومندوب بھی۔ اور اس قیام مندوب کی شرع شریف میں بہت صورتیں ہیں جن کی تفصیل مختصراً عرض ہے۔

(اوّل) کسی آنے والے کی تعظیم واحترام کے لیے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے۔ حدیث متفق علیہ قوموا الی سید کم اور حدیث ابی داؤد جس کا مختصر مفاد یہ ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ اُٹھ کر اس کو چومتے اور اپنی جگہ میں بٹھلاتے اور جب آپ ﷺ اس کے گھر میں تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی کھڑی ہو جاتی تھی۔ یہ دونوں حدیثیں اس مدعا پر اصل دلیل ہیں۔ علاوہ براین فقہا حنفیہ نے بھی اس کی تصریح کر دی ہے درالمختار للشامی جلد ۵ ص ۲۵۴ میں ہے وفی الوهبانیة یجوز بل یندب القیام تعظیماً للتصادم انتہا

(دوم) جب کوئی اپنا پیشوا مجلس اٹھے اس کی محبت میں تعظیماً کھڑا ہو جانا۔ چنانچہ مشکوٰۃ میں بیہقی کی حدیث بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رویت ہے کہ سرور عالم ﷺ مسجد میں ہم کو حدیث سناتے تھے جب آپ اُٹھتے ہم سب کھڑے ہو جاتے تھے اور جب تک آپ دولت خانہ میں داخل نہ ہو جاتے اس وقت تک ہم کھڑے رہتے تھے۔

ندائے غائبانہ

نحمده و نصلی علی حبیبہ الکریم

گواس مسئلہ کی تحقیق کما حقہ علماء کرام کثر اللہ تعالیٰ امثالھم نے اپنی تصنیفات میں بخوبی کر کے اس فریضہ سے سبکدوشی حاصل کرلی ہے۔ مگر چونکہ اس موضوع پر کوئی مستقل رسالہ جیسا کہ باقی مسائل متنازعہ فیہا میں تصنیف ہو چکے ہیں مرتب نہیں ہوا حالانکہ زمانہ حال کے ملاحدہ ملاعنہ نے تکفیر مسلمانانِ عالم کے لیے نداء غائبانہ کونہایت زہریلا اور خطرناک حربہ قرار دے رکھا ہے جس پر ان کے ناپاک مذہب کا دارومدار ہے ازیں وجہ یہ رسالہ تحریر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

نداغائبانہ کا معنیٰ ہے غائب کو پکارنا۔ یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی جیسا کہ ان ملاحدہ کی تصنیفات میں موجود ہے ملاحظہ ہو فتوی فضول لاثانی وغیرہ۔ اور اس نداء غائبانہ کو اسی فتویٰ کے اسی صفحہ وسطر میں ان ملاحدہ نے شرک وکفر قرار دیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نداء غائبانہ مخصوص بذات الٰہی جل جلالہ ہے یعنی دور سے اگر پکارا جائے تو صرف اللہ ہی کو پکارا جائے دیگر کسی کو اگر دور سے پکارا گیا تو شرک وکفر ہوگا۔ اب ان سے ہمیں پوچھنے کا حق حاصل ہے کہ کیا تمہارا خدا غائب ہے یا دور ہے ہمارا بلکہ تمام ملکوت السموات والارض کا پروردگار عالم خالق الکل جل جلالہ تو قرآن پاک میں فرماتا ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ○ (سورۃ ق، ۱۶) وھو معکم اینما کنتم ۔ ان اللہ معنا اور حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں انکم لاتدعون غائبا و لا اصم (فتوی فضول لاثانی، ص ۹۔۸)

جن سے ثابت ہے کہ پرودگار عالم جل جلالہ نہ غائب ہے نہ دور اب اگر ان ملاحدہ کا خدا کوئی اور ہے تو جھگڑا ختم اور اگر وہی پرودگار ان کا بھی خدا ہے تو اس کو غائب یا دور قرار دینا نصوص قطعیہ یعنی قرآن وحدیث کا صریح انکار ہے۔ شرح عقائد وغیرہ کتب کلام میں ہے ورد النصوص بأن ینکر الاحکام التی دلت علیہ النصوص ---- کفر۔

الحاصل نداغائبانہ نہ شرک ہے اور نہ کفر کیونکہ شرک کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی شخص کو الوہیت یعنی وجوب الوجود میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا جیسا کہ مجوس یا کسی شخص کو مستحق عبادت سمجھنا جیسا کہ

بت پرست شرح عقائد نسفیہ میں ہے الاشراك هو اثبات الشريك فى الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الا صنام

(شرح عقائد نسفیہ ص ۶۱)

اور ظاہر ہے کہ جو شخص حضورِ اکرم ﷺ کو بلفظ یا رسول اللہ ﷺ یا اولیاء کرام کو خواہ بقید حیاۃ ہوں یا مقبور نزدیک ہوں یا دور ان کا نام لے کر بحرف یا پکارتا ہے تو انکو نہ واجب الوجود قرار دیتا ہے اور نہ ہی ان کو معبود بلکہ بغرض استمداد و استشفاع و توسل پکارا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مستغنی عین البیان ہے کہ سائل مسؤل عنہ سے اسی چیز کا سوال کرتا ہے جو اس کے اختیار میں ہو اور مقربان الٰہی کے اختیار میں صرف توسل اور شفاعت ہے نہ انجاح مرام کیونکہ وہ قبضہ قدرت کاملہ میں ہے اس میں کسی نبی یا ولی وا غیرھما کی کوئی شرکت نہیں ہے۔

باقی رہا اس ندا کو منادی تک پہنچانا اور اس کا سن لینا سو یہ نہ منادی کے اختیار میں ہے اور نہ ہی منادی کے اختیار میں بلکہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ○(سورۃ بروج، ۱۶) جل وعلا شانہ کے قبضہ قدرت میں ہے قرآن شریف میں ہے إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ○(سورۃ فاطر، ۲۲) بس اگر وہ نہ سنوائے تو نزدیک بیٹھا ہوا بھی نہیں سن سکتا اور اگر سنوا دینا چاہے تو دور کو سنوا دیتا ہے۔ ہاں البتہ ہوا متکفیہ بالصوت عادۃً اسی آواز کو سامع کے کانوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ لیکن قدرت اس عادت سے بالاتر ہے۔

اگر قدرت چاہے تو ہوا بھی بے کار ہو جاتی ہے اور اگر قدرت چاہے تو ہوا کی ضرورت کیا ہے نمونہ طور ہم اہلِ قبور کا زائرین کے سلام کو سننا اور جواب دینا جو صحیح احادیث سے ثابت ہے جہاں سینکڑے من مٹی کے حائل ہوں پیش کرتے ہیں یہاں تو ہوا کا نفوذ بھی ناممکن لیکن سماع موجود۔ ثانیاً نداء غائبانہ کی ممانعت نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں بلکہ ان ملاحدہ کا خود تراشیدہ تصنیف ہے۔ اگر کسی آیت یا حدیث میں نداء غائبانہ کی ممانعت ہے تو پیش کریں فلیأتوابها ان كانو صادقين مگر کہاں سے لائیں نداء غائبانہ کا لفظ تو تراش لیا مگر آیت اور

حدیث کس طرح تراش سکتے ہیں۔البتہ آیات کے معانی کوتحریف کر کے ان میں خود تراشیدہ مضامین داخل کردیناان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے لیکن یہ داؤ صرف انکے چیلوں چانٹوں تک محدود رہے گا مسلمانان عالم ان فریب اور مکائد سے بخوبی واقف ہو چکے ہیں ان کی دام تزویر میں پھنسنے کے نہیں

قرآن شریف میں نداء غائبانہ کی ممانعت تو کہیں آئی نہیں بلکہ دونوں قسم نداء یعنی حاضر و غائبانہ کے جواز کا ثبوت البتہ موجود۔حاضرانہ مثلا وَنَادٰی نُوحٌ ابۡنَهُ ٥ (سورۃ ھود،۴۲) وغیر ذلك اور غائبانہ وَاَذِّن فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوكَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِن کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ٥ (سورۃ الحج،۲۷)جسکی تفصیل عنقریب آئیگی انشاء اللہ تعالیٰ ۔ ہاں دعا کا لفظ قرآن شریف میں متعدد مواقع پر بکثرت وارد ہے لیکن اس کے معانی بھی متعدد (۱) عبادت یعنی بندگی کرنا (۲) خواندن یعنی بلانا (۳) خواستن یعنی کسی سے کچھ مانگنا۔جن جن مواقع میں یہ الفاظ وارد ہے وہاں ان تینوں معنوں میں سے جو معنی سیاق وسباق کے مطابق ہواور علماءِ تفسیر نے اس معنی کا تعیین کردیا ہو وہی معنی مراد ہوگا نہ یہ کہ ہر جگہ ایک معنی الیا جائے جیسا کہ ملاحدہ کی چال ہے مثلاً آیت سورۃ جن وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰهِ یَدۡعُوهُ٥ (سورۃ جن،۱۹) یعنی یعبدہ و یقرء القران تفسیر خازن و مدارک التنزیل یہاں دعا بمعنی عبادت کے ہےاورسورۃ فاطر میں اِن تَدۡعُوهُمۡ لَا یَسۡمَعُوا دُعَاءَكُمۡ ٥(سورۃ فاطر،۱۴) یہاں دعا بمعنی پکارنے کے ہے بقرینہ لا یسمعوا کیونکہ سماع پکارنے پردلالت کرتا ہے

علیٰ ہذاالقیاس تمام قرآن شریف میں جس جگہ دعا کا لفظ ہےان تینوں معنوں میں ہے جو معنی مناسب سیاق کلام کے ہو وہی مراد ہوگا اب اس لفظ دعا کے استنادلغیر اللہ میں تفصیل ہے یعنی دعا بمعنی عبادت لغیر اللہ قطعاً حرام بلکہ کفر وشرک اور دعا کے دوسروں معنوں یعنی بلانا اور مانگنا میں بھی تفصیل ہے یعنی اگر مدعو عنداللہ مذموم ہستی ہے جیسا کہ بت وآگ و پانی وغیرہ معبودان باطلہ تو ان کو نہ کسی حاجت براری کے لیے بلانا جائز ہےاور نہ ہی ان سے حاجت کا مانگنا بلکہ یہ بھی قطعاً

حرام وکفر وشرک اور قرآن شریف میں جس قدر آیات غیر اللہ کو پکارنے یا دعا مانگنے کی ممانعت آتی ہے۔ان تمام آیات کا محمل یہی معبودان باطلہ ہیں جیسا کہ تمام سیر معتبر و ھم عن دعا ئھم غافلون میں ھم کا مرجع اصنام بتاتے ہیں۔اور اگر مدعو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و محترم ہستی ہے مثلاً انبیاؑ و شہدا و اولیا تو اس میں بھی تفصیل ہے اگر ان حضرات کو مستقل متصرف الامور قرار دے کر دور یا نزدیک سے پکارے یا اسی نیت سے ادنیٰ حاجت براری طلب کرے تو بھی شرک ہے کیونکہ فعال مطلق ذات پاک الٰہی جل جلالہ ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں۔اور اگر ان حضرات کو اپنی حاجت براری کے لیے جناب الٰہی میں وسیلہ قرار دے کر جناب میں خود عرض کرے ان سے جناب باری عزاسمہ کے دربار میں انجاح مرام کے لیے عرضکی درخواست کرے خواہ حاضرانہ ہو یا غائبانہ بہر کیف جائز و مشروع نہ اسمیں شرک ہے اور نہ کفر جیسا کہ آیت شریفہ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا۝ (سورۃ نساء، ۶۴) اس بارہ میں نص صریح ہے اور احادیث صحیحہ اس کی تائید میں متفق و منطبق ہیں۔غرض جہاں نداء یا دعا نہ جائز ہے تو وہاں مطلقاً ناجائز ہے خواہ حاضرانہ ہو یا غائبانہ اور جہاں جائز ہے وہاں بھی الاطلاق جائز حاضرانہ غائبانہ کا کوئی فرق نہیں۔

غضب تو یہ ہے کہ یہ بے ہودہ گستاخ پارٹی مقربان بارگاہِ الٰہی کو بتوں کے برابر قرار دے کر جو آیات بتوں کے حق میں نازل ہوئیں ان کو انبیاء کرام و اولیاء عظام پر محمول کرتے ہیں حالانکہ انبیاء کرام کے اوصاف حمیدہ قرآن شریف میں جا بجا مذکور ہیں اور اولیاء اللہ کے شان میں أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۝ (سورۃ یونس، ۶۲) موجود ہے غرض جس کام کو قدرت سرانجام کرنا چاہئے بہر کیف کر گزرتی ہے خواہ عادت کے مطابق یا خرقِ عادت اور امور میں خرقِ عادت کا ظہور انبیاء کرام سے بطریق معجزہ اور اولیاء عظام سے بطریق کرامت امر یقینی و قطعی ہے اس کا انکار شمس نصف النہار کے انکار کے مترادف ہے نص قرآنی و احادیث رسول ربانی اس کے بالاتفاق مثبت اور علماء اہلِ سنت بلا اختلاف اس کے قائل۔بناء علیہ جو ورد

رسیدہ دور سے حضور پاک ﷺ یا کسی ولیِ کامل کی جناب میں محض قدرت کاملہ کے بھروسہ پر استغاثہ یا استمداد کرے تو اس میں نہ کفر ہے نہ شرک بلکہ ایسے استغاثہ کو مستغاث کی جناب میں پہنچا دینا بطریق خرق العادۃ قدرت کا ادنی کرشمہ ہے۔ شرح برزخ میں ہے وروی فی الاخبار ان الانسان اذا صعب علیه امر فینادی ولیاً من اولیاء الله تعالیٰ فان کان حیاً یسمعه الریح فی طرفه عین اویعلم بالکشف و صفاء القلب و ان کان میتاً فیسمعه الملئکة فیعین له با شفاعة عند الله تعالیٰ و علیه المشائخ انتہی (شرح برزخ، وجیز الصراط، ص ۱۰۴)۔۔۔اور یہ خرقِ عادت یعنی نداء غائبانہ منادی تک پہنچ جانا کبھی منادی کی کرامت سے ظاہر ہوتی ہے اور کبھی منادی کی عظمت کی وجہ سے جیسا کہ نظائر آیت سے ظاہر ہو جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

اب ہم اس موضوع یعنی نداء غائبانہ کے جواز پر واقعاتی شہادت پیش کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ نداء غائبانہ امر مستحدث نہیں بلکہ عہدِ قدیم سے آجتک بلانکیر مجوز بلکہ مروج چلا آتا ہے اور اس کے برکات سے خلق کثیر مستفیض و مستفید ہوتی رہی ہے چونکہ کلام کے دونوں طریقوں یعنی نظم ونثر سے اس نداء غائبانہ کا استعمال جاری رہا ہے اسی واسطے دونوں طریقوں کے نظائر ذکر کر دینے دلچسپی کا باعث ہوں گے۔

لیکن چونکہ منکرین کا زیادہ تر حملہ کلمہ یا رسول اللہ ﷺ پر ہے جو جب بھی یہ متبرک کلمہ کسی مجلس میں ان کے سامنے استعمال کیا جائے تو ان بدبختوں کو بندوق کی گولی کیطرح لگ جاتا ہے جس سے بے تحاشا شور مچا دیتے اور قائل کو کفر و شرک کے دریا میں غرق کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں لہذا دندان شکن جواب دینا سب سے پہلے ضروری ہے۔ جس سے انشاء اللہ تعالیٰ انکے تمام چھکے چھوٹ جائیں گے اور جواب سے لاجواب ہو کر مسکوت و مبہوت زاویہ خاموشی میں بیٹھ جائیں گے۔ حدیث شریف بر آیت حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ مروی ہے کہ قال رسول الله ﷺ البخیل الذی من ذکرت عنده فلم یصل علی (مشکوٰۃ شریف ص، ۸۷)

تو جو شخص آپ کا نام لے کر آپکو دور سے پکارے گا درود شریف یا کم از کم ﷺ ضرور کہے گا

خواہ بلند آواز سے یا آہستہ اگر یہ نہ ہو سکے تو آپ کو نداء بھی نہ کرے ورنہ بخیلوں میں شمار ہوگا۔ یہ ہے نداء غائبانہ کا قاعدہ اب نداء غائبانہ باقاعدہ جس وقت بھی کیا گیا فوراً حضور کی جناب میں بذریعہ ملائکہ متعینہ پہنچ گیا جیسا کہ حدیث شریف بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام ۃ (مشکوۃ شریف ص۸۶)

اور دوسری حدیث میں ہے صلو علی فان صلوا تکم تبلغنی حیث کنتم اور تیسری حدیث کا اخیری فقرہ یہ ہے کہ و من صلی علی نائیاً اُبلغتہ (مشکوۃ شریف ص۸۷)

ان احادیث صحیحہ کے مابہ الاشتراک سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ جب ہی حضورِ انور ﷺ کی ذات مقدس پر صلوۃ یا سلام جس صیغہ سے بھی ہو خواہ بحرف نداء یا نہ بہرصورت ملائکہ متعینہ اس کو جناب کے دربار عالیہ میں فوراً پہنچا دیتے ہیں کسی قسم کا شبہ نہیں

گذشتہ تین چار سال کا ذکر ہے کہ جب شیر وہابیان پنجاب مولوی ثناء اللہ امرتسری پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا اور وہ اس حملہ کے اثر سے بالکل محفوظ رہا جو کوئی چوٹ بھی اس کے بدن پر نہ آئی تو اطراف سے اس کے بہی خواہاں نے نظم ونثر میں بہت مبارکبادی کی رسم ادا کی جس میں خطاب اور نداء غائبانہ بکثرت تھے تو شیر وہابیان نے علماء وقت کے مواخذہ سے اس طرح مخلصی حاصل کی کہ جب خطاب ونداء غائبانہ کے خطوط ڈاک میں ڈالے گئے اور خطوط میرے پاس پہنچ گئے تو نہ وہ نداء غائبانہ رہا اور نہ خطاب غائبانہ اس میں نہ کفر رہا اور نہ شرک تعجب کا مقام ہے کہ انگریزی ڈاک اور اس کے اہل کاروں پر تو اس قدر اعتبار ہے کہ مجرد خطوط ڈالنے کے مواخذہ سے بچ گئے۔ اور خدائی اہل کار جن کے حق میں رب العلمین کا ارشاد ہے ولا یعصون اللہ ما امرھم پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یہ ہے انکی ایمانداری کا خاکہ یعنی جو شخص دور سے مولوی ثناء اللہ کو نداء یا خطاب کرے وہ تو موحد مسلماں اور جو شخص سرور عالم رحمتہ للعالمین ﷺ کو دور سے ندایا خطاب کرے وہ کافر ومشرک ۔ نعوذباللہ من شرور انفسنا

اور بتوں کے بارے میں انکم و ما تعبدون حصب جہنم وارد ہے۔اب اس قدر تفاوت مراتب کے ہوتے ہوئے مساوی قرار دینا کس قدر بے انصافی وعیاری ہے۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی:

حالانہ خود جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ ٥ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ٥ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ٥ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ٥ (سورۃ فاطر،۱۹۔۲۲) واللہ الھادی ثالثاً ان ملاحدہ کی نداء غائبانہ کے کفر وشرک ہونے کے لیے بڑی سے بڑی دلیل یہ ہے کہ غائبانہ کرنے سے منادیٰ کو حاضر و ناظر قرار دیا جاتا ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا منجملہ صفات مختصہ باری تعالیٰ کے ہے جب غیر کے لیے ثابت کیا گیا تو صریح شرک و کفر ہوگا اس کے جواب میں ہم لکھتے ہیں کہ اسماء الٰہی جس طرح توقیفیہ ہیں اس طرح صفات باری تعالیٰ مختصہ بھی توقیفیہ ہیں اور حاضر و ناظر نہ اسماء حسنیٰ میں داخل ہیں اور نہ صفات مختصہ میں صفات مختصہ کہنا دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔اسی وجہ سے بعض فقہاء جناب باری تعالیٰ کو یا حاضر یا ناظر کہنا کفر کہتے ہیں جیسا کہ دارالمختار میں موجود ہے اور شامی نے بعیدہ تاویلیں کر کے اس کفر کو ہٹایا مگر کفر کے ہٹ جانے سے اصل معاملہ کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا ۔جب تک دلیل مستقل نہ پائی جائے۔ و این الدلیل تو جب اتصاف ذات باری جل ذکرہ بوصف حاضر و ناظر غیر متحقق ہے تو ان کو صفات مختصہ سے شمار کر کے غیر کے لیے ثابت کرنے سے شرک وکفر کا حکم جڑ دینا بناالفاسد علی الفاسد ہے اور فی الحقیقت بات یہ ہے کہ یہ حاضر ناظر یا کلی و جزوی وغیرہ منجملہ ان الفاظ کے ہیں جنہیں ان ملاحدہ زنادقہ الوقت نے مسلمانانِ عالم کو دھکیل کر کفر کے گڑھے میں ڈالنے کے لئے تراش کئے ہیں ورنہ جو مسلمان خاص ہو یا عام جب ہی اپنی کسی درد کی پکار حضور پاک ﷺ یا اولیاء کرام کی جناب میں بلفظ یارسول اللہ یا ولی اللہ عرض کرتے رہے تو اسوقت حاضر و ناظر کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو جناب الٰہی جل جلالہ کی عنایات پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے کہ یہ دردمندنہ پکار ان حضرات کی خدمت میں ضرور پہنچ

جائے گی اور فی الواقع اس میں وہ لوگ حق بجانب بھی ہیں کیونکہ حدیث قدسی بروایات ثقات مروی ہے بلفظ لا یزال یتقرب الی العبد بالنو افل حتی احبه فاذ احببته کنت سمعه و بصر ہ ویدہ رجله ولسأنه فبی یسمع و بی یبصر و بی یبطش وبی یمشی وبی ینطق جب مقربان بارگاہ الٰہی کی یہ حالت ہوئی کہ بوجہ کثرت عبادات کے فانی ہو کر باقی بہ بقا الٰہی ہو جاتے ہیں تو ان کے تمام افعال جو اعضاء ظاہری کے متعلق تھے سب اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتے ہیں۔ تو نداء غائبانہ سن لینا بھی اسی قبیلہ سے ہوگا۔

حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی جب اس بے ہودہ فرقہ کے کفر و شرک کا طمطراق دیکھا جاتا ہے بات بات میں شرک اور کفر جڑ دینا انکا مذاق ہے۔ اسلام کے احاطہ کے یہ واحد ٹھیکہ دار ہیں کس کو داخل یا خارج کرنا انہیں کے ہاتھ میں ہے جو شخص ان کا ہم عقیدہ ہو اس کو داخل کر دیتے ہیں خواہ وہ اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہ رکھتا ہو اور جو مسلمان ان کے عقائد باطلہ کے برخلاف ہو اگر چہ فی نفسہ پکا موحد متقی بھی ہو اس کے بازو سے پکڑ کر احاطہ اسلام سے باہر کر دیتے ہیں عوام مسلمانوں کو اپنے پھندے میں پھنسانے کے لیے بے شمار دام تزویر تیاری کیے ہیں منجملہ ان کے نداء غائبانہ سے حاضر و ناظر گھڑ لیا اور پھر حاضر و ناظر کو مختص بذاتِ الٰہی قرار دے کر ایسے منادی کو کفر و شرک کے رسا سے باندھ لیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ملک الموت یعنی عزرائیل علیہ السلام جس کی نسبت قرآن شریف سورۃ سجدہ میں ارشاد ہے قُلْ يَتَوَفّٰكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِىْ وُكِّلَ بِكُمْ ۝ (سورۃ سجدہ،۱۱) کو یہ بد مذہب فرقہ اپنا خدا کیوں نہیں مانتے حالانکہ تمام تفاسیر اس امر پر منطبق ہیں کہ تمام ذی روح کے ارواح کو وہی قبض کرتا ہے اور جمیع اکناف عالم پر اس کی ہر وقت نظر رہتی ہے مشرق سے مغرب تک جنوب سے شمال تک ایک آن میں مختلف مقامات پر پہنچ کر بلا تاخیر اجل مقررہ پورا ہونے سے فوراً روح خود قبض کرتا ہے اور پھر اعوان کے حوالے کر دیتا ہے تمام دنیا اس کی نظر میں ہتھیلی کی طرح ہے قال ابنِ عباس رضی اللہ عنہ ان خطوط ملك الموت ما بين المشرق و المغرب وقال المجاہد جعلت له الارض مثل الطشت يتنا ول منها حيث يشاء (تفسیر خازن)

اور سنیے مولانا جامی نفحات الانس میں لکھتے ہیں حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ می فرمودہ کہ حضرت عزیزان علیہ الرحمتہ می گفتند کہ زمین مدِ نظر ایں طائفہ چوں ذرہ است وما بگویم چوں روئے ناخن اشت ہیچ چیز از نظر یشاں غائب نیست (وسیلہ جلیلہ،ص ۱۷۷)

جب اولیاء کو یہ منصب حاصل ہے تو نداءِ غائبانہ یا حاضر وناظر کیوجہ سے تکفیر کہاں گئی۔ اب واقعاتی شہادات پیش کیے جاتے ہیں جن سے ناظرین کو تسلی کرنے میں دقت نہ ہو اور چونکہ اس شہادت کے دو پہلو ہیں نظم ونثر لہذا دونوں کا ذکر کرنا مناسب ہے۔ پہلے نثر کو لیتے ہیں بعدہ انشاء اللہ تعالیٰ نداءِ غائبانہ منظوم کا ذکر ہوگا۔ ان شہادات کو نظائر سے تعبیر کیا جائے گا

نظیر اول:

التحیات جو ہر نماز لیلی ہو یا نہاری، نفلی ہو یا فرضی، سنت ہو یا واجب میں کہیں ایک دفعہ اور کہیں دو بار ضرور پڑھا جاتا ہے بلکہ نماز کا خاتمہ اسی پر ہوتا ہے کوئی نماز نہیں جو اس کے بغیر ادا کی جاتی ہو اس میں السلام علیک ایھا النبی جو کہ خطاب اور نداء پر مشتمل ہے موجود حالانکہ یہ دونوں چیزیں یعنی نداء وخطاب حاضر سے مخصوص ہیں گو التحیات کے باقی الفاظ میں روایات کا اختلاف ہے جیسا کہ صحیحین میں بروایت عبد اللہ بن مسعود یہی الفاظ ہیں جو مذہب حنفیہ میں مروج و مستعمل ہیں اور صحیح مسلم میں بعض الفاظ مغائیر اور نسائی میں تفاوتِ یسیر کے ساتھ وارد ہیں۔ لیکن اس کلام یعنی السلام علیك ایھا النبی میں ہرگز نہ کوئی تغیر ہے نہ اختلاف بلکہ تمام روایات میں یہ کلام موجود اور حضرت عبد اللہ بن عباس و جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمیں یہ الفاظ التحیات اس طرح پڑھاتے تھے جیسا کہ قرآن شیرف کی سورہ پڑھاتے تھے۔ حنفیہ کی منیۃ المصلی سے لے کر جس قدر کتب فقہیہ ہیں تمام اسی التحیات کے وجوب کے قائل اور احادیث کا تو کوئی اندازہ بھی نہیں۔ یہاں خطاب بھی موجود اور نداء بھی خطاب کے لیے تو کاف لفظ مذکور اور ندا کا حرف گو لفظاً مخذوف ہے جیسا کہ یُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَـٰذَا ۝ (سورۃ سجدہ،۱۱) و ایھا الوجل (کافیہ) لیکن نیتہ موجود۔۔۔۔اور ظاہر ہے کہ ندا اور خطاب یہ دونوں حاضر سے مخصوص

غائب کو نہ نداء کیا جاتا ہے اور نہ ہی خطاب تو اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ آپ کو حاضر و ناضر قرار دے کر خطاب و نداء کیا جائے۔ اب اگر حاضر ناضر قرار دینا کفر و شرک ہوتا تو نماز جیسی رأس العبادات میں اسکا استعمال ہرگز روا نہ رکھا جاتا حالانکہ ائمہ مجتہدین مذاہب اربعہ واتباع ایشاں و علماء محدثین وفقہا محققین میں سے کسی سے بھی منقول نہیں کہ یہ الفاظ شرکیہ ہیں نماز تو بجائے خود خارج از نماز بھی ان کا استعمال کفر یا شرک ہے۔ اب یہاں منکرین ملحدین مذبوحی حرکت کی طرح والہانہ چند شبہات پیش کرتے ہیں ان کا جواب بھی سن لیجئے۔

شبہ اول:

کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور انور ﷺ کے انتقال کے بعد خطاب کو ترک کر کے السلام علی النبی کہا کرتے تھے اگر آپ کو حاضر ناظر جانتے تو خطاب کو کیوں ترک کرتے اب اس کا جواب اولاً یہ کہ یہ روایت دوسری روایات کے مخالف ہے اور روایت شاذہ بہ نسبت روایات مشہورہ کے متروک ہوتی ہے جیسا کہ علامہ قسطلانی نے اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے وفیہ ان ھذہ الروایۃ مخالفۃ للروایات الاخر فانھا لیس فیھا ھذا لحرف ۔ ثانیاً اس تغییر کے لیے نہ آپ نے حکم دیا ہے اور نہ صحابہ نے اس کو قبول کیا ہے جیسا کہ مولانا عبدالحلیم لکھنوی نے رسالہ نور الایمان بزیارت اثار حبیب الرحمان میں لکھا ہے اور علامہ قسطلانی لکھتے ہیں علی ان ھذا التغییر لیس من تعلیم النبی ﷺ حیث قال ابن مسعودؓ قلنا السلام علی النبی۔

ثالثاً حضور اکرم ﷺ کے حین حیات اس تغیر کا حکم نہ ہوا اور نہ ہی حضرت ابن مسعود نے اس خطاب کے چھوڑنے کا مشورہ دیا حالانکہ اس وقت تمام نمازی ہر نماز میں حضور کے سامنے نہیں ہوتے تھے بلکہ سیکڑوں کوسوں دور و سفر دراز میں ہوتے وقت بھی اس تشبیہ میں خطاب کو معمول رکھتے۔ بس اسی قدر سے ہمارا مدعا حاصل۔

شبہ دوم:

کہتے ہیں کہ یہ خطاب و نداء بغرض اسماع نہیں بلکہ بطور اخبار و حکایۃ واقعہ مراجعیہ کے ہے یعنی یہی الفاظ معراج کے موقعہ پر استعمال کیے گئے تھے اب نماز میں وہی الفاظ بطور حکایۃ و اخبار پڑھے جاتے ہیں ان سے انشاء و سلام ہرگز مقصود نہیں اور وجہ اس کی یہ بیان کرتے ہیں کہ نماز میں کسی شخص کو نداء یا خطاب کرنا مفسد نماز ہے جیسا کہ کتب فقہ میں صریحاً موجود ہے۔ اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ حکایت کے لیے محکی عنہ کا ہونا ضروری ہے ورنہ حکایۃ ناممکن یہاں محکی عنہ یعنی واقعہ معراجیہ کے لیے مکمل ثبوت چاہیے اور ثبوت کے لیے آیت قرآن شریف یا صحیح حدیث مرفوع متصل پیش کرنی چاہیے صرف معراجناموں کے قصوں پر اعتماد نہیں ہوسکتا۔ یہاں ایک منصف وہابی کا قول نقل کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مولوی غلام اللہ قصوری جو فاسد العقیدہ ہونے میں ضرب المثل تھا اور اس نے اپنے رسالہ تحقیق المرام میں لکھا ہے کہ ایسا ہی بعض ادعیات حکایۃ ہی ہیں جیسا کہ التحیات کیونکہ اگر حکایت نہ ہوتو التحیات میں نداء و خطاب واقع ہے جیسا کہ السلام علیك ایھا النبی اور خطاب حاضر کو ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ حاضر نہیں بلکہ (نقل کفر کفر نباشد) حیات ہی نہیں اگر اس کو حکایت شب معراج کا پڑھنا مقرر کریں تو اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں ایک خطاب غیر موقعہ دوم کلام فی الصلوۃ یہ مفسد صلوۃ ہے اس واسطے علماء نے تصریح کی ہے کہ اس کا پڑھنا حکایۃ ہے اس مسئلہ کو شیخ عبدالحق نے اپنی تصنیفات میں مصرح لکھا ہے۔ اس کی تردید میں مولوی عبدالجبار غزنوی امرتسری نے کتاب لکھی ہے جس کا نام تفضیک الانام علی تحقیق المرام ہے گو مولوی صاحب موصوف ہیں تو خاندانی وہابی لیکن متعصب نہیں بلکہ قوۃ دلائل کو دیکھ کر بات مان لیتے ہیں چنانچہ اس کتاب کے ص ۱۵۵ میں قصوری کے قول مذکورہ کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ملا صاحب آپ کو اور شیخ عبدالحق کو کیونکر معلوم ہوا کہ شب معراج میں بطور راز و نیاز کے الفاظ التحیات کے پڑھے گئے تھے اور اب تمام امت کو بطور حکایت پڑھنے کا حکم ہے۔ شاید آپ اور شیخ صاحب اردلی میں آنحضرت کے ساتھ گئے ہوں گے چشمدیدہ حال آپ بیان کرتے

ہیں ورنہ اس قصہ کی صداقت پر کوئی سند معتبر لائیں مگر اتنا خیال رہے کہ کتب متداولہ اور احادیث کا حوالہ دیا جاوے ورنہ شیخ جیسے متاخرین کا قول سند نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہ قصہ بالکل غلط ہے کسی محدث نے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا ایسی بے اصل بات کا نقل کرنا گویا اللہ اور رسول پر بہتان باندھنا ہے پھر لکھتے ہیں کہ ملا صاحب نے کسی معراجنامہ پڑھنے والے سے آپ تو صحاح پر عمل کرنے والے ہیں کسی صحیح سند سے ثابت کیجیے، نہ ہو سکے تو روایت حسن یا ضعیف ہی لائیے یہ قصہ سن کر نقل کر دیا ہے اور دل میں سمجھ لیا (افواہ خلق نقارہ خدا) ایسی مشہور بات کی کچھ تو اصل ہو گی صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کو قرآن مجید کی طرح التحیات سکھلاتے اور ہم آنحضرت کے ایام حیات میں السلام علیك ایھا النبی کہتے تھے اور بعد وفات کے السلام علی النبی کہنے لگے بھلا اگر صحابہ کرام بہ سبیل حکایت پڑھتے ہوتے تو کاف خطاب کیوں ترک کرتے نقل میں تصرف جائز نہیں ہوتا۔ باقی جواب یہ ہے کہ جو لوگ بعد رحلت حضرت رسالتماب کے السلام علی النبی بغیر کاف خطاب کے پڑھتے تھے ان پر کوئی شبہ وارد نہیں ہوتا۔ نہ غائب کو خطاب نہ کلام فی الصلوۃ۔ البتہ یاران نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لوگ بایام قیام دنیا اور نیز بعد از رحلت بملاء اعلیٰ کاف خطاب سے السلام علیک کہتے رہے ان پر آپ معترض ہو سکتے ہیں۔ پس ان کا جواب یہ ہے کہ بے شک نماز میں کلام کرنا منع ہے مگر جہاں اللہ اور رسول کا حکم ہو وہاں کچھ مضائقہ نہیں بلکہ وہ بولنا ہی عین عبادت ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز میں یا خارج از نماز بوقت درود یا سلام کے رسول اللہ ﷺ کو حکما مخاطب سمجھے تو بے شک جائز ہے ایک روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے بحالت خطبہ منبر پر چڑھ کر صحابہ کبار کی ایک جماعت کے روبرو لوگوں کو التحیات پڑھنا بتلایا اور اس میں لفظ السلام علیک سکھلایا یا کسی صحابی نے اس پر انکار نہ فرمایا گویا تمام صحابہ کا اس پر اتفاق و اجماع ہوا۔ انتھے مع ادنی اختصار۔ جائے حیرت ہے کہ مکمل وہابی جن کے مذہب کا دائرہ صرف اسی نداء غائبانہ کلام اور حاضر ناظر جاننے کو کفر و شرک قرار دینا ہے وہ بھی یہاں دلائل قویہ و براہین صریحہ کے محاصر میں آ کر اسلحہ ڈال بیٹھا اور

مقام تسلیم میں آ کر صاف اقرار کر دیا کہ حضور کو صلوٰۃ وسلام کے ضمن میں نداء غائبانہ وخطاب بلا شک وارتیاب جائز ہے خواہ نماز کے اندر ہو یا خارج از نماز بلکہ اس کو اجماع صحابہ جو اعلیٰ قسم کا اجماع ہے جس کا منکر کافر ہو جاتا ہے قرار دے کر قصوری بد مذہب کی مٹی پلید کر دی۔ لیکن یہ ملحد فرقہ جو مذہب حنفیہ میں داخل ہونے کے مدعی ہیں اس کے دلوں پر حضور ﷺ کی عناد وعداوت نے ایسا گھیرا کر رکھا ہے کہ یارسول اللہ ﷺ کہنا تو درکنار سننا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

اور مولوی غزنوی صاحب نے جو آپ کو حکما مخاطب جائز ہونیکی تقیید لگائی ہے یہ محض اپنے مذہب کی لاج رکھنے اور ہم مذہبوں کی جھاڑ سے بچنے کے لیے ورنہ حضور پاک ﷺ حقیقی مخاطب اور حقیقی منادی بنداء غائبانہ وحاضرانہ ہو سکتے ہیں جیسا کہ علماء اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے کہ حضور زندہ بحیات دنیوی حسی ہیں اور ہر جگہ تشریف فرما ہوتے ہیں مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۴۴۷ میں ہے بدانکہ حیات انبیاء متفق علیہ است میاں علماء ملت وہیچ کس را خلاف نیست دراں کہ آن کامل تر وقوی تراز وجود حیات شہداء ومقاتلین فی سبیل اللہ است کہ آن معنوی اخروی ست عند اللہ وحیات انبیاء حسی دنیاوی ست واحادیث واثار دراں واقع شدہ۔۔۔ اور اسی کتاب کے ص ۴۵ میں ہے اگر بعد ازاں گویند کہ حق تعالیٰ جسد را حالتے وہ قدر تے بخشیدہ است کہ دہر مکانیکہ خواہد تشریف بخشدہ خواہ بعینہ یا بامثال خواہ بر آسمان یا بر زمین وخواہ در قبر شریف یا غیر وے نیز صورتے دارد باوجود ثبوت نسبت بقبر در ہمہ حال انتہیٰ اور علامہ سیوطی رسالہ تنویر الملک میں لکھتے ہیں فحصل من مجموع ھذہ النقول والا حادیث ان النبی صلی اللہ علیہ و سلم حی بجسدہ مروحہ و انہ یتصرف و یسسیر حیث شاء فی اقطار الارض و فی الملکوت انتہی۔ (رسالہ تنویر الملک)

مگر یہ غنیمت کہ ایسے خاندانی وہابی سے ایسے الفاظ صادر ہون جوان کے مذہب کو ھباء منثور یا چکنا چور کر دیں ورنہ علماء اہل حق کی تصریحات زائد الحد موجود ثانیاً کتب فقہ حنفی میں بالتصریح مذکور ہے کہ نماز میں الفاظ تشہد کو بقصد انشاء پڑھا جائے نہ بہ نیت اخبار وحکایت جبکہ در المختار میں ہے و یقصد بالفاظ التشہد معا نیہا مرادۃ لہ علی وجہ الا نشاء کانہ یحی اللہ تعالیٰ و یسلم

علی نبیه وعلی نفسه و اولیأ نه کالا خبار عن ذلك ذکره فی المجتبی (درالمختار)

اور شامی میں ہے لا یقصد الاخبار و الحکایة عما وقع فی المعراج منه ﷺ من ربه سبحانه ومن لملائکة انتہی (فتاوی شامی)

اس طرح مراقی الفلاح شرح نورالایضاح ومعراج الدرایۃ ونہر الفائق شرح کنز الدقائق وغیرہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ الحاصل شارع کی جانب سے دو احکام باہم مقابل صادر ہوئے ہیں ایک یہ کہ نماز میں خطاب و نداء بغیر اللہ مفسد نماز ہے یہ حکم عام ہے اور دوسرا یہ کہ حضور پاک ﷺ کو نماز کے آخری حصہ میں خطاب و نداء کیا جائے یہ خاص بحضور ہے اور علماء اصول نے تصریح کی ہے کہ جب حکم عام و خاص کا مقابلہ ہو جائے تو عام سے ماسواء خاص کا مراد ہوتا ہے۔ اس قانون کے رو سے حضور پاک کو نہ نداء کرنا مفسد نماز ہے اور نہ ہی خطاب فحصل التوفیق بحکم نعم الرفیق. ثالثاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ نماز میں آپ کو خطاب کرنا مفسد نماز نہیں جبکہ قسطلانی وزرقانی وغیرہ محدثین لکھتے ہیں کہ آپ کے خصائص کے شمار میں و منها ان المصلی یخاطبه بقوله السلام علیك ایها النبی والصلوة صحیحة ولا یخاطب غیره جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نمازی نماز میں آپ کو خطاب کرے تو نماز جائز اور اگر حضور ﷺ کے بغیر کسی دوسروں کو خطاب کرے تو نماز فاسد۔ غرض عہدِ اقدس سے لے کر آج تک تمام صحابہ کرام وفقہا ومحدثین اس امر پر متفق و منطبق چلے آئے ہیں کہ حضور کو ندا و خطاب غائبانہ نماز میں بلا شک وشبہ جائز ہے اور ظاہر ہے کہ جو امر نماز میں جائز ہو تو خارض از نماز بطریق اولی جائز ہوتا ہے۔

شبہ سوم

کہتے ہیں کہ یہ امر تعبدی ہے منقول اس طرح ہوا ہے اور امر تعبدی میں صرف انہیں الفاظ منقولہ کے پڑھنے کا حکم ہوتا ہے معنیٰ کے لحاظ نہیں ہوتا اسی کا جواب اولاً یہ ہے کہ صرف امر تعبدی ہونے سے کام نہیں چلتا اس لیے کہ خطاب جائز رکھنے کی روایت تو موجود ہے اب یہ بتاؤ کہ غائب

کو خطاب کا لفظ بولنے کی حرمت یا کراہت پر کونسی آیت یا حدیث ہے پیش کرو عقلی گھڑی ہوئی باتوں کو الگ کردو۔ ثانیاً یہ کہ ان کلمات طیبات کو امر تعبدی قرار دینا تمہارے زعم کے مطابق بھی غلط ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ امر تعبدی جس طرح منقول ہو اسی طرح اس کو بحال کر رکھا جاتا ہے اس میں کسی قسم کا تصرف وتغیر جائز نہیں ہوتا اور تم اپنے مزعوم فاسد کے ثبوت میں وہ حدیث پیش کر چکے ہو جس کا مفاد یہ ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کے انتقال کے بعد ان کلمات کو متغیر کردیا یعنی خطاب کو بصیغہ غائب تعبیر کیا کرتے تو معلوم ہوا کہ یہ امر تعبدی نہیں اس کو تعبدی کہنا خلاف واقع ہے

شبہ چہارم

کہتے ہیں روئے زمین کے امکنہ متعددہ میں ایک ہی وقت میں نمازیں پڑھی جاتی ہیں اور ہر ایک نماز میں نداء وخطاب ہوتا ہے اگر ان سے اخبار وحکایت مقصود نہ ہو بلکہ انشاء ہو تو ایک ذات کا ایک آن میں امکنہ بعیدہ مختلفہ میں حاضر ہونا محالات عقلیہ ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جن عقول پر عداوۃ الرسول کا پتھر پڑا ہوا ہو البتہ ان کے نزدیک یہ امر محال ہو تو ہو ورنہ یہ نداء وخطاب عقول سلیمہ کے نزدیک قطعاً محال نہیں نہ آپکو حاضر قرار دینے کی صورت میں اور نہ ہی غائب قرار دینے کی صورت میں۔ غائب کی صورت میں تو ظاہر ہے کیونکہ عام طور دور کے رہنے والے غائبین کی طرف خطوط لکھے جاتے ہیں اور ان خطوط میں نداء بھی ہوتا ہے اور خطاب بھی لیکن ان خطوط کے پہنچ جانے کے بھروسہ پر یہ امر معیوب سمجھا جاتا ہے اور نہ ارتکاب محال اور اس نداو خطاب کا حضور تک پہنچ جانا بھی متیقن ہے خواہ بلا واسطہ یا بلواسطہ ملائک جیسا کہ احادیث صحیح سے ثابت ہو چکا ہے تو یہاں کوئی تعذر ہے نہ اشکال۔ اور آپ کو حاضر قرار کی صورت میں اس واسطے کو علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ تمام حالات و واقعات میں نصب العین مومنان و عابدان کے ہوتے ہیں یعنی آپ مومنان و عابدان سے کسی وقت غائب نہیں ہوتے جیسا کہ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری زئی شریف والے کے پیرومشد حضرت خواجہ شاہ احمد سعید صاحب قدسنا اللہ

تعالیٰ باسرارہ الاقدس آپنے رسالہ تحقیقیمیں ارشاد فرماتے ہیں و وجہ خطاب آنکہ تا حضرت ﷺ ہمیشہ نصب العین مومنانو قرۃ عین عابدان باشد در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آں کہ وجود نورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر وقوی تر است کما بینہ الشیخ فی ترجمۃ المشکوٰۃ (الحق المبین، ص ۳۰)

ناظرین کو واضح ہو کہ یہ حضرت شاہ صاحب اس ملحد فرقہ کے سرغنہ کے دادا پیر ہیں۔

اس مدعا کے اثبات کے لیے گو علماء محققین ہر چہار مذہب کی تصریحات بکثرت موجود لیکن مدمقابل چونکہ ملحد بے دین ہیں جو مقتدایان اسلام کے اقوال ان کے پیش کرنے گدھے کے گلے میں لولو و جواہر کا ہار پہنانے کے مترادف ہے۔ لہٰذا انہیں کے قول کو پیش کر دینا انسب ہے۔

از برائے کار سفلہ می باید فرست

خاک چوں در سر فتد با خاک بیروں می شود

مذہب وہابیہ کا مجدد اعظم نواب صدیق حسن خان نے مسک الختام شرح بلوغ المرام کے ص ۲۴۴ میں تحت السلام علیک ایھا النبی کے وجہ خطاب میں تین امور کہے ہیں ان میں سے پہلا تو وہی وہابیانہ طریقہ یعنی حکایۃ واقعہ معراجیہ اور دوسرا بعینہ یہی عبارت جو حضرت شاہ صاحب قبلہ نے شیخ صاحب سے نقل کی ہے لکھ دی اور تیسرا امر جو سب سے اعلیٰ و احلی ہے اور نواب موصوف کا بھی نہایت پسندیدہ ہے وہ یہ ہے کہ لکھتے ہیں و بعضی از عرفاء قدس سرہم گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است علیہ الصلوٰۃ والسلام در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنے آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب و اسرار معرفت منور و فائز گردد آرے شعر:

درراہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست می بینمت عیان و دعا می فرستمت (الحق المبین)

یعنی حقیقت محمدیہ ہر ذرہ موجودات و ہر فرد ممکنات میں سریان کئی ہوئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کے وجود میں حاضر و موجود۔ بس نواب صاحب نے تو ان ملاحدہ کے

ناک کاٹ ڈالی۔ اب بھی اگر نہ سمجھیں تو ان کو خدا سمجھائے۔

نظیر دوم:

قال اللہ تبارک وتعالیٰ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ س حج پ ۱۷ اس آیت شریفہ کا شان نزول حسب تصریح علماء التفسیریہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے بحکم رب العزت جل وشانہ بنا کعبہ شریفہ کو مکمل کیا تو ارشاد ہوا کہ اے ابراہیم تمام روئے زمین کے اہل قبلہ کو بلند آواز سے پکار کر سنا دو کہ تمہارے حج کے لیے بیت اللہ تیار ہو چکا ہے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری ندا کہاں تک پہنچ سکے گی۔ ارشاد ہوا کہ ندا کرنا تیرا کام ہے اور پہنچانا میرا کام۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبل ابوقبیس پر چڑھ کر دونوں انگلیوں کو کانوں میں داخل کر کے بلند آواز سے ندا کیا اور مشرق ومغرب وجنوب وشمال ہر طرف رُخ کو پھیرا اور کہا یا ایھا الناس الا ان ربکم قد بنی بیتاً وکتب علیکم الحج الی البیت فاجیبوا ربکم اس نداء غائبانہ کو نہ صرف موجودین روئے زمین نے سنا بلکہ جو ما فی الارحام والاصلاب الی قیام القیامۃ پیدا ہونے والے تھے سب نے سنا۔ ان میں سے جس شخص کے نصیب میں حج کرنا مقدر تھا اس نے جواب میں لبیک اللھم لبیک کہا اگر ایک حج مقدر تھا تو ایک دفعہ کہا اور اگر دو حج مقدر تھے تو دو بار علیٰ ہذا القیاس جس شخص کے نصیب میں باوقات زندگانی جس قدر حج کرنے تھے اتنے دفعہ لبیک کہا۔ اگر ندا غائبانہ کفر یا شرک ہوتا تو جناب باری عز اسمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے حنیف معلم التوحید کو اس کا ارشاد کیوں فرماتا ان اللہ لا یرضی بعبادہ الکفر اور ابراہیم علیہ السلام جس کے شان میں قرآن فرماتا وما کان من المشرکین کیوں نہ عرض کیا کہ نداء غائبانہ تو شرک ہے میں کس طرح اس کا ارتکاب کرسکتا ہوں تو صاف ظاہر وروشن ہو گیا کہ نداء غائبانہ نہ کفر ہے اور نہ شرک۔

نظیر سوم:

۶ھ میں جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کفار مکہ کے ساتھ صلح کی اور صلح

کے دس سال مقرر ہوئے تو من جملہ شرائط صلح کے یہ بھی تھی کہ ایک فریق نہ دوسرے فریق پر اس میعاد میں حملہ کرے گا اور نہ ہی اس کے خلفاء پر۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے بنی خزاعہ اور قریش مکہ کے حلیف تھے بنی بکر۔ ابھی اس صلح کا ایک سال گزرا تھا کہ ۷ھ میں بنی بکر نے بنی خزاعہ پر حملہ شب خون کر دیا جس میں قریش مکہ نے ان کی خفیہ مدد کی۔ اس سے بنی خزاعہ کو بڑا نقصان ہوا۔ اس کے بیس آدمی مارے گئے۔ تب بنی خزاعہ کے ایک راجز نے اسی رات میں آپ کو پکارا اور آپ سے استغاثہ کیا اور یہ کہا اغیثناہ یا محمداہ تو اس وقت آپ زنانہ میں وضو فرما رہے تھے۔ حضرت میمونہؓ پاس موجود تھی تو آپ نے تین دفعہ لبیک لبیک لبیک کہا حضرت میمونہؓ نے عرض کیا کہ اس وقت آپ کس کو لبیک فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ قریش نے بدعہدی کی ہے جو بنی بکر کے ساتھ مل کر خزاعہ پر شب خون کیا۔ خزاعہ کے راجز نے مجھے استغاثہ کیا ہے اس کے جواب میں لبیک کہہ رہا ہوں۔ پھر اس ندا غائبانہ کا اثر یہ نکلا کہ آپ نے فی الفور کفار مکہ پر چڑھائی کر کے مکہ کو فتح کر لیا اور خانہ خدا جو عرصہ سے بت خانہ بنا ہوا تھا اس کو تمام نجاسات اصنام سے پاک کر کے ہمیشہ کے لیے معبد اسلام بنا دیا گیا اور مکہ کو مرکز اسلام قرار دیا گیا۔ یہ ہیں ندا غائبانہ کے فیوضات۔ بتائیے ندا غائبانہ کفر ہے یا کفر توڑ شرک ہے یا شرک توڑ یہ واقعہ عموماً تفاسیر میں بھی ہے اور مولانا مفتی عنایت احمد صاحب نے تواریخ حبیب اللہ کے ص ۱۰۲ میں بالتصریح لکھا ہے۔

نظیر چہارم:

حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوج اسلامی لے کر ایران کے کفار کے ساتھ لڑائی شروع کر دی اتفاق سے ہجوم کفار نے لشکر اسلام کو محصور کر لیا۔ قریب تھا کہ کفار غالب ہو کر لشکر اسلام کو نیست و نابود کر دیتے۔ اس وقت امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے ممبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اثنا خطبہ میں آواز بلند فرمایا یا ساریۃ الجبل حضرت ساریہ نے امیر المومنین کی آواز سنا کر پہچان لی اور فوراً سنبھل گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر اسلام کو فتح عظیم حاصل ہوئی اور کفار مغلوب ہو کر سکہ اسلام کو مان کر

اسلام کے تابع ہو گئے اور اس دن سے ایران صدیوں کے کفر وشرک سے پاک ہو کر آج تک اسلامی جھنڈے لہلہا رہے ہیں۔ یہ ہیں نداغائبانہ کے برکات بتایئے نداغائبانہ کفر ہے یا کفر پٹ شرک ہے یا شرک چٹ۔ اب ان ملاحدہ کا فتویٰ جو فضول لاثانی کے نام سے نامزد ہے جس کی عبارت یہ ہے کسی کو دور سے پکارنا اور اس سے سمجھ لینا کہ اس نے سن لیا کفر وشرک ہے اس حکم حضرت امیر المومنین کے کارنامہ سے نسبت دیجیے حیف صد حیف تف بر ایں اعتقاد۔

نظیر پنجم:

حضرت ابوسعید خدری اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں حضرت ابن عمرؓ کا پاؤں سن ہو گیا۔ یعنی پست ہو گیا جس سے وہ بیٹھ گئے۔ تب کسی نے ان سے کہا اذکر احب الناس الیك تو ابن عمرؓ نے کہا یا محمداہ فوراً وہ پاؤں درست ہو گیا اور چل پڑے رواہ ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة (وجیز الصراط ص ۱۰۸ و نور الانصاف ص ۱۰)

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عبدالرحمان بن سعید رضی اللہ عنہ کے تلقین سے حضرت ابن عمرؓ نے یہ نداغائبانہ کیا اور حضرت مجاہد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباس کی تلقین سے حضرت ابن عمر نے نداغائبانہ کیا بہر کیف جلیل القدر صحابہ کا اس نداغائبانہ کے عامل ہونے سے صاف ثابت ہوا کہ نداغائبانہ خواہ منادی زندہ ہو یا بعد از وفات مجوز و مروج ہے۔

نظیر ششم:

بعینہٖ یہی واقعہ یعنی پاؤں سن جانا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے بھی منقول ہے کہ انہوں نے بھی یہی نداغائبانہ یعنی یا محمد کہنے سے شفا پائی (نور الانصاف ۱۰)

نظیر ہفتم:

علامہ جزری کا التزام ہے کہ سوائے روایات صحیحہ کے اس میں ذکر نہیں ہو گا اس میں مذکور ہے اذا انفلتت دابة فلیناد مرا عینونی یا عباد اللّٰہ یعنی جب تمہاری سواری بے اختیار ہو جائے تو

اعینوا یاعباداللہ کہو (حصن حصین)

اور دوسری روایت میں ہے وان اراد فلیقل یا عباد اللّٰہ اعینونی یا عباداللہ اعینونی یا عباداللہ اعینونی (حصن حصین)

یہ کلمات متبرکہ متعدد احادیث سے ثابت ہیں۔ مرفوعہ بھی اور موقوفہ بھی اور بطریق کثیرہ مروی ان طرق میں سے اگر کسی ایک طریق میں ضعف ہو تو یہ ضعف دوسری طریق میں سرایت نہیں کرسکتا۔ علاوہ ان فضائل میں احادیث ضعیفہ بھی قابل عمل ہوتی ہیں۔ جیسا کہ علماء اصول کا متفقہ اقرار ہے الحاصل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب کوئی کسی ویرانہ میں کسی تکلیف سے مبتلا ہو جائے اور اس کے مدد کرنے والا ظاہراً کوئی نہ ہو تو یہ کلمات نداء غائبانہ استعمال کرے۔ کیونکہ خداوند عالم جل جلالہ نے محض اسی کام کے لیے بندے مقرر فرمادیے جو محتاجوں کی حاجت براری کا وسیلہ ہوتے ہیں۔ اس عمل کو اکابر اُمت نے بارہا تجربہ کیا جو بالکل صحیح ثابت ہوا۔ یہ ہیں نداغائبانہ کے اثرات۔ اگر نداء غائبانہ شرک ہوتا تو آپ اس کی تلقین نہ فرماتے۔

نظیر ہشتم:

جب حضرت سیدالشہداء شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شربت شہادت نوش فرمایا اور باقی اعزہ واقارب کو ظالمین نے مقید کر کے شام کی طرف روانہ کر چلے تو ان اسیروں میں حضرت بی بی زینب بنت علی رضی اللہ عنہما بھی تھی۔ جب یہ معصومہ مرحومہ مظلومہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد اقدس کے پاس سے گزری تو جناب فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں استغاثہ کیا اور کہا یا محمداہ یا محمداہ هذا حسین بالعراء مزمل بالدماء منقطع الاعضاء یا محمداہ یہ تھا نداء غائبانہ جس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد کوفہ میں مرض جدری ایسی شدت سے عارض ہوئی کہ بہت لوگ تباہ ہو گئے اور ہزار یا پانچ سو آدمی تو اس سے نابینا ہو گئے جو اکثر سیدالشہداء کے محاربین یا ان کے لواحقین میں سے تھے۔

(مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام وجیز الصراط ص ۱۱)

نظیرنہم:

دلائل الخیرات جو کہ نہایت مقبول ومنظور وردا اور معمول و شہود وظیفہ ہے جو ہر چہار سلسلہ میں مروج ہے۔ بالخصوص سلسلہ نقشبندیہ میں تو لازمی قرار دیا گیا ہے اور حرمین شریفین میں عرصہ دراز تک اس کا درس جاری رہا ہے۔ اس میں کلمات طیبات ذیلہ ہیں جن میں خطاب و آداء غائبانہ بسرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام موجودہ وہ یہ ہیں اللھم انی اسئلك و واتوجہ الیك بحبیبك المصطفیٰ عندك یا حبیبنا یا محمد انا نتوسل بك الی ربك فاشفع لنا عند المولی العظیم یا نعم الرسول الطاہر اللھم شفعہ فینا بجاھہ عندك (دلائل الخیرات، ص ۱۶۶)

من عیینہ دیکھیے یہاں ندا غائبانہ بھی موجود اور خطاب بھی اور لطف یہ ہے کہ ان تمام کلمات میں نہ کہیں صلوٰۃ کا ذکر ہے اور نہ ہی سلام کا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ ندا خطاب کے جواز کے لیے صلوٰۃ والسلام کے ضمن میں ہونا ضروری نہیں۔ اب اگر ندا غائبانہ وخطاب شرک وکفر ہے تو العیاذ باللہ تمام مشائخ خصوصاً نقشبندیہ ودیگر صالحین جن کا روزانہ وظیفہ ہے مشرک قرار دیے جائیں یا جو اصحاب طریقت اپنے مریدوں کو اس کے پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں معاذ اللہ وہ شرک کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔

نظیر دہم:

اب فقہاء حنفیہ کی تصریح بھی سن لیجیے علامہ محقق حلبی حنفی نے بحث میں لکھا ہے کہ یہ دعا بعد وضو مکمل کے پڑھنی چاہیے اللھم اسئلك واتوجہ الیك بنبیك محمد نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم یا محمد انی توجھت بك الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فی۔ (کبیری شرح منیۃ المصلی، صلوۃ الحاجۃ ص ۳۷۱)

اس میں بھی وہی خطاب وندا غائبانہ موجود جس کی تعلیم فقہاء محققین کر رہے ہیں۔

نظیر یازدہم:

طبرانی نے معجم کبیر میں بسند صحیح روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی کسی حاجت کے لیے آتا جاتا مگر امیر المومنین اس کی طرف التفات نہ فرماتے۔ اس شخص نے عثمان بن حنیف کو اس کا تذکرہ کیا۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا کہ تم پہلے وضو کرو پھر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ بعد اس کے یہ کلمات طیبہ پڑھو اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد صلی اللّٰہ علیه واله وسلم نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك علی لیقضی حاجتی اللھم فشفعه فی۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب حسب معمول حضرت امیر عثمان کے دروازہ پر گیا تو دربان محبت کے ساتھ اس کے بازو سے پکڑ کر حضرت امیر عثمان کے پاس لے گیا۔ امیر عثمان نے اس کی بہت خوشامد سے اس کی حاجت روائی کی اور ساتھ ہی فرمایا کہ آئندہ کوئی حاجت بھی ہو فوراً میرے پاس چلے آنا۔ (معجم کبیر)

یہ ہیں نداء غائبانہ کی برکات۔

نظیر دوازدہم:

صحیح ترمذی میں بروایت حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ ایک نابینا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ آپ دعا کیجیے کہ میری بصارت واپس آ جائے۔ آپ نے فرمایا اگر چاہو تو دعا کروں اور اگر چاہو تو صبر کرو اس میں تمہاری بہتری ہے اس نے عرض کیا دعا کرو۔ آپ نے فرمایا وضو کر کے یہ دعا پڑھو اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی تقضی لی اللھم شفعه فی۔ چنانچہ اس نابینا نے آنحضرت کے غیبت میں ایسا ہی کیا اور بینا ہو گیا۔

(صحیح ترمذی، نسائی، بیہقی، ابن ماجہ)

اس حدیث کو نسائی و بیہقی و ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا ہے اور حاکم نے علی شرط الشیخین کہا ہے اور حافظ ذہبی نے اس کا اقرار کیا ہے اور ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں خاموشی سے اس کو نقل کیا ہے

اور حافظ جزری نے حصن حصین میں اور علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں اور علامہ حلبی نے شرح منیہ میں اور طبرانی اور ابونعیم نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں جیسا کہ شرح مواہب زرقانی میں ہے۔ایسے محدثین کی تصریح اس حدیث کے صحیح ہونے میں کافی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ خطاب ونداء غائبانہ بلفظ یا محمد آپ کے عہد مبارک میں آپ کی تعلیم سے ہوا شرح ابن ماجہ میں اور نیز جذب القلوب ومعجم الکبیر وغیرہا میں ہے کہ یہ خطاب ونداء بالفاظ بعد از انتقال سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم و عہد صحابہ میں بھی ہوا جیسا کہ نظیر نمبر ا کے ضمن میں مذکور ہوا بعد ازاں حدیث میں کوئی لفظ تعیین زماں و تخصیص شخص پر دال موجود نہیں تو ان کلمات کو مشائخ کرام نے وظائف میں اور فقہاء و محدثین نے کتب فقہ کی الصلوۃ الحاجات میں عام طور پر لکھ دیا۔جس سے ثابت ہو گیا کہ جب خود شارح نے اپنی ذات مقدسہ کو وسیلہ انجاح ومرام قرار دے کر اس کی تعلیم بھی فرمادی ہے تو اس تعلیم سے امت کا ہر ایک فرد انتفاع حاصل کرسکتا ہے۔

نظیر سیزدہم:

فتوح الشام میں ہے کہ جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح نے قنسرین سے کعب بن ضمرہ کو بارادہ حلب روانہ کیا ایک ہزار سوار دے کر اور کعب بن ضمرہ کی لڑائی یوقنا سے پڑی اس کی پانچ ہزار سپاہ تھی۔عین لڑائی کی اثناء میں یوقنا کی پانچ ہزار سپاہ اور آ گئی۔غرض کہ ایک ہزار فوج اسلام کی لڑائی پانچ ہزار سپاہ کفار سے مقابلہ ہو گیا۔اس وقت مسلمان جانبازیاں کر رہے تھے۔اور کعب بن ضمرہ نہایت بے آرام و بے چین گرد آواز دیتے اور پکارتے یا محمد یا محمد یا انصار اللہ انزل اور مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے یا معشر المسلمین اثبتو فانما ھی ساعۃ و انتم الاعلون۔نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانان کو فتح حاصل ہوئی اور کفار شکست کھا کر مغلوب ومقہور ہوئے۔یہ ہے نداء غائبانہ کے اثار جس کو صحابہ کبار نے سینکڑ ے کوسوں سے آپ کو پکارا۔(فتوح الشام ص ۲۹۸)

نظیر چہاردہم:

مصباح الظلام فی المستغثین بخیر الانام میں بروایت حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ مروی ہے

کہ انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر جب تین روز گزر گئے تو ایک اعرابی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گر پڑا اور قبر کی مٹی لے کر اپنے سر پر ڈالی اور کہا یا رسول اللہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا ہم نے اسے سنا اور جیسے آپ نے اللہ تعالیٰ سے حفظ کیا ہم نے آپ سے حفظ کیا اور جو قرآن آپ پر نازل ہوا ہے اس کی ایک آیت یہ ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْاۤ اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (سورۃ نساء، ۶۴) ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور آپ کی خدمت شریف میں صرف اسی لیے حاضر ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں آپ ہمارے لیے مغفرت چاہیے۔ اسی وقت قبر شریف سے آواز آئی کہ یقیناً تمہاری مغفرت ہوگئی

(مصباح الظلام فی المستغثین بخیر الانام و سیلہ جلیلہ ص ۱۰۱)

یہ ہیں خطاب ونداء غائبانہ کے افادات۔

نظیر پانزدہم:

امام بیہقی وابن ابی شیبہ نے مالک دار خازن امیر عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ ایام خلافت حضرت امیر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مدینہ منورہ میں قحط شدید عارض ہوا تو ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مزار مقدس پر حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ اپنی اُمت کے لیے جناب الٰہی میں بارش کا سوال کیجیے۔ کیونکہ امت ہلاک ہو رہی ہے تو اس شخص کو حضور نے خواب میں فرمایا کہ عمر کو میرا سلام کہہ دیں اور کہیں کہ بارش ہوگی اور زیرکی سے کام لینا جب یہ واقعہ امیر عمرؓ کو پہنچا تو بہت روئے اور کہا کہ اے پروردگار ہم قصور نہیں کرتے مگر اس چیز میں جہاں ہم عاجز ہوں۔ (خلاصۃ الوفا)

نوٹ: نظیر نمبر ۱۴ اور ۱۵ پر اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ مزار مقدس پر جو شخص ندا یا خطاب کرتا ہے یہ خطاب یا ندا غائبانہ کی صورت میں نہیں بلکہ نداء حاضرانہ ہے اس کو ندا غائبانہ میں شمار کرنا تعسف ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ غائب کا معنی ہے ما غاب عن الحس جیسا کہ مسافت بعیدہ کی وجہ سے غائب کہا جاتا ہے اسی طرح مدفون ومقبور کو بھی بوجہ غائب عن الحس ہونے کے غائب کہا جاتا ہے تو ندا غائبانہ متحقق۔

یہ جملہ نظائر بطور مشت نمونہ خروارے وقطرہ از ابحارے وذرہ از قنطارے اگر جملہ بالاستیفاء ذکر کیے جائیں تو دفتر وسیع مرتب ہو جس سے قارئین کرام کے ملال کا اندیشہ لاحق۔ خصوصاً جبکہ اہل انصاف وحق پرست کو اس قدر سے بخوبی تسلی حاصل ہو سکتی ہے۔ تو تطویل لا طائل وتحصیل حاصل بے سود۔ واللہ الھادی

اب نداء غائبانہ جو بضمن اشعار قدیم الایام سے اکابر اُمت مرحومہ میں مروج ہے اس کو بھی بطور تتمہ کے ذکر کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا جس سے معلوم ہو جائے گا کہ ندا غائبانہ سلف صالحین میں معیوب نہ تھا اور نہ ہی خلف محققین میں۔

گو کہ منکرین اس ندا غائبانہ جو بضمن اشعار واقع ہے اس کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ ندا شاعرانہ مذاق سے ہوا ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں لیکن اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ جو الفاظ شرکیہ یا کفریہ ہوں وہ نہ نثراً جائز ہیں اور نہ ہی نظماً۔ خصوصاً ان اشعار کے قائل فردوسی طوسی نہیں بلکہ پیشوایان دین ومقتدایان اسلام جن کے حق میں ترک مستحب بھی محظور اور جن کیلئے کہا گیا حسنات الابرار سیئات المقربین۔

نظیر اوّل:

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں حضرت شیخ محدث دہلوی نے لکھا ہے محمد بن حرب کہتا ہے کہ حضور کے انتقال کے بعد میں مدینہ شریف میں آیا اور مزار مقدس کی زیارت سے مشرف ہو کر وہاں بیٹھ گیا۔ ناگہاں ایک اعرابی آیا اور زیارت سے مشرف ہو کر کہا یا خیر الرسل حق تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب بھیجی اور اس میں یہ آیت بھی ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًاo (سورۃ نساء، ۶۴)

اب میں اپنے گناہوں سے استغفار اور آپ سے مستشفع ہو کر آیا ہوں اور روتا ہوا یہ اشعار پڑھے:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ

لقد طاب من طیبھن القاع والاکم

نفسی الفداء بقبر انت ساکنه

فیه العفاف وفیه الجود والکرم

(جذب القلوب الی دیار المحبوب)

محمد بن عرب کہتا ہے کہ جب وہ اعرابی چلا گیا تو خواب میں مجھے حضور کی زیارت نصیب ہوئی جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس اعرابی کو ملو اور اسے بشارت دو کہ حق تعالیٰ نے میری سفارش کے سبب تیرے سب گناہ معاف کر دیے ہیں۔ یہ ہے نداء غائبانہ کے اثرات۔

نظیر دوم:

حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے جو حضور کے فضائل میں قصیدہ کہا ہے اور اب تک وہ قصیدہ عام طور پڑھا جاتا ہے اس کا ایک شعر یہ ہے:

وکن لی شفیعاً یوم لا ذو شفاعة

سواك بمغن عن سواد بن قارب

اس میں خطاب صریح بسید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نداء اشارۃ موجود علی ہذا القیاس۔ اگر اسی طرح نداء غائبانہ کے نظائر لکھتے جائیں تو ایک دفتر طویل بن جائے گا جس سے ناظرین کرام کو ملام لاحق حال ہونے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اسی قدر پر اکتفاء کرنا انسب ہے۔ اب نداء غائبانہ کے نظائر جو اشعار کے ضمن میں مقتدایان امت سے واقع ہوئے ہیں بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں۔

نظیر اول:

حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے انتقال کے بعد جو اشعار فراقیہ کہے ہیں ان میں سے یہ شعر بھی ہے جس میں نداء وخطاب دونوں موجود ہیں۔

فواللہ ما انساك احمد ما مشت

بی العیش یوماً وجاوزت وادیاً

نظیر دوم:

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جو آپ کے فراق میں اشعار کہے ہیں انہی سے یہ شعر بھی ہے جن میں نداء غائبانہ اور خطاب دونوں موجود

رسول الله ضاق بنا الفضاء

وجل الخصب و انقطع الاخاء

رجوتك يا ابن امنة لانی

محب و المحب له الرجاء

حضرات یہ ذوق اور مومن کا کلام نہیں جو مبالغہ وشاعریت پر محمول کیا جائے بلکہ یہ کلام ایسے لوگوں کی ہے جو واقعیات کو اشعار کے پیرائے میں بیان فرماتے تھے۔

نظیر سوم:

حضرت یحیٰی صرصری رحمۃ اللہ علیہ جو ابن تیمیہ کے جد مجد دودین کے ہم زمان تھے۔ اور ابن تیمیہ نے اپنی کتاب انتصار میں ان کی بڑی تعریف کی ہے۔ وہ اشعار ذیلہ ملاحظہ ہوں۔

الا يا رسول الله انت وسيلتی

الی الله ان ضاقت بما رمت حيلتی

وانت نصيری فی خطوب تتابعت

علیّ و ذخری عند فقری و عيلتی

يا سيدی يا رسول الله يا سندی

فی کل خطب ثقيل موجع الم

فأستغفرالله لی يا من اذانزلت

فی شدة انجو فيه من النقم

نظیر چہارم:

ایک شعر یہ ہے

یا اکرم الخلق مالی من الو ذبہ

سواك عند حدوث الحادث الصمم

بعض شراح اس قصیدہ کے لکھتے ہیں کہ شیخ بوصیری رحمتہ اللہ علیہ پر ایسے وقت میں فالج گرا کہ وہ ایک جنگل میں تھے۔ کوئی ان کا رفیق معاون نہ تھا۔ شیخ نے اسی حالت میں یہ قصیدہ تصنیف کیا۔ جب قصیدہ تمام ہو گیا خداوند کریم کا سجدہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی درگاہ میں نہایت تضرع سے یہ پڑھا یا اکرم الخلق الخ۔ جب یہ قصیدہ پورا پڑھ گئے تو سو گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت تکلف سے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ اسی وقت شفایاب ہو گئے۔

نظیر پنجم:

حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی پیران پیر شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا یہ قصیدہ مشہور ہے۔

یا حبیب الا لہ خذ بیدی

ما لفجری سواك مستندی

اعتصامی سوا جنابك لی

لیس یا سیدی الی احدی

غیر عرواك لیس فی الدارین

لعلیل الذلیل معتمد

کن رحیماً لذاتی واشفع

یا شفیع الوری الی الصمد

نظیر ششم:

حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جو موجودہ تمام نقشبندیوں کے دادا پیر ہیں اپنے ایک قصید میں اس طرح فرماتے ہیں۔

گفت مظہر غزلی بہر جگر گوشۂ تو
غوث اعظم مددے قبلہ پاکاں مددے

نظیر ہفتم:

حضرت مولانہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ ہمزیہ میں فرماتے ہیں۔

رسول الله يا خير البرايا
نوالك ابتغي يوم القضاء
اذا ما حل خطب مد لهم
فانت الحصن من كل البلاء
اليك توجهي و بك استنادی
و فيك مطامعي و بك ارتجائی

نظیر ہشتم:

حضرت شیخ محدث محقق عبدالحق دہلوی اپنے ایک قصیدے میں لکھتے ہیں

بھر صورت که باشد یا رسول الله کر م فرما
بلطف خود سر و سامان جمع بے سر و پا کن

نظیر نہم:

حضرت شاہ ابوالمعالی قاری لاہوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ہر نبودے یا رسول اللہ ذات پاک تو

ہیچ پیغمبر ندیدے دولت پیغمبری

نظیر دہم:

حضرت مولانا عارف جامی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

ای بسر پردۂ یثرب بخواب

خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

ز مہجوری برامد جان عالم

ترحم یا نبی اللہ ترحم

نظیر یازدہم:

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی و مولوی اشرف علی تھانوی و دیگر علماء ہندوستان کے پیر طریقت حضرت جناب مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی چشتی صابری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس وقت آپ حج کر کے ہندوستان واپس تشریف لائے اس وقت قصیدہ فراقیہ لکھا جس کے دو بیت یہاں لکھے جاتے ہیں۔

اگرچہ ہوں نہ قابل وہاں کے پر امید ہے تم سے

کہ مجھ کو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہ

پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو

بس اب قید دو عالم ہے چھڑاؤ یارسول اللہ

نظیر دوازدہم

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ دیوبند جن کے علماء دیوبند بلکہ یہ فرقہ ملاحدہ بھی نہایت معتقد ہیں۔ اپنے ایک قصیدہ میں فرماتے ہیں:

تیرے طفیل سے اتنی تو ہو گئی تخفیف
بشر گناہ کریں اور ملائک استغفار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

نظیر سیزدہم:

حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیر دیوبندی نے ایک قصیدہ دالیہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شان عالی میں لکھا جس کا آخری بیت یہ ہے:

وز جناب دے رضا بر احقران مبتہام
خاصہ آں احقر کہ افقر ست از جملہ انام
مستغیث است الغیاث ای سرور عالی مقام
در صلہ از بارگاہست درنشیند ایں قصید

غرض اگر اکابر اُمت مرحومہ سے خطاب وندا سرور انبیاء صلی اللہ علی وسلم جو بحالت غیوبیت بست صادر ہوئے ہیں تمام کے تمام لکھے جائیں تو ایک طویل کتاب بن جائے گی۔ لہٰذا بطور نمونہ اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ واللہ الہادی

حررہ المسکین احمد الدین عفا اللہ عنہ گانگوی